سادہ ایڈیشن

اسکول و کالج اور دینی مدارس کے طلباء کے لیے
مختلف موضوعات پر انتہائی مؤثر اور ذہن ساز

سو ۱۰۰ تقریریں



تالیف
حضرت مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری

المنهل پبلشرز
Al-Manhal Publishers

داعی قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمہ اللہ

سو تقریریں

1

المنہل پبلشرز
بلاک A-1، گلستانِ جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی
0321-3135009|0321-2000870
www.almanhalpublisher.com
almanhalpublisher@gmail.com

سو تقریریں ①

اسٹاکسٹ

ادارۃ النور
دکان نمبر 3-2 المرتضیٰ سینٹر بنوری ٹاؤن گرومندر کراچی
021-34914596, 0324-2855000
idaratunnoor@gmail.com

المنہل پبلشرز
بلاک A-1 گلستان جوہر یونیورسٹی روڈ کراچی
0321-3135009 0321-2000870
www.almanhalpublisher.com
almanhalpublisher@gmail.com

پاکستان بھر میں ملنے کے پتے

لاہور
مکتبہ رحمانیہ 0343-9697395، 042-37224228
اعجاز احمد 0332-4959155
المیزان 042-37122981
مکتبۃ العلم 042-37211788
الفلاح پبلشرز 0333-4101085

راولپنڈی
اسلامی کتاب گھر 0514-830451
اکلیل پبلشنگ 0332-5459409

ملتان
مکتبہ حقانیہ 0300-4541093
مکتبہ امدادیہ 0300-6380664
مکتبہ امدادالعلوم 0302-9635918

فیصل آباد
اسلامی کتاب گھر 0323-2000921

اسلام آباد
مکتبہ فریدیہ 0343-5846073

حیدرآباد
محمد احسن 0321-8728384
مکتبہ اصلاح و تبلیغ 0320-3015228

کوئٹہ
کتب خانہ رشیدیہ 0333-7825484

کوہاٹ
مکتبہ حسین بن علی 0334-8299029

پشاور
دارالاخلاص 0300-5831992، 091-2567539
بیت العلم 0300-9348654
مکتبہ عمر فاروق 0311-8845717، 091-2580103
مکتبہ فاروق اعظم 0345-9597693
مکتبہ عثمانیہ 0300-5990822

چمن
دارالعلم 0315-4105987
مکتبہ عزیزیہ 0315-7788573

ڈیرہ اسماعیل خان
برکی کتب خانہ 0346-7851984، 0336-9755780
مکتبہ حقانیہ 0346-5435446

درہ پیزو
مکتبہ علمیہ 0305-9571570

سرائے نورنگ
مکتبہ ختم نبوۃ کتاب گھر 0302-5565112

بنوں
مکتبۃ الاسلام 0334-5345720
مکتبہ عرفان 0333-9749663
مکتبہ فتح البنوری 0336-9243535

میران شاہ
مکتبہ رحمانیہ

مردان
مکتبہ الابرار 0321-9872067
مکتبہ امام محمد 0311-9383776

کرک
مکتبہ حقانیہ 0313-9836011

اکوڑہ
مکتبہ سید احمد شہید 0332-9984701

سوات
مکتبہ صدیقیہ 0334-9332627
مکتبہ عزیزیہ 0344-8178216

مانسہرہ
ادارہ محمود مدنی کتب خانہ 0311-8790712

ہنگو
مکتبہ دیوبند 0332-4345384

سواڑی بازار
مکتبہ حسن 0335-9520022
مکتبہ حبیبیہ 0333-9691389
مکتبہ صدیقیہ 0333-9705047

نوشہرہ
القاسم اکیڈمی 0346-4010613
ادارۃ العلم 0321-9746859

ڈیربالا
ادارہ محمودیہ 0300-5571532
مکتبہ صدیقیہ 0331-8174101

صوابی
اسلامی کتب خانہ 0303-8004066
مدنی کتب خانہ 0302-5687765

شبقدر
مکتبہ بیت العلم 0345-0947410

مری
مکتبہ محمدیہ 0321-7484917
مکتبہ عزیزیہ 0310-2197703

ٹانک
مکتبہ ماریہ 0304-0988857

فہرستِ مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرضِ مدعا

راقم نے اب تک جولکھا ہے طلبا کے لئے لکھا ہے، اساتذہ کے استفادہ کی خاطر لکھنے کے لئے جس استعداد کی ضرورت ہے میں اس سے تہی دست ہوں ''ندائے منبر ومحراب'' یوں تو خطبا کے لئے ہے مگر اس سے بھی سب سے زیادہ استفادہ طلبا ہی نے کیا ہے۔

بعض طلبا نے اس خیال کا اظہار کیا کہ یہ تقاریر بہت طویل ہیں ایک نوآموز طالب علم کے لئے ان سے مستفید ہونا ذرا مشکل ہے اگر خاص طلبا کے لئے چھوٹی چھوٹی تقریروں کا مجموعہ ترتیب دے دیا جائے جنہیں وہ ابتدائی طور پر لفظ بہ لفظ یاد کر کے انجمنوں، جلسوں اور انعامی مقابلوں میں پیش کر سکیں اس طرح ان کا حجاب بھی دور ہوگا اور زبان کی گرہ بھی کھل جائے گی۔

لیکن میرے پاس بعض اہم مصروفیات کی وجہ سے اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لئے بالکل وقت نہیں تھا، مگر اللہ بھلا کرے مولوی انور زیب صاحب کا جنہوں نے رضا کارانہ طور پر اپنے تعاون کی پیش کش کردی جس کے بعد میرے پاس انکار کی گنجائش باقی نہ رہی۔

اس مجموعہ میں جو تقاریر ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو ''ندائے منبر ومحراب'' میں شامل ہیں اور مولوی انور زیب صاحب نے ان کی تلخیص کر کے انہیں اس مجموعہ میں شامل کر دیا ہے، کچھ میں نے از خود لکھی ہیں اور بعض کے مواد کی نشاندہی تو میں نے کی لیکن انہیں ترتیب مولوی صاحب نے دیا ہے۔

عرضِ مدعا

ابتداء میں یہ کام بچکانہ سا معلوم ہوتا تھا لیکن بعض احباب کے ساتھ تبادلہ خیال اور غور وفکر کے بعد اس کے کئی فوائد سامنے آئے۔

سب سے پہلا فائدہ تو یہی ہے کہ وہ طالب علم جو خطابت کا ملکہ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لئے رسائل وکتب سے تقریر تیار کرنا مشکل ہے تو یہ مجموعہ اس کی مشکل آسان کرسکتا ہے۔

دوسرا فائدہ اس میں یہ نظر آیا کہ اس کے ذریعہ نوعمر اور نو جوان طلبہ کی ذہن سازی بھی ہوسکتی ہے وہ اس طرح کہ جو طالب علم کسی موضوع پر تقریر یاد کرے گا تو "اِذَا تَکَرَّرَ تَقَرَّرَ فِي الْقَلْبِ" کے اصول کے مطابق اس موضوع سے متعلق ضروری باتیں اس کے ذہن کی صاف وشفاف تختی پر "کَالنَّقْشِ فِي الْحَجَرِ" ہوجائیں گی، اسی لئے ہم نے کوشش اسی بات کی کی ہے کہ اس مجموعہ میں ایسے موضوعات شامل کئے جائیں جو ذہن سازی کا کام دیں اور جن کے مطالعہ اور یاد کرنے سے باری تعالیٰ کی عظمت، سید الکونین ﷺ کی محبت، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اسلاف کی عقیدت، اسلامی عقائد اور شریعتِ صادقہ کی حقانیت اور قرآن کریم کی فضیلت دِل میں جاگزیں ہوجائے۔

تیسرا فائدہ اس میں عملی زندگی میں تبدیلی کا بھی نظر آیا کیونکہ جو نوجوان اپنے ہمجولیوں اور عوام کو بذریعہ خطابت عمل کی دعوت دے گا خود اسے بھی انشاء اللہ عمل کی توفیق ارزانی ہو گی اور اپنے قول کے خلاف عمل کرتے ہوئے اسے کچھ نہ کچھ حجاب ضرور محسوس ہوگا۔

مثلاً ایک طالب علم زوردار طریقہ سے نماز کے موضوع پر اظہارِ خیال کرتا ہے اور نماز چھوڑنے کو گناہِ کبیرہ، فسق وفجور اور منافقت بتاتا ہے تو خود اسے نماز چھوڑتے ہوئے یقیناً شرم محسوس ہوگی یا مثلاً ایک طالبہ پردے کے موضوع پر تقریر کرتی ہے اور بے پردگی کو یورپ کی نقالی اور اسلامی اصولوں سے بغاوت قرار دیتی ہے تو امید یہی ہے کہ وہ خود بھی بے

حجابی سے بچنے کی کوشش کرے گی۔

بہر حال ان فوائد کے پیش نظر امید ہے کہ طالب علم برادری میں اس کتاب کو خصوصی پذیرائی حاصل ہوگی، یہ الگ بات ہے کہ بعض ساتھیوں نے اس مجموعہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اسے خطباء کے لئے بھی انتہائی مفید قرار دیا ہے کیونکہ کسی بھی خطیب کو اگر کسی موضوع پر چند بنیادی نکات مل جائیں تو وہ ان کی مدد سے اپنی خطابت کا تانا بانا بن سکتا ہے۔

نئی نسل کی ذہن سازی کے بارے میں ہر فکر مند دوست سے گزارش ہے کہ اس مجموعہ کو ہر مدرسہ، اسکول اور کالج تک پہنچانے میں تعاون فرمائیں، نیز ہماری کوتاہیوں اور اغلاط کی نشاندہی فرما کر زیر بار احسان فرمائیں۔

پسِ نوشت:

یہ کتاب کئی بار پرانی کمپوزنگ مین شائع ہوتی رہی، سارقون نے بھی اسی کا عکس لے کر شائع کیا، اب اسے نئی کمپوزنگ اور بعض ترامیم کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

محتاجِ دعا

محمد اسلم شیخوپوری

بسم اللہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

گرامی قدر سامعین! مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھیں، نیند سے اٹھیں تو بسم اللہ، خرید وفروخت کریں تو بسم اللہ، محنت مزدوری کریں تو بسم اللہ، میدانِ جنگ میں ہتھیار اٹھائیں تو بسم اللہ، دشمن کے سر پر تلوار جمائیں تو بسم اللہ، دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں تو بسم اللہ، قلم ہاتھ میں لیں تو بسم اللہ، کتاب کی ورق گردانی کریں تو بسم اللہ، غرضیکہ ہر کام کے آغاز میں ہمیں بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آپ جانتے ہیں! بار بار بسم اللہ پڑھنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ ہماری زندگی کے ہر قول پر اللہ کے نام کی مہر لگ جائے تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ ہمارا ہر کام اللہ کی رضا کے لئے ہے اور ہم اس عظیم ذات کے غلام اور وفادار ہیں۔ ہم ہر قول وعمل میں اس مقدس ذات کا نام کیوں نہ لیں؟ ہمیں تو حکم یہ ہے کہ تم کامل مسلمان اس وقت ہو گے جب تمہارا جینا اور مرنا، تمہارا اٹھنا اور بیٹھنا، تمہارا سونا اور جاگنا، تمہارا پہننا اور اوڑھنا اللہ کے لئے ہوگا۔

بسم اللہ میں دوسری حکمت یہ ہے کہ انسان کتنا ہی صاحب صلاحیت کیوں نہ ہو کتنا ہی

ذہین کیوں نہ ہو، کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو؟ اس کے پاس کتنے ہی وسائل کیوں نہ ہوں، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے ذہن میں یہ خیال کبھی نہ آنا چاہیے کہ دنیا کا کوئی بھی کام محض اپنی ذہانت سے، محض اپنی طاقت سے، محض اپنی دولت سے کرسکتا ہوں، بلکہ اس کے ذہن مین ہمیشہ یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہوزہا ہے اس عالی ذات کی مدد اور نصرت سے ہورہا ہے اس کی کرم نوازی اور لطف وکرم سے ہورہا ہے۔

میری طلب بھی انہیں کے کرم کا صدقہ ہے
یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

بسم اللہ میں تیسری حکمت یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے انسان کورب کریم کی معیت اور رفاقت کا احساس ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں اگرچہ کمزور ہوں لیکن جس عظیم ذات کے اعتماد پر یہ کام شروع کررہا ہوں وہ کمزور نہیں ہے، بلکہ وہ تمام قوتوں کی خالق ہستی ہے، ہر چیز پر اس کا حکم چلتا ہے، زمین وآسمان پر اس کا حکم چلتا ہے، پہاڑوں اور صحراؤں پر اس کا حکم چلتا ہے، آگ پانی اور ہوا پر اس کا حکم چلتا ہے، فضاؤں میں اس کا حکم چلتا ہے، انسانوں، جنوں اور فرشتوں پر اس کا حکم چلتا ہے، چرندوں، پرندوں اور درندوں پر اس کا حکم چلتا ہے، وہ قادر ومختار ہستی اگر دریاؤں کو حکم دے تو وہ پایاب ہوجاتے ہیں، وہ پہاڑوں کو حکم دے تو ان سے چشمے ابلنے لگتے ہیں، وہ درختوں کو حکم دے تو وہ چلنے لگتے ہیں۔ وہ آگ کو حکم دے تو وہ ﴿ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا ﴾ بن جاتی ہے، وہ صحراؤں کو حکم دے تو ان کی وسعتیں سمٹنے لگتی ہیں، وہ ہوا کو حکم دے تو وہ آندھی اور طوفان بن جاتی ہے۔

اللہ اسباب کا محتاج نہیں، وہ ظاہری اسباب کے بغیر بھی نتائج ظاہر کرسکتا ہے، اس نے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مردوں کو زندہ اور مادر زاد اندھوں کو بینا کردیا، اس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پتھر سے پیدا کردیا، اس نے بنی

اسرائیل کے لئے دریا میں خشک راستہ بنادیا، اس نے اصحاب کہف کو تین سونو سال سلا کر اٹھادیا، اس نے مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام کو زندہ رکھا، اس نے حضرت عزیر علیہ السلام کی سواری کو سو سال کے بعد زندہ کر دیا، اس نے مریم علیہا السلام کو بغیر موسم کے پھل دیئے، اس نے یوسف علیہ السلام کی قمیص سے یعقوب علیہ السلام کی بینائی کو بحال کر دیا۔

یہ سب کچھ جو اس قدرت والے اللہ نے کیا۔ یہ مادی اسباب کے تحت نہیں ہوسکتا تھا، لیکن وہ اللہ جو اسباب کا خالق ہے وہ اگر چاہے تو اسباب کو توڑ پھوڑ کر بغیر اسباب کے بھی یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو جب انسان یہ سوچتا ہے کہ میں کمزور ہوں مگر ایسی طاقتور ہستی کی معیت مجھے حاصل ہے، اس ذات باری کی نصرت مجھے حاصل ہے۔ اس کے متبرک نام کی برکتیں میرے ساتھ ہیں تو اس کے لیے مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

میرے دوستو! حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رفاقت و معیت کے احساس سے انسان کو بڑی قوت حاصل ہوتی ہے اس احساس کے پیدا ہو جانے کے بعد وہ اپنے آپ کو اکیلا محسوس نہیں کرتا، اس حساس کے پیدا ہو جانے کے بعد وہ اپنے کو کمزور نہیں سمجھتا اور بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکرانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

تاریخ ہمیں اصحاب عزیمت کی داستانیں سناتی ہے، ان کے پاس مادی اسباب کچھ بھی نہ تھے، ان کے پاس کوئی چیز تھی تو وہ صرف اسباب کے خالق کی رفاقت کا احساس تھا، اس کی طاقت وقدرت کا یقین کامل تھا۔

آپ بھی اپنے اندر یہ احساس اور یقین پیدا کر لیں تو آپ بھی بے پناہ طاقت محسوس کریں گے۔

میرے ساتھیو! بسم اللہ پڑھنے میں چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کی نظر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت پر رہتی ہے وہ کسی وقت بھی اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا، اسی

بات کا سبق دینے کے لئے بسم اللہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کو مبالغہ کے ساتھ دو دفعہ ذکر کیا گیا ہے حالانکہ دوسری صفات بھی تھیں ان کو بھی ذکر کیا جا سکتا تھا......

یوں بھی تو کہا جا سکتا تھا ...... بسم الله الجبار

یوں بھی تو کہا جا سکتا تھا ...... بسم الله القهار

یوں بھی تو کہا جا سکتا تھا ...... بسم الله المنتقم

یوں بھی تو کہا جا سکتا تھا ...... بسم الله القوي القادر

لیکن کیا وجہ ہے کہ ان صفات کو ذکر نہیں کیا گیا، جن سے اس کی کبریائی، اس کی بڑائی، اس کی عظمت و ہیبت، اس کی قوت وحشمت، اس کی جباریت اور قہاریت کا اظہار ہوتا ہو؟ اس لئے تا کہ انسان ہر وقت اس کی جباریت اور قہاریت کا تذکرہ کر کے اس سے اتنا خوفزدہ نہ ہو جائے کہ مایوس ہو جائے بلکہ اس کی رحمت کی صفت کو ذکر کیا گیا تا کہ انسان ہر وقت پر امید رہے۔ اسباب ساتھ دیں تو بھی پر امید ہو، اسباب ساتھ چھوڑ دیں تو بھی پر امید ہو۔

آیئے! ہم بھی اپنے کام کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کریں تا کہ ہمیں اس مقدس نام کی برکتیں حاصل ہوں، تا کہ ہم کمزوروں کو اس کی نصرت حاصل ہو، تا کہ ہمیں اس کی معیت و رفاقت کا احساس ہو، تا کہ ہماری اس کاوش پر اس کے پاک نام کی مہر لگ جائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اللّٰہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

صدرگرامی قدراور معزز حاضرین! السلام علیکم

آج میں جس موضوع پر لب کشائی کی جسارت کرنے لگا ہوں وہ ہے لفظ اللہ۔ یوں تو اللہ تعالیٰ کے بہت سارے نام ہیں لیکن ان میں سے لفظ اللہ ذاتی نام ہے باقی نام صفاتی ہیں۔ یہ نام اس وقت بھی تھا جب کائنات میں کچھ نہ تھا اور اس وقت بھی ہوگا جب کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ نام کائنات کی روح اور جان ہے۔ یہ دنیا اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کسی ایک زبان پر بھی یہ مقدس نام جاری رہے گا، اگر کوئی ایک زبان بھی ''اللہ اللہ'' کہنے والی باقی نہ رہی تو بساطِ عالم کو لپیٹ دیا جائے گا۔ آسمان کی قندیلیں بجھادی جائیں گی، پھولوں کے تبسم پر خزاں طاری ہوجائے گی، حسین صبحوں کی انگڑائیاں معدوم ہوجائیں گی، ٹھنڈی راتوں کا سکوت ختم ہوجائے گا، زندگی کے دِل لبھاتے نظارے موقوف ہوجائیں گے۔

یہ نام ہر مذہب والے کی زبان پر ہے۔ کسی نے اسے پرمیشور کہہ کر پکارا، کسی نے الاھیا کہہ کر پکارا، کسی نے اسے برہم کہہ کر پکارا، کسی نے ہومز کہہ کر پکارا، کسی نے آہورمزدا کہہ کر پکارا، کسی نے یزدان کہہ کر پکارا۔ اگر گوش ہوش کے ساتھ سنا جائے تو پھولوں کی

مسکراہٹ میں اللہ اللہ ہے، چڑیوں کی چہچہاہٹ میں اللہ اللہ ہے، پتّوں کی سرسراہٹ میں اللہ اللہ ہے اور کرنوں کی جگمگاہٹ میں اللہ اللہ ہے۔ اس نام کو جب حضرت آدم علیہ السلام نے وردِ زباں کیا تو ان کا اضطراب سکون میں بدل گیا، اسی نام ہی کی برکت سے حضرت زکریا علیہ السلام کے بڑھاپے کی خزاں میں یحییٰ علیہ السلام جیسا پھول کھلا، اس نام ہی کی تاثیر سے سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کیلئے دہکتا ہوا الاؤ گلشن بن گیا، اس نام کو یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں پکارا تو غم اور تاریکی سے نجات مل گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پکارا تو پتھر سے چشمے جاری ہو گئے اور اچھلتا کودتا دریا خشک ہو گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا نام لیا تو نابینا، بینا ہو گیا، کوڑھی تندرست ہو گیا، مردہ جی اٹھا، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ کا نام لیا تو کنکریاں بول اٹھیں، چاند دو ٹکڑے ہو گیا، چٹانوں سے زیادہ سخت دلوں میں ہدایت کے چشمے پھوٹ پڑے، عرب کے شہر اور بستیاں رشد و صلاح کے نور سے جگمگا اٹھیں۔

سامعین کرام!

غرض یہ ہے کہ اللہ کا نام لینا کبھی بیکار نہیں جاتا، یہ نام ایسا مبارک اور بامعنی ہے کہ اگر اس میں سے کوئی حرف گرا بھی دیا جائے تب بھی اس کا معنوی حسن برقرار رہتا ہے۔

مثلاً: شروع سے الف گرا دیا جائے تو ''للہ'' رہ جاتا ہے جس کا معنی ہے ''اللہ کے لئے'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر چیز اللہ ہی کے لئے ہے۔

اگر لام گرا دیں تو ''الہ'' رہ جائے گا جس کا معنی ہے ''معبود'' قرآنِ مجید میں ہے:

﴿وَ اِلٰھُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

ترجمہ: ''اور تمہارا معبود ایک معبود ہے۔''

اور اگر الف اور لام دونوں کو حذف کر دیں تو ''لہ'' باقی رہ جائے گا جس کے معنی ہیں

''اس کے لئے'' اور اگر لام کو بھی حذف کر دیں تو ''ہ'' ضمیر باقی رہ جائے گی اور اس کا متعین مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کون ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ ''ہ'' کا معنی ہے ''وہ'' اور جب مطلقاً ''ہ'' یعنی ''وہ'' بولا جائے گا تو اس سے مراد وہی ہو گا جس کی شان ہر چیز سے ظاہر ہے۔

آسمان کی بلندی میں	وہ	پہاڑوں کے جلال میں	وہ
درختوں کے جمال میں	وہ	ماضی اور حال میں	وہ
مستقبل اور مآل میں	وہ	انسان کی زبانِ قال میں	وہ
ذروں کی زبانِ حال میں	وہ	دن کی روشنی میں	وہ
رات کی تاریکی میں	وہ	سورج کی کرنوں میں	وہ
ستاروں کی چمک میں	وہ	پھولوں کی چٹک میں	وہ
کلیوں کی مہک میں	وہ	عصافیر کی چہک میں	وہ
سبزے کی مہک میں	وہ	ابر کی دھمک میں	وہ
زندگی کی دھمک میں	وہ	لہروں کی لچک میں	وہ
صحرا کے سناٹے میں	وہ	آبادی کے ہنگامے میں	وہ
ملائکہ کی تسبیحات میں	وہ	مجاہدین کی تکبیرات میں	وہ
داؤد کے نغموں میں	وہ	موسیٰ کی تختیوں میں	وہ
کتاب مقدس کی اناجیل میں	وہ	قرآن کے پاروں میں	وہ

قرآن مجید میں تقریباً دو ہزار نو سو چالیس (2940) مرتبہ لفظِ اللہ آیا ہے۔ انسان نے اسے غاروں اور ویرانے میں تلاش کیا مگر غیب سے آواز آئی:

﴿وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾

ادھر ادھر بھٹکنے والو! ذرا اپنی ذات میں جھانکو تو سہی۔ تمہاری گویائی میں وہ، تمہاری شنوائی میں وہ، تمہاری بینائی میں وہ، تمہاری سانسوں کے زیر و بم میں وہ۔

یوں تو وہ ہر چیز میں ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

ہر کہ بینم در جہاں غیرے تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

لیکن ہماری ظاہری آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾

کسی شاعر نے کہا ہے:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
میں جان گیا تیری پہچان یہی ہے

دعا کریں کہ ربِ کریم ہمیں اس نام کی عظمت اور اس نام والے کی معرفت عطا فرمائیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محمد رسول اللہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! میں آج آپ کے سامنے جانِ دوعالم، فخرِ مجسّم، شافعِ محشر، ساقی کوثر محمد رسول اللہ ﷺ کے نامِ نامی اسمِ گرامی کے حوالے سے چند حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ عرب میں یہ نام مشہور نہیں تھا لیکن جیسے فرشتے کی بشارت سے حضرت ہاجرہ نے بیٹے کا نام اسماعیل رکھا، جیسے حضرت مریم نے بیٹے کا نام یسوع رکھا ایسے ہی سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے فرشتے کی بشارت سے اپنے بیٹے کا نام ''محمد'' رکھا۔

چنانچہ زمین پر آپ کا نام محمد ہے اور آسمان پر احمد ہے، توریت میں محمد ہے اور انجیل میں احمد ہے۔ ایک دوسری حقیقت بھی سامنے رکھیں وہ یہ کہ آپ کے نام کو حمد سے خصوصی مناسبت ہے آپ حامد ہیں تو ربّ العرش محمود ہے، آپ احمد ہیں تو مقامِ شفاعت کا نام محمود ہے، آپ حمید ہیں تو آپ کی امت حمادون ہے، آپ حماد ہیں تو آپ کے جھنڈے کا نام لواء الحمد ہے۔ آپ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنے والے تھے، آپ نے دنیا کے اربوں، کھربوں، نیلوں، پدموں انسانوں کو اللہ کی تعریف پر لگا دیا لہٰذا آپ حامد بھی ہیں، حماد بھی ہیں، حمید بھی ہیں، محمود بھی ہیں، محمد بھی ہیں، احمد بھی ہیں۔

عربی لغت میں محمد کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہے کہ جس میں ساری اچھی خصلتیں جمع ہوگئی ہوں۔

میرے نبی ﷺ کی سیرت پڑھیے، نبوت ملنے سے پہلے کی زندگی کا مطالعہ کیجیے، نبوت ملنے کے بعد کی زندگی پر نظر ڈالیے، مکی زندگی کا جائزہ لیجئے، مدنی زندگی کو پڑھیے، آپ کے بچپن کو دیکھیے، جوانی کو دیکھیے، آپ کو شوہر کی حیثیت سے دیکھیے، بچوں کے باپ کی حیثیت سے دیکھیے، زمانہ امن میں دیکھیے، حالتِ جنگ میں دیکھیے، مسجد کے محراب میں دیکھیے، مکہ اور مدینہ کے بازاروں میں دیکھیے، آپ کی زندگی کی ہر ادا کو دیکھیے، خوب ٹھونک بجا کے دیکھیے اور بار بار دیکھیے اور بتایئے کہ وہ کون سی اچھی خصلت اور صفت ہے جو آپ کو کسی کے بچپن اور جوانی میں دکھائی دیتی ہے، کسی شوہر اور باپ میں نظر آتی ہے، کسی سپہ سالار اور حکمران میں نظر آتی ہے، کسی خطیب اور قائد میں دکھائی دیتی ہے، لیکن وہ خصلت اور صفت میرے حضور ﷺ میں موجود نہیں ہے؟

میرے دوستو! محمد کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ شخص جس کی بار بار تعریف کی جائے، جس کی تعریف کبھی ختم نہ ہو۔

میرے حضور ﷺ کی تعریف انسانوں نے کی، جنات نے کی، ملائکہ نے کی، انبیا نے کی یہاں تک کہ ربِ کائنات نے کلامِ مقدس میں آپ کی تعریف بار بار کی ہے۔ کہیں آپ کو شاہد و مبشر کہا، کہیں آپ کو سراجِ منیر کہا، کہیں آپ کو رؤف و رحیم کہا، کہیں آپ کو حجت و برہان قرار دیا، کہیں آپ کو مزمل و مدثر کہہ کر پکارا، کہیں آپ کو طٰہٰ اور یٰسین کہا، کہیں آپ کو خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین قرار دیا۔

دنیا والوں نے ابھی تک پوری طرح حضور ﷺ کے مقام کو نہیں سمجھا آپ کے پیغام کو نہیں سمجھا، آپ کے کام کو نہیں سمجھا، لیکن جوں جوں دنیا والے آپ کے مقام، پیغام اور کام کو سمجھتے جائیں گے آپ کی تعریف کرتے جائیں گے۔ جب جہالت کی رات ختم ہو جائے

گی، جب غفلت کے پردے شق ہو جائیں گے، جب دِل و دماغ سے تعصبات کی چٹانیں سرک جائیں گی، تو مشرق سے مغرب تک، عرب سے عجم تک، ایشیا سے افریقہ تک، امریکہ سے چین تک ہر شخص میرے حضور ﷺ کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

میرے دوستو! محمد کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ شخص جس کا حق پورا پورا ادا کر دیا گیا ہو یعنی قدرت کی جانب سے نوعِ انسانی کو جہاں تک اللہ نے پہنچانا تھا وہاں تک پہنچا دیا، جتنے کمالات عطا کرنے تھے سب عطا کر دیئے۔ یوں تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے کمالات سے نوازا تھا، اعلیٰ اخلاق عطا کیے تھے، مثالی کردار دیا تھا، لیکن وہ سارے کمالات جو پہلے انبیا کو فرداً فرداً عطا کیے تھے وہ سارے کے سارے میرے حضور ﷺ میں جمع کر دیئے یعنی آدم علیہ السلام کا خُلق، شیث علیہ السلام کی معرفت، نوح علیہ السلام کا جوشِ تبلیغ، ابراھیم علیہ السلام کا ولولہ توحید، اسماعیل علیہ السلام کا ایثار، اسحاق علیہ السلام کی رضا، صالح علیہ السلام کی فصاحت، لوط علیہ السلام کی حکمت، موسیٰ علیہ السلام کا جلال، ہارون علیہ السلام کا جمال، یعقوب علیہ السلام کی تسلیم و رضا، داؤد علیہ السلام کی آواز، ایوب علیہ السلام کا صبر، یونس علیہ السلام کی اطاعت، یوشع علیہ السلام کا جہاد، دانیال علیہ السلام کی محبت، الیاس علیہ السلام کا وقار، یوسف علیہ السلام کا حسن، یحییٰ علیہ السلام کی پاک دامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ جیسے اوصاف و کمالات آپ کی ذات میں یکجا کر دیئے گئے تھے اسی لئے تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اور دوسرا شاعر کہتا ہے:

حسنِ یوسف دَمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ایک تیسرا شاعر کہتا ہے:

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدائے بزرگ توئی قصہ مختصر

یعنی مختصر بات یہ ہے کہ اللہ کے بعد بس آپ ہی کا مقام ہے اسی لیے کلمہ طیبہ میں جہاں لا الہ الا اللہ کی ''ہا'' ختم ہوتی ہے وہیں اس کے فوراً بعد محمد کی میم شروع ہوتی ہے۔

اس کلمہ سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ جو شخص اللہ کو تو مانے لیکن حضور ﷺ کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ توحید کا اقرار کرتا ہے تو اسے رسالت کا بھی اقرار کرنا ہو گا، اگر وہ اللہ کی کبریائی کو مانتا ہے تو اسے مصطفی کی مصطفائی کو بھی تسلیم کرنا ہو گا، اگر وہ رب کی ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے تو اسے حضور ﷺ کی نبوت و رحمت کا بھی اعتراف کرنا ہو گا۔ اِدھر عبادت کرتا ہے اُدھر اطاعت کرنی ہو گی، اِدھر سجدہ کرتا ہے اُدھر محبت کرنی ہو گی، ایمان تب ہی مکمل ہو گا نجات تب ہی حاصل ہو گی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

عقیدہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

میرے ساتھیو! انسان کا ہر قول اور عمل، ہر فعل اور حرکت کی بنیاد اس کے خیالات پر ہے یہی خیالات انسان کے خیالات کو بناتے اور بگاڑتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے بہت پیاری بات فرمائی ہے لکھتے ہیں کہ انسان کے دِل پر خیالات یا خطرات اس طرح وارد ہوتے ہیں جس طرح بارش کے قطرے برستے ہیں۔ مگر انسان یہ جاننے سے قاصر ہے کہ خیالات کے وارد ہونے کے اسباب کیا ہیں۔ یہ خیالات جم جائیں یعنی پختہ ہو جائیں تو انسان کا عقیدہ بن جاتا ہے۔ جب عقیدہ میں پختگی آتی ہے تو ارادہ بنتا ہے اس کے بعد انسان عزم کرتا ہے اور پھر فعل کرتا ہے۔ اس چیز سے ہٹانے کے لئے شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے جس کا علاج یہ بتلایا گیا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنے کی کوشش کرے اور اس کا ذکر کرے تو اس وسوسہ سے بچ سکتا ہے۔ انسان کا عقیدہ اس کا قیمتی سرمایہ ہوتا ہے۔ اس کو خراب کرنے کے لئے شیطان ہر وقت اس کے پیچھے لگا رہتا ہے تا کہ کسی نہ کسی طرح اس کو ایمان کی دولت سے محروم کر دے۔

چونکہ خیالات دِل میں پیدا ہوتے ہیں اسی لئے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب سے زیادہ دِل کی اصلاح پر توجہ دیتے ہیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو اگر درست ہے تو تمام بدن درست

ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو تمام بدن بگڑ گیا۔ ہاں وہ ٹکڑا دِل ہے۔''

ساری دنیا ظاہر کی اصلاح اور درستگی پر توجہ دیتی ہے لیکن اللہ کے رسول باطن کے تزکیہ پر توجہ دیتے ہیں، ساری دنیا ظاہری حسن سے متاثر ہوتی ہے مگر اللہ کے رسول باطنی حسن کی بنیاد پر انسان کی قیمت لگاتے ہیں۔ دنیا والے حسین اس کو کہتے ہیں جس کی صورت اچھی ہو اللہ کے رسول حسین اسے کہتے ہیں جس کی سیرت اچھی ہو، جس کا باطن صاف ہو، جس کا دِل پاک ہو، جس کا عقیدہ صحیح ہو۔ آج کل علم نفسیات کے ماہرین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی عملی اصلاح کے لئے اس کے دِل اور دماغ کی اصلاح ضروری ہے۔ انسان کے دِل اور ارادہ پر اگر کوئی چیز حکمرانی کرتی ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے۔ اسلامی نقطہ نظر تو یہ ہے کہ جب تک عقیدہ صحیح نہ ہو اس وقت تک کوئی صدقہ، خیرات کوئی حج اور عمرہ، کوئی نماز اور جہاد قبول نہیں اسی لئے قرآن پاک میں ہمیشہ عمل صالح سے پہلے ایمان کا ذکر ہے۔ عبداللہ بن جدعان ایک قریشی تھا، جس نے جہالت میں بہت سے نیکی کے کام کئے تھے، مگر تھا مشرک، اس کی نسبت آنحضرت ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ، عبداللہ بن جدعان نے جاہلیت میں نیکی کے جو کام کئے کیا ان کا ثواب اس کو ملے گا فرمایا: ''نہیں، اے عائشہ! کیونکہ کسی دن اس نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو بخش دے۔''

یعنی چونکہ اسے اللہ کی ذات پر ایمان نہیں تھا اس لئے اس کی یہ نیکیاں قبول نہیں۔ بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک مشرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی، حاضر ہو کر کہا: اے محمد ﷺ! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لئے چلنا چاہتا ہوں تا کہ غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے۔ فرمایا: کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں، فرمایا: ''واپس جاؤ میں اہلِ شرک سے مدد کا خواستگار نہیں'' دوسری دفعہ وہ پھر آیا اور وہی پہلی والی درخواست کی۔ مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی درخواست پر

بہت خوشی ہوئی اور وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہوجائے، لیکن آنحضرت ﷺ نے اس سے پھر وہی سوال کیا: ''کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟'' اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے پھر وہی فرمایا: میں کسی مشرک سے مدد نہ لوں گا۔ غالبا مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ ﷺ کی بے نیازی نے اس کے دِل پر اثر کیا، تیسری دفعہ اس نے اپنی درخواست پیش کی، اور آپ ﷺ کے دریافت فرمانے پر کہ ''کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو؟'' اس نے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ نورِ اسلام سے منور ہونے کے بعد اسے جہاد کی اجازت ملی۔

قرآن پاک نے سورۂ ابراہیم میں ان لوگوں کے کاموں کی مثال اس راکھ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود نہیں رہتا، اسی طرح اس شخص کے کام بھی جو ایمان سے محروم ہے، بے بنیاد اور بے اصل ہیں۔

سورۂ نور میں ایمان سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دی گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

میرے دوستو! یہ فتنوں کا دور ہے، ہر طرف عقائد میں فساد پیدا کرنے والے فتنوں کی بھر مار ہے، کہیں شرکیہ رسوم ورواج اور خیالات کا فتنہ ہے، کہیں انکارِ حدیث کا فتنہ ہے، کہیں منکرین ختمِ نبوت کا فتنہ ہے، کہیں دشمنانِ صحابہ کا فتنہ ہے، کہیں الحاد اور دہریت کا فتنہ ہے، ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں کوشش کیجئے کہ کہیں انجانے پن میں ان میں سے کسی فتنے کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔ یاد رکھیں! اگر کسی فتنہ میں مبتلا ہو کر آپ کے عقیدے میں خرابی آگئی تو کوئی نیکی کام نہیں آئے گی، گناہگار شخص کی مغفرت ہوسکتی ہے مگر کسی بدعقیدہ انسان کی مغفرت کی کوئی صورت نہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

وجودِ باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

صدر گرامی قدر و معزز حاضرین! السلام علیکم

میں اپنی آج کی اس تقریر میں وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں اپنی علمی بساط کے مطابق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو حقیقت کا عرفان نصیب فرمائے۔

اس بوڑھی دنیا کے ہر دور میں مشرکین تو بہت رہے ہیں اور اب بھی بے شمار ہیں لیکن مطلقاً اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کا انکار کرنے والے لوگ بہت کم رہے ہیں۔

دراصل اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف انسان کی فطرت میں داخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے دنیا کے ہر حصے میں اللہ تعالیٰ کا اعتقاد کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے، آشوری ہوں یا مصری، کلدانی ہوں یا اہل حبشہ، ہندی ہوں یا یونانی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے قائل تھے۔

اگر ہم دنیا پر نظر ڈالیں تو بہت سے صحرا، بہت سی بستیاں، بہت سے غار، بہت سی وادیاں ایسی مل جائیں گی جہاں نہ تمدن وسیاست ہے، نہ صنعت وحرفت ہے، نہ علم کی روشنی ہے، نہ فنون وکمالات کی ہمہ گیری، نہ قلعے ہیں، نہ خوبصورت مکانات، لیکن ایسا مقام کوئی نہیں مل سکتا جہاں اللہ تعالیٰ کا اعتراف نہ ہو۔

دنیا کے بڑے بڑے فلسفی اور محقق جن کی فلسفیانہ موشگافیوں اور تحقیقات پر مغرب و مشرق کو بڑا ناز ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ایک بالاتر ہستی کے وجود کا منکر ہو، ارسطو اور افلاطون، سسرو اور منوسوں، زرتشت اور دوسرے تمام بڑے بڑے فلاسفر اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتے تھے۔

یوں تو اللہ تعالیٰ کے وجود پر بے شمار خارجی اور داخلی دلائل موجود ہیں لیکن کائنات کا حسن وہ سب سے پہلی چیز ہے جو صاحبِ ذوق انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کائنات کے ہر ہر جزو سے حسن وزیبائی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ کائنات تو ہوتی مگر اس پر حسن و جمال کی نقاب نہ ہوتی۔

درخت ہوتے مگر شاخوں کی ترتیب اور پھلوں اور پھولوں کی رنگا رنگی نہ ہوتی......

زمین ہوتی مگر اس میں ندی نالوں کا شور اور باغ و چمن کا ظہور نہ ہوتا......

ستارے ہوتے مگر روشنی نہ ہوتی......

پھول ہوتے مگر رنگ و بو نہ ہوتا......

پربت ہوتا مگر ستاروں کا جھرمٹ نہ ہوتا......

زمین ہوتی مگر سبزے کی چادر نہ ہوتی......

چاند ہوتا مگر چاندنی نہ ہوتی......

سورج ہوتا مگر کرنیں نہ ہوتیں......

بلبل ہوتی مگر اس کی نوا سنجی نہ ہوتی......

گویا، نگاہ ہوتی مگر نگاہ نوازی نہ ہوتی......

کان ہوتے مگر ان کی حلاوت کا کوئی سامان نہ ہوتا......

انسانی علم و نظر آج تک اس سوال کا جواب نہیں دے سکا کہ یہاں تخلیق کے ساتھ حسن

کیوں ضروری ہے مگر قرآن جواب دیتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے تا کہ انسان، حسنِ کائنات کا مشاہدہ کرے اور بلا اختیار پکار اٹھے: ﴿ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴾

گرامی قدر احباب!

وجودِ باری تعالیٰ کی ایک اور واضح دلیل یہ ہے کہ سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ کائنات پانچ سو ملین یعنی پچاس کروڑ کہکشاؤں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یعنی ایک کھرب یا اس سے کم وبیش ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ کہکشائیں مسلسل گردش کر رہی ہیں، چاند مسلسل گھوم رہا ہے، زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے، سورج چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، پھر سیاروں میں سے کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی 33 میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی 84 میل فی سیکنڈ ہے۔

اگر یہ سیارے آپس میں ٹکرا جائیں تو تمام نظامِ عالم زیر وزبر ہو جائے، تہہ وبالا ہو جائے۔ اگر ان سیاروں کی رفتار میں فرق آ جائے تو ہمارے دن اور رات اور موسم تک بدل جائیں۔

ہم اپنی آنکھوں سے شب وروز دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شہر میں ہر روز گاڑیوں کے ٹکرانے سے سینکڑوں جانیں تلف ہو جاتی ہیں اس لئے نہیں کہ ان کا ڈرائیور نہیں ہوتا بلکہ صرف اس لئے کہ ڈرائیور سے لمحہ بھر کی غفلت ہو جاتی ہے۔

اگر ایک ڈرائیور کی لمحہ بھر کی غفلت کی وجہ سے گاڑی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں سیارات کے مسلسل حرکت میں رہنے کے باوجود آج تک کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا؟ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔ کیا یہ سب کچھ اتفاق کا نتیجہ ہے؟!

نہیں، بلکہ یہ اس لئے ہے کہ اس وسیع نظام کو ایک حی وقیوم ذات سنبھالے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایک بہت بڑی دلیل خود حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ ہے،

آپ سوال کریں گے کہ وہ کیسے؟ تو میں عرض کرتا ہوں۔

کہ کتنی ہی چیزیں ایسی ہیں جنہیں میں اور آپ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتے مگر جب کوئی با اعتماد اور سچا آدمی اس کے متعلق ہمیں خبر دیتا ہے تو ہم مان لیتے ہیں۔

میں نے نیویارک کو نہیں دیکھا مگر اسے مانتا ہوں......

میں نے کوہِ آتش فشاں نہیں دیکھا مگر اسے مانتا ہوں......

میں نے سمندر سے جواہر و یواقیت نکلتے نہیں دیکھے مگر مانتا ہوں......

میں نے سونے کی کان آج تک نہیں دیکھی مگر مانتا ہوں......

میں نے انسان کو چاند پر جاتے نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے ایٹم بم کا عملی مظاہرہ نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے ابراہیم علیہ السلام کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے موسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے ہلاکو خان اور چنگیز خان کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں کیوں مانتا ہوں؟ آپ سب کیوں مانتے ہیں؟......

صرف اس لئے کہ ہم نے ان کے وجود کے متعلق با اعتماد لوگوں سے سنا ہے اس لئے ہم ان کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔

مجھے کہنے دیجئے کہ اگر ہم اَن دیکھی چیزوں کے وجود کو عام لوگوں کے کہنے پر تسلیم کر سکتے ہیں تو جس اللہ تعالیٰ کے وجود کی گواہی لاکھوں سچے اور مقدس انسان دیں، جس کے وجود کی گواہی کائنات کا ذرّہ ذرّہ دے......

جس کے وجود کی گواہی ارض وسما دیں......

جس کے وجود کی گواہی ابر و باراں دیں......

جس کے وجود کی گواہی شمس و قمر دیں......

جس کے وجود کی گواہی شجر و حجر دیں......

جس کے وجود کی گواہی نفس انسانی دے......

جس کے وجود کی گواہی آدم صفی اللہ دیں......

جس کے وجود کی گواہی ابراہیم خلیل اللہ دیں......

جس کے وجود کی گواہی اسماعیل ذبیح اللہ دیں......

جس کے وجود کی گواہی موسیٰ کلیم اللہ دیں......

جس کے وجود کی گواہی عیسیٰ روح اللہ دیں......

اور جس کے وجود کی گواہی

سچوں کا سردار......

صدیقوں کا بادشاہ......

امینوں کا سرخیل......

دیانتداروں کا سپہ سالار......

محمد رسول اللہ ﷺ دیں......

تو کیا میں اس کے وجود کو تسلیم نہ کروں؟......

اور کون محمد رسول اللہ ﷺ؟......

وہ محمد رسول اللہ

جن کی صداقت پر دشمنوں کو بھی اعتماد تھا......

جن کی امانت و دیانت کا تذکرہ ان کے حاسدوں کی زبان پر تھا......

جنہیں ان کے خون کے پیاسوں نے صدیق اور امین کا لقب دیا تھا......

جن کی زبان، نبوت ملنے سے قبل بھی جھوٹ سے نا آشنا رہی تھی......

تو کیا کائنات کے سردار کے بتانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم نہ کروں؟

اس سے بڑا ستم اور تعصب کیا ہوگا کہ میں عام لوگوں کے کہنے پر تو ان دیکھی چیزوں کے وجود کو تسلیم کرلوں لیکن محبوب کونین ﷺ کے کہنے پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو تسلیم نہ کروں، بلکہ میں تو ایک قدم آگے بڑھ کر صاف صاف کہتا ہوں کہ جب میرے آقا و مولا نے کہہ دیا ہے کہ اللہ ہے تو اب مجھے اللہ تعالیٰ کے وجود پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کا فرمودہ میرے لئے کیا بلکہ ہر مسلمان کے لئے آخری حجت ہے اور واشگاف کہتا ہوں......

میں نے عرشِ معلیٰ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے ملائکہ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے جنت کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے دوزخ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے حوروں کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

میں نے سدرۃ المنتہیٰ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں......

صرف اور صرف اس لئے مانتا ہوں کہ

میرے آقا نے بتایا......

کائنات کے سردار نے بتایا......

نبیوں کے سالار نے ان سب چیزوں کے وجود کی گواہی دی......

اور جب آپ ﷺ نے گواہی دے دی تو اب مجھے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مقامِ نبوت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

محترم جناب صدر صاحب وگرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

میں آج کی نشست میں مقام نبوت کے حوالے سے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔

جان لیجئے کہ کائنات میں جو کچھ موجود ہے اس میں سب سے پہلا مرتبہ عناصر کا ہے۔ عناصر مختلف اور متعدد ہیں۔ ان میں سے بعض بڑے قیمتی اور بعض بڑے ارزاں ہیں۔

عناصر کے بعد جمادات ہیں۔ جمادات میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کی کوئی قدر و قیمت اور اہم فائدہ نہیں اور کچھ جواہر و یواقیت اور زمرد و پکھراج ہیں جنہیں بادشاہ بڑے فخر سے اپنے تاجوں اور انگشتریوں میں سجاتے ہیں۔

جمادات کے بعد نباتات کا مرتبہ ہے۔ نباتات بہت مختلف ہیں کچھ وہ ہیں جو بغیر بیج کے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا تنا وغیرہ بھی نہیں ہوتا۔ کچھ وہ ہیں جن کا تنا، شاخ، پھل اور پھول ہوتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں جن میں حیوانیت کے خواص پائے جاتے ہیں۔ ان میں نر اور مادہ دونوں ہوتے ہیں بغیر اتصال کے پھل نہیں دیتے۔ کچھ وہ ہیں جنہیں قرآن نے شجرۂ طیبہ قرار دیا۔ میری مراد کھجور ہے۔

نباتات کے بعد حیوانات کا مرتبہ ہے۔ حیوانات میں سے کچھ تو وہ ہیں جن میں سے

حیوانی اور نباتاتی دونوں خواص پائے جاتے ہیں: جیسے مونگا، سیپ اور آدم خور گھاس۔ پھر وہ کیڑے مکوڑے ہیں جن میں اختیاری حرکت کے سوا کوئی چیز نباتات سے بڑھ کر نہیں۔

پھر وہ حیوانات ہیں جن میں لامسہ کے علاوہ دیگر خواص بھی پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان میں حواسِ خمسہ یعنی لامسہ، ذائقہ، شامہ، باصرہ، سامعہ پائے جاتے ہیں۔ پھر ان میں سے بعض ایسے ذہین ہوتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے نطق کے باقی ساری انسانی صلاحیتیں موجود ہیں۔

موجودات اور مخلوقات میں سے سب سے اعلیٰ ترین مرتبہ انسان کا ہے لیکن دیگر موجودات کی طرح انسانوں میں بھی بے حد تفاوت ہے۔

بعض وہ ہیں جن میں وحشی پن اس قدر ہے کہ ان پر حیوان ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ افریقہ کے جنگلات اور پسماندہ علاقوں میں آج بھی ایسے انسان دیکھے جا سکتے ہیں جو حیوانوں کی سی بودوباش رکھتے ہیں۔

بعض وہ ہیں جو کسی قدر علم وسلیقہ اور ڈھنگ اور طریقہ جانتے ہیں۔

انسانیت کا بلند ترین مرتبہ وہ ہے جب انسان ملکوتیت کی حد تک پہنچ جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ملکوتیت اس پر رشک کرنے لگتی ہے۔ اسی مرتبے کو ہم نبوت اور رسالت سے تعبیر کرتے ہیں۔

مگر نبوت کا مرتبہ ارتقائی نہیں بلکہ اصطفائی ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ نبی کو اللہ کی جانب سے منتخب کیا جاتا ہے ایسا نہیں کہ جس کا دِل چاہے وہ عبادت وریاضت اور مجاہدوں اور مراقبوں کے ذریعے مقامِ نبوت تک پہنچ جائے۔

ایک انسان اپنی محنت سے حافظ بن سکتا ہے، ذہانت سے ڈاکٹر وانجینئر بن سکتا ہے، اپنی ذکاوت سے عالم اور اسکالر بن سکتا ہے، جہدِ مسلسل سے محدث ومفسر بن سکتا ہے، اپنا

تزکیہ کر کے مرشدِ وقت بن سکتا ہے، عبادت و ریاضت سے ولی اللہ بن سکتا ہے، تابعی کی زیارت سے تبع تابعی بن سکتا ہے، صحابی کی زیارت سے تابعی بن سکتا ہے، نبی کی زیارت سے صحابی بن سکتا ہے، پھر وہ صحابی صدیق بن سکتا ہے، فاروق بن سکتا ہے، ذوالنورین بن سکتا ہے، حیدرِ کرار بن سکتا ہے مگر سن لیجئے:

وہ ذکاوت و ذہانت سے نبی نہیں بن سکتا......

عبادت و ریاضت سے نبی نہیں بن سکتا......

تزکیہ و تربیت سے نبی نہیں بن سکتا......

اس میں شک نہیں کہ

نبی سب سے زیادہ ذہین اور ذکی ہوتا ہے......

نبی سب سے زیادہ عابد اور زاہد ہوتا ہے......

نبی سب سے زیادہ تزکیہ والا ہوتا ہے......

مگر اس کو نبوت، ذکاوت و ذہانت اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے نہیں ملتی بلکہ نبی کا انتخاب سراسر اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نبی کو خصوصی علم عطا فرما کر ساری دنیا سے ممتاز کر دیتا ہے۔ یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو علم عطا کیا ہے اور علم کے لئے مختلف ذرائع پیدا کیے ہیں عقل کے ذریعے بھی علم حاصل ہوتا ہے، حواسِ خمسہ کے ذریعے بھی علم حاصل ہوتا ہے اور کشف و وجدان کے ذریعے بھی علم حاصل ہوتا ہے لیکن علم کے یہ سارے ذرائع طبعی اور ذاتی ہیں جن سے قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو سکتا تو اہلِ وجدان اور اصحابِ عقل میں کوئی اختلاف نہ ہوتا جبکہ ہمارا مشاہدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

انسان کی خواہش ہے کہ مجھے قطعی اور یقینی علم حاصل ہو، میرا علم شکوک و شبہات سے پاک ہو، مجھے اپنے مبدا اور منتہاء کا علم ہو، مجھے اس کائنات کے آغاز اور انجام کا علم ہو۔

انسان پکارتا ہے اے ربِ کائنات! تو نے میری ظاہری پیاس بجھانے کا تو انتظام کر دیا میری باطنی تشنگی کو بھی دور فرما، مجھے یقین کی منزل تک پہنچا دے، مجھے حقیقی علم عطا فرما دے۔

آواز آتی ہے، میرے بندے!

میں نے تجھے جبلت عطا کی مگر وہ تیرے سارے مسائل حل نہ کر سکی، میں نے تجھے حواس دیئے مگر وہ تیرے لئے کافی نہ ہوئے، میں نے تجھے عقل سے نوازا مگر تجھے یقین نصیب نہ ہوا، میں نے تجھے کشف و وجدان کی دولت عطا کی مگر تجھ پر سربستہ راز منکشف نہ ہوئے تو آ!

اب میں تجھے اپنا علم عطا کرتا ہوں جو سراسر روشنی ہے، جو اوّل تا آخر قطعی اور یقینی ہے، جس پر شکوک و شبہات کی پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتیں، جس میں باطل کا دخل ہو ہی نہیں سکتا۔

کائنات کی ہر چیز بدل سکتی ہے مگر میرا علم نہیں بدل سکتا۔ زمین و آسمان بدل سکتے ہیں، شمس و قمر بدل سکتے ہیں، روز و شب بدل سکتے ہیں، مگر میرا علم نہیں بدل سکتا۔

میں اپنا یہ علم انبیا کے پاکیزہ قلوب پر نازل کروں گا۔

سینے ان کے ہوں گے کتاب میری ہوگی......

زبان ان کی ہوگی علم میرا ہوگا......

لب ان کے ہوں گے باتیں میری ہوں گی......

تفسیریں ان کی ہوں گی متن میرا ہوگا......

تبلیغ ان کی ہوگی پیام میرا ہوگا......

محنت ان کی ہوگی کام میرا ہوگا......

تنفیذ ان کی ہوگی حکم میرا ہوگا......

خلافت ان کی ہوگی ہدایت میری ہوگی......

اطاعت ان کی ہوگی عبادت میری ہوگی......

امت ان کی ہوگی خالقت میری ہوگی......

شفاعت ان کی ہوگی مغفرت میری ہوگی......

دعا ان کی ہوگی اجابت میری ہوگی......

ہاتھ ان کے ہوں گے رحمت میری ہوگی......

دامن ان کے ہوں گے عنایت میری ہوگی......

پھر جس کسی کو ہدایت اور علم ویقین کی طلب ہوگی اسے درِ نبوت پر دستک دینا ہوگی۔

معزز سامعین!

علم کا یہ سفر آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا محمد رسول اللہ ﷺ پر آ کر ختم ہوگیا۔

تمام انبیا کو جتنا جتنا علم مختلف اوقات میں دیا گیا تھا وہ سارے کا سارا سرورِ کائنات ﷺ کو عطا کر دیا گیا۔

اب اگر کسی کو ہدایت مل سکتی ہے تو آپ ہی کے درِ فیض بخش سے مل سکتی ہے، اگر کسی کو علم الٰہی مل سکتا ہے تو مکتبِ محمدی ﷺ ہی سے مل سکتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

قرآن ۔ کتابِ انقلاب

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَةَ ۚ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

ترجمہ: ”حقیقت میں اللہ نے بڑا احسان مسلمانوں پر کیا جب کہ انہی میں سے ایک پیغمبر ان میں بھیجا۔ جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔“

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

صدر گرامی قدر اور معزز حاضرین! السلام علیکم

کچھ دیر کیلئے حال سے رشتہ توڑ کر ان بھاگتی دوڑتی گاڑیوں اور ترقی یافتہ دور سے نظریں ہٹا کر پندرہ صدیاں پیچھے لوٹ جائیں، تاریخ کے صفحات کھنگالیں اور دیکھیں دنیا میں کیا تھا؟

ظلمت ہی ظلمت تھی، اندھیرا ہی اندھیرا تھا، ظلم وستم کا دور دورہ تھا، جور و جفا عام تھا، شراب نوشی اور زنا کاری معیوب نہ تھی، چوری اور ڈاکہ زنی پر فخر کیا جاتا تھا، انسان، انسان

کے خون کا پیاسا تھا، بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، عورت، حیوانوں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی، کمزوروں اور ضعیفوں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا، جس کی لاٹھی اسی کی بھینس کا قانون تھا، قبائلی لڑائیاں سالہا سال تک جاری رہتی تھیں، انتقام در انتقام کا سلسلہ چلتا رہتا تھا، افراتفری تھی، اضطراب تھا، ظلم تھا، بے چینی تھی، بدی کا راج تھا اور بے حیائی کا غلبہ تھا، انسانیت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ بجھنے کو تھا کہ وہ رب جو خزاں میں بہار پیدا کرتا ہے۔ وہ رب جو ظلمتِ شب کے بعد نورِ سحر پیدا کرتا ہے۔ وہ رب جو قحط سالی میں کلبلاتے انسانوں، بلبلاتے حیوانوں اور تڑپتے کیڑے مکوڑوں پر رحم کرتے ہوئے بارش برساتا ہے۔ اسی رب کو جو میرا، آپ کا اور ہر شے کا رب ہے اسے اشرف المخلوقات کی حیوانوں سے بدتر حالت پر رحم آ گیا اور اس نے کائنات کے مقدس ترین انسان کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیج دیا اور اپنے پیغمبر ﷺ کو قرآن کی صورت میں انسانیت کا دستور دیا، ہدایت کا منشور دیا، راہِ زندگی کا نور دیا، قرآن کی انقلابی تعلیمات نے انقلاب برپا کر دیا اور ایسا انقلاب کہ دنیا اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ قرآن نے شہر بدل دیئے، صحرا بدل دیئے، فضائیں بدل دیں، بازار بدل دیئے، کاروبار بدل دیئے، ذہن بدل دیئے، عقائد بدل دیئے، سوچنے کے انداز بدل دیئے، راستے بدل دیئے، منزل بدل دی، معیشت بدل ڈالی، تجارت بدل ڈالی، معاشرت بدل ڈالی، ثقافت بدل ڈالی، سیاست بدل ڈالی، حکومت بدل ڈالی، زندگیاں بدل ڈالیں، زندگیوں کے رخ بدل ڈالے، ظاہر بدل ڈالا، باطن بدل ڈالا۔

ڈاکو اور لیٹرے، محافظ اور نگہبان بن گئے، ظالم اور ستم گر، عادل و ہمدرد انسان بن گئے، فاسق و فاجر، زاہد و پارسا بن گئے، عرب کے چرواہے زمانے کے مقتدا اور رہنما بن گئے، شرابی اور بدکار زاہد شب زندہ دار بن گئے، جو ذرّہ تھا وہ گہر بن گیا، لوہا تھا پارس بن گیا، قطرہ تھا دریا بن گیا، پیاسا تھا ساقی بن گیا، مدعو تھا داعی بن گیا، جاہل تھا عالم بن گیا، بدتھا نیک بن

گیا، ابوبکر تھا صدیق بن گیا، عمر تھا فاروق بن گیا، عثمان تھا ذوالنورین بن گیا علی تھا حیدرِ کرار بن گیا، معاویہ تھا کاتبِ وحی بن گیا، بلال رضی اللہ عنہ تھا مسجدِ نبوی کا موذن بن گیا، حمزہ رضی اللہ عنہ تھا اسد اللہ بن گیا، خالد رضی اللہ عنہ تھا سیف اللہ بن گیا، ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھا امین الامۃ بن گیا۔

یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ کیونکر ہوا؟ یہ انقلاب کیسے آیا؟ میں عرض کروں یہ انقلاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت سے بپا ہوا، یہ انقلاب قرآن کے پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے بپا ہوا، یہ تبدیلی قرآن کی انقلابی تعلیمات کی برکت سے آئی، یہ تغیر قرآن کو اپنا امام اور مقتدا بنانے سے پیدا ہوا۔

قرآن آج بھی ہمارے پاس موجود ہے اور اسی طرح موجود ہے جس طرح نازل ہوا تھا۔ اس کی کسی آیت میں تبدیلی نہیں ہوئی، اس کی کوئی حرکت زبر زیر، کوئی شوشہ نہیں بدلا۔ وہ ہدایت اور روشنی اور تاثیر جو پندرہ صدیاں پہلے اس میں تھی وہ آج بھی ہے۔ قرآن آج بھی زندگیوں میں تبدیلی لاسکتا ہے، دنیا میں انقلاب برپا کرسکتا ہے، ہمارے اخلاق اور اعمال کو درست کرسکتا ہے، ہمارے نظریات وافکار کی اصلاح کرسکتا ہے، ہمیں دنیا میں عزت واقتدار دلا سکتا ہے، ہمیں سچا سکون اور حقیقی خوشی دلا سکتا ہے مگر اللہ کا کوئی بندہ اسے پڑھے تو سہی، اسے سمجھے تو سہی، اس کے مطابق عمل تو کرے۔

مگر ہائے افسوس! آج ہمارے پاس ہر قسم کی خرافات اور بکواس کے لیے وقت ہے، گپ بازی کے لیے وقت ہے، فلموں اور ڈراموں کے لیے وقت ہے، میوزک اور رقص وسرود کے لیے وقت ہے، ناولوں اور افسانوں کے لیے وقت ہے، لیکن اگر وقت نہیں ہے تو قرآن پڑھنے کے لیے نہیں، قرآن سمجھنے کے لیے نہیں، اس کے مطابق عمل کرنے کے لیے نہیں ہے۔

ارے مسلمان! تم کتنے بدنصیب ہو تمہارے گھر میں خزانہ ہے مگر تم دوسروں سے

بھیک مانگتے پھر رہے ہو، تمہارے پاس روشنیوں کا منبع ہے مگر تم امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین سے روشنی مانگ رہے ہو، تمہارے سامنے آبِ شیریں کا دریا بہہ رہا ہے مگر تم العطش العطش پکار رہے ہو، ارے چھوڑ دو! لینن اور اسٹالن کو، ماؤزے تنگ اور مغربی جمہوریت کے سراب کو، تم قرآن کا دامن تھام لو! سارا یورپ تمہارے قدموں میں آگرے گا، جدید دنیا کسی نئے نظام کی تلاش میں ہے ارے اٹھو! اور اس کے سامنے قرآنی نظام پیش کرو، افسوس ہے تم پر کہ تم خزانے کے سانپ بنے بیٹھے ہو نہ خود قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہو نہ دنیا کے استفادہ کے لیے اسے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہو۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالی مجھے اور آپ کو اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو قرآن حکیم پڑھنے پڑھانے، سمجھنے، سمجھانے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! اسلامی نقطہ نگاہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے بلند مقام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ ربِ کریم نے قرآن حکیم میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا مختلف عنوانات سے تعارف کرایا ہے اور متعدد آیات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف کی گئی ہے، سورۃ الفتح میں ارشادِ ربانی ہے:

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں آپس میں مہربان ہیں، اے (مخاطب) تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں لگے ہیں ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر کی وجہ سے نشانات ہیں۔''

یہ آیتِ کریمہ بتاتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض رکھنے والا کافر ہی ہوسکتا ہے مسلمان ایسا نہیں کرسکتا۔ ابوعروہ زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک روز حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی مجلس میں تھے لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتا تھا امام مالک نے مذکورہ آیت ﴿لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ تک تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا جس شخص کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کے متعلق غیظ ہو وہ اس آیت کی زد میں ہے یعنی اس کا ایمان خطرے میں ہے کیونکہ آیت میں کسی صحابی سے غیظ، کفار کی علامت قرار دی گئی

ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جو مہاجرین اور انصار ایمان لائے ہیں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور بقیہ امت میں جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔''

سورۂ فاطر میں ہے:''سلام ہے ان بندوں پر جن کو اللہ نے منتخب فرمایا ہے۔''

اس کے ساتھ دوسری آیت میں ہے:''پھر وارث بنایا ہم نے کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کیا، پھر بعض تو ان میں اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جو خدا کی توفیق سے اس کی نعمتوں میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔'' اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منتخب بندے قرار دیا گیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں کہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾

''کہ تحقیق اللہ مومنین سے راضی ہوگیا۔''

کہیں فرمایا:﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ ''کہ یہی لوگ سچے ہیں۔''

کہیں فرمایا:﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''کہ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

کہیں فرمایا:﴿ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ ﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لیے محبوب کر دیا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں پوچھیں تو کبھی آپ فرماتے ہیں:''بہترین زمانہ میرا ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہیں۔'' کبھی فرماتے ہیں:''میرے صحابہ کو

برا نہ کہو تم میں سے اگر کوئی آدمی احد کے پہاڑ جتنا بھی سونا خرچ کر دے اللہ کی راہ میں تو صحابی کے ایک مد بلکہ آدھے مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔''

کبھی فرماتے ہیں: ''اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! میرے صحابہ کے معاملے میں میرے بعد ان کو طعن وتشنیع کا نشانہ نہ بنانا کیونکہ جو شخص ان سے محبت کرے گا میری وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا جس نے ان کو ایذا پہنچائی گویا اس نے مجھے ایذا پہنچائی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جو اللہ کو ایذا پہنچانا چاہے تو عنقریب اللہ اس کو عذاب میں پکڑ لے گا۔''

اور اپنے مقدس شاگردوں کے دشمن کے بارے میں فرماتے ہیں: ''جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہتے ہیں تو تم ان سے کہو اللہ کی لعنت ہو تمہارے بدترین شخص پر۔''

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کی جو اس قدر تعریف بیان کی ہے آخر اس کی کچھ وجہ تو ہوگی؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کی کوئی ایک وجہ نہیں بلکہ اس کی کئی وجوہات ہیں: وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اس قدر محبت کرنے والے تھے کہ دنیا میں پیش آنے والی عشق ومحبت کی تمام داستانیں اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں، ان کا کردار اتنا اجلا تھا کہ پھولوں کی تازگی اور شبنم کی طراوت اس کے سامنے ہیچ ہے وہ زبان کے پکے اور قول کے سچے تھے، وہ حیا کے پیکر اور عفت وعصمت کی تصویر تھے، ان کا ایمان اتنا مضبوط تھا کہ پہاڑوں کی مضبوطی شرما جائے۔ انہیں ایمان سے مرتد کرنے کے لئے کون سا حربہ تھا جو نہیں آزمایا گیا، کونسا ظلم اور ستم تھا جو ان پر نہیں ڈھایا گیا لیکن وہ جس دین کو اپنا چکے تھے اس سے باز نہیں آئے دہکتے ہوئے کوئلوں پر زندہ کھال

والی ننگی پیٹھیں جلائی گئیں، جلتی ہوئی ریت پر جانداروں کو سلایا گیا، جیتے جاگتے انسانوں کی ٹانگوں میں رسیاں باندھ کر مکے کے بازاروں میں گھسیٹا گیا، ننگے بدن پر کوڑے مار مار کر تڑپایا گیا، چٹائیوں میں باندھ کر دھواں دیا گیا، طمانچے مار مار کر بینائی سے محروم کر دیا گیا، جسموں کو برچھے مار کر لہولہان کر دیا گیا مگر انھوں نے سچائی کا دامن نہیں چھوڑا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے کلمہ پڑھ کر ایک بار رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا تو پھر زندگی بھر اسے نبھایا۔ بڑے کٹھن موڑ آئے کفر کی آندھیوں نے ان کے حوصلوں کو پست کر دینا چاہا، مادیت کے طوفانوں نے ان کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں، مصائب اور ابتلائیں ایسی آئیں کہ بڑے بڑے سورما ہمت ہار جائیں مگر وہ لوگ نہ جانے کس مٹی کے بنے ہوئے تھے اور ان میں یقین کی کیسی اسپرٹ بھری ہوئی تھی کہ وہ کسی لمحے تذبذب کا شکار نہیں ہوئے، ان کے اٹھے ہوئے قدم آگے ہی بڑھتے گئے، انھوں نے پیچھے ہٹنے کا نام تک نہ لیا۔ مادی نظر سے دیکھا جائے تو انھیں حق وصداقت کی راہ میں بہت کچھ گنوانا پڑا۔ وطن سے بے وطن ہوئے، بھرے پرے گھر چھوڑے، جائیدادوں سے محروم ہوئے، اپنے جگر گوشوں کو ذبح ہوتے دیکھا، بیویاں چھین لی گئیں، خود انہیں ہر طرح سے ستایا گیا مگر ایک ہی دھن میں مگن وہ آگے ہی بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ بہت تھوڑی سی مدت میں انھوں نے معلوم دنیا کے دور دراز شہروں، دیہاتوں بلکہ صحراؤں تک میں ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے ان کی فتوحات کی تیز رفتاری کو دیکھیں تو صرف دس سال کی مختصر مدت میں دس لاکھ مربع میل اسلام کے زیر اقتدار آچکا تھا گویا روزانہ انھوں نے 274 مربع میل علاقہ فتح کیا اور صرف قلعوں شہروں اور جسموں ہی کو فتح نہیں کیا بلکہ ذہنوں، روحوں اور سوچوں کو فتح کیا وہ جہاں بھی گئے انھوں نے سوچوں کے انداز بدل دیئے، ذہنوں کے رخ موڑ دیئے، روحوں کو بالیدگی عطا کر دی۔

یاد کر لیجئے! ایک وقت وہ تھا جب ایک مربع میل تو کیا ایک گز جگہ ایسی نہیں تھی جہاں آزادی سے اللہ کا نام لیا جا سکے اور بلا روک ٹوک اس کی عبادت کی جا سکے اور آج بحر و بر میں، عرب و عجم میں، مصر و شام میں، چین اور ایشیا میں اللہ کا نام بلند ہو رہا ہے، یہ سب کیسے ہوا؟ کیا یہ انقلاب خود بخود آ گیا؟ میرے اور آپ کے آباء و اجداد کی زبانوں پر کلمۂ شہادت خود بخود جاری ہو گیا؟ نہیں میرے دوست نہیں! اس غلط فہمی کو جتنا جلد ہو سکے دور کر لو۔

بلکہ ہم تک دین کی امانت پہنچانے میں سب سے پہلے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانیوں کو دخل ہے۔ رقیہ رضی اللہ عنہا اور اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی طلاقوں کو دخل ہے۔ طائف میں بہنے والے مقدس خون کو دخل ہے، تپتی ہوئی ریت پر تڑپتے ہوئے بلال رضی اللہ عنہ کی آہوں کو دخل ہے، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور عمار رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کو دخل ہے، یعینہ، زنیرہ، نہدیہ اور اُم عبیس رضی اللہ عنہن جیسی بے سہارا لونڈیوں کو دخل ہے، خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی جلی ہوئے کمر کو دخل ہے بدر و اُحد، خندق و حنین، موتہ اور تبوک کے مجاہدوں کی سرفروشیوں اور جان نثاریوں کو دخل ہے۔

تقریریں

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم قربانیاں نہ دیتے تو نہ معلوم آج ہم کس گرجے یا مندر میں ہوتے؟ میں اس شخص کو سوسائٹی کا سب سے بڑا منکر حرام سمجھتا ہوں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کا، صحابہ کے مقام کا، صحابہ کی شان کا، صحابہ کی قربانیوں کا، صحابہ کی سرفروشیوں کا، صحابہ کے زہد و تقوی کا، صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت و کردار کی پاکیزگی کا انکار کرتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

صدر گرامی قدر و معزز حاضرین! السلام علیکم

پھول تو سارے ہی خوشنما اور دلربا ہوتے ہیں مگر گلاب کی بات ہی کچھ اور ہے، دھاتیں تو ساری ہی کام کی ہیں مگر سونے کی بات ہی کچھ اور ہے، موتی تو سارے ہی قیمتی ہیں مگر زمرد اور یاقوت کی بات ہی کچھ اور ہے، دن تو سارے ہی اللہ کے ہیں مگر جمعۃ المبارک کی بات ہی کچھ اور ہے۔

راتیں تو ساری عبادت کیلئے ہیں مگر لیلۃ القدر کی بات ہی کچھ اور ہے، مہینے تو سارے ہی وقت کے سنگ میل ہیں مگر رمضان المبارک کی بات ہی کچھ اور ہے، اوقات تو سارے ہی قابل قدر ہیں مگر تہجد کی بات ہی کچھ اور ہے، آسمانی کتابیں ساری کی ساری واجب الاحترام ہیں مگر قرآن کی بات ہی کچھ اور ہے، امام تو سارے ہی مقتدا اور پیشوا ہیں مگر ابوحنیفہ کی بات ہی کچھ اور ہے، شہر تو سارے اللہ کے بسائے ہوئے ہیں مگر مکہ اور مدینہ کی بات ہی کچھ اور ہے، مسجدیں تو ساری ہی اللہ کا گھر ہیں مگر مسجد الحرام کی بات ہی کچھ اور ہے، تمام انبیا اللہ کے قاصد

اور نمائندے ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی کچھ اور ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم سارے کے سارے آسمانِ رشد وہدایت کے تارے ہیں مگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بات ہی کچھ اور ہے۔

حاضرین کرام!

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بہت ساری چیزوں میں تمام صحابہ کرام سے آگے ہیں۔ مردوں میں سب سے اوّل اسلام قبول کیا، سب سے پہلے قرآن شریف کا نام مصحف رکھا، سب سے پہلے وہ شخص ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کفار سے لڑے اس لئے وہ دین الٰہی اور دعوتِ نبوت کے سب سے پہلے مجاہد ہیں، سب سے پہلے خلیفہ راشد ہیں، سب سے پہلے بیت المال قائم کیا، سب سے پہلے انہوں نے خلافت کیلئے ولی عہد مقرر کیا، صحابہ کرام میں سب سے پہلے اجتہاد کیا، سب سے پہلے ان کا لقب خلیفہ ہوا، اسلام میں سب سے پہلے ان کا لقب عتیق ہوا، امتِ محمدیہ میں سب سے پہلے داخل جنت ہوں گے، سب سے پہلے اسلام میں انہوں نے مسجد بنوائی، اسلام میں سب سے پہلے انہیں صدیق کا لقب ملا۔

میں نے جس آیتِ کریمہ کی تلاوت کی ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ فرمایا گیا ہے اس سے یہ نکتہ بھی نکالا جاسکتا ہے کہ جہاں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوّل ہیں وہیں وہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثانی یعنی کہ دوسرے نمبر پر ہیں، ایمان میں حضور اوّل ہیں ابوبکر ثانی ہیں، تبلیغ ودعوت میں حضور اوّل ہیں ابوبکر ثانی ہیں، دین کی نصرت میں حضور اوّل ہیں ابوبکر ثانی ہیں امامت وخلافت میں حضور اوّل ہیں ابوبکر ثانی ہیں، روضہ میں حضور اوّل ہیں ابوبکر ثانی ہیں، حشر میں حضور اوّل ہیں ابوبکر ثانی ہیں، جنت میں حضور اوّل ہیں ابوبکر ثانی ہیں۔

گرامی قدر احباب! حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی پوری کی پوری زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی ان کی ہر رات عبادت میں اور ہر رات اتباع سنت میں گزرتی تھی۔

ایک دن حضرت سرورِ عالم ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا: آج تم میں روزہ کس نے رکھا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے۔ حضور ﷺ نے پھر دریافت فرمایا: ''جنازے کے ساتھ کون گیا تھا؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں۔ حضور ﷺ پھر صحابہ سے سوال کرتے ہیں: ''محتاج کو کھانا کسی نے کھلایا تھا؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے۔'' سرورِ کونین ﷺ پھر دریافت فرماتے ہیں: ''بیمار کی عیادت کس نے کی؟'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے۔ یہ سن کر سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا: ''یہ اوصاف جس میں جمع ہوں وہ جنتی ہے۔''

اتباعِ سنت کا یہ جذبہ تھا کہ وفات کے قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: حضرت سرورِ عالم ﷺ کو کتنے کپڑوں میں دفن کیا گیا تھا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''تین کپڑوں میں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے کفن میں بھی تین کپڑے ہوں، دو یہ چادریں جو میرے بدن پر ہیں دھولی جائیں ایک نئی چادر لی جائے۔''

اللہ تعالیٰ کو ان کا اتباعِ سنت کا جذبہ اس قدر پسند آیا کہ وفات میں بھی انہیں حضور ﷺ کی مشابہت عطا ہوگئی چنانچہ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ انتقال کے دن فرمایا کہ رسول ﷺ نے کس دن رحلت فرمائی؟

لوگوں نے کہا: پیر کو۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے امید ہے میری موت بھی آج ہی ہوگی۔'' اور یہ پیر ہی کا دن تھا۔

ان واقعات کی بنا پر ہی دل بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سچے عاشق رسول بلکہ فنافی الرسول تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

میں آج کی مجلس میں آپ کے سامنے ایک ایسی شخصیت کی سیرت تابناک کا تذکرہ کرنے لگا ہوں، جس کے ایمان لانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر دعا فرمائی تھی، جس کے مسلمان ہو جانے سے اسلامی تاریخ میں انقلابی تبدیلی ہوئی اور وہ مسلمان جو پہلے اپنے اسلام کو ظاہر کرتے ہوئے شدید خطرات محسوس کرتے تھے اب اعلانیہ کعبے میں نماز پڑھنے لگے، جس کی ہیبت اور دبدبے کا یہ عالم تھا کہ آج بھی اس کے نام سے ایک عالم لرزہ براندام ہے۔

جی ہاں! میں آج آپ کے سامنے خلیفہ ثانی امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سیرت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جس کی شان وعظمت کے لئے حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک ہی کافی ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا۔

وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جس کا رعب انسانوں کے علاوہ شیاطین پر بھی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے کہ جس گلی سے عمر گذرتا ہے شیطان وہ گلی چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے، وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جن کی شجاعت ودلیری کا یہ عالم تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہجرت

کا حکم آیا تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہ نے چھپ کے ہجرت کی لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کرنے لگے تو کعبے میں جا کر طواف کیا اور پھر اعلان کیا: ''میں ہجرت کرنے لگا ہوں جس نے اپنے بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ کرنا ہو میرے پیچھے آجائے اور مجھے روک لے۔'' لیکن کسی کو جرات نہ ہوئی کہ وہ ان کا پیچھا کرتا اور انہیں روکنے کی کوشش کرتا، وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کی رائے کو بارہا تائید ایزدی اور مشیتِ الٰہی کی سند حاصل ہوئی وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ غزوۂ بدر کے اسیروں کے معاملے میں جن کی رائے کے موافق وحی آئی: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جن کی رائے کے موافق ازواجِ مطہرات کیلئے پردے کی آیت آیتِ حجاب نازل ہوئی: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ﴾ وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ نہ پڑھانے کا مشورہ دیا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خُلق عظیم کی بنا پر جب اس کا جنازہ پڑھا دیا تو ربِ کریم نے ہمیشہ کے لئے حکم نازل فرما دیا: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾ وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جن کی اصابت رائے ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے سامنے قرآن مجید مدون اور مرتب شدہ شکل میں موجود ہے، وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جن کی خلافت میں مملکتِ اسلامیہ کا رقبہ بائیس لاکھ مربع سے بھی زیادہ پر محیط ہو کر رومن امپائر سے کئی گنا بڑھ گیا تھا، وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کا غلام حضرت مہجع رضی اللہ عنہ وہ پہلا شخص تھا جو غزوۂ بدر میں شہید ہوا، وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جنہوں نے اسلام کے مقابلے میں قرابت داری کو کبھی ترجیح نہ دی، غزوۂ بدر میں اپنے ماموں عاصی بن ہشام بن مغیرہ کو اپنے ہاتھوں واصل جہنم کیا، وہ عمر رضی اللہ عنہ جس کی لاکھوں مربع میل فتوحات میں ایک بھی عام شہری قتل نہیں ہوا، وہ عمر رضی اللہ عنہ جو راتوں کو اٹھ کر اپنی رعایا کی خبر گیری کے لئے بازاروں میں پھرا کرتے تھے، وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کے بدن پر خلیفہ ہوتے ہوئے بارہ بارہ پیوند کا کرتہ اور سر پر پھٹا ہوا

عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے اور وفود کو بار یاب کرتے تھے، وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کے دبدبے سے بیت المقدس بغیر لڑائی کے فتح ہو گیا، وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جن کے رعب اور نفوذ فیصلہ کی قوت کا یہ حال تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ جیسے عظیم اور مایہ ناز جرنیلوں کی معزولی پر کسی کو دَم مارنے کی جرات نہ ہوئی، وہ عمر رضی اللہ عنہ جن کی فصاحت و بلاغت کا یہ عالم تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے، وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جن کے خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ لیا جاتا، کاش کہ میں پرندہ ہوتا جو ذبح کر لیا جاتا تاکہ کوئی حساب کتاب نہ ہوتا، وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جن کے خط کو دریائے نیل میں ڈالے جانے سے آج تک وہ خشک نہ ہوا، وہ عمر رضی اللہ عنہ کہ جنہوں نے سب سے پہلے پورے ملک کی مردم شماری کرائی اور پورے پورے علاقوں کی پیمائش کرائی اور اس کے مطابق حکمت عملی ترتیب دی، وہ عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے عوام الناس کی سہولت کے لئے ڈاک کا محکمہ قائم کیا، وہ عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے امن و امان کے قیام کیلئے پولیس کا محکمہ قائم کیا، وہ عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے احتساب کی ایسی مثال قائم کی کہ ایک عام شخص بھی برسرِ عام خلیفہ سے پوچھ سکتا تھا کہ یہ آپ نے جو دو چادروں سے کرتہ بنا رکھا ہے یہ کہاں سے آپ کے پاس آئیں۔

وہ عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے عظیم صحابی کی ڈیوڑھی اس لئے گرا دی کہ یہ گورنر ہیں کہیں ان تک عام لوگوں کو رسائی میں ڈیوڑھی حائل نہ ہو جائے۔

وہ عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے نہر ابی موسیٰ، نہر سعد اور نہر معقل جیسی نہریں کھدوا کر مملکت اسلامیہ کو زراعت کے معاملے میں خود کفیل کر دیا۔

وہ عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے جرائم کی سرکوبی کیلئے سب سے پہلے جزیرۃ العرب میں، مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم میں خرید کر اسے جیل خانہ قرار دیا، وہ

عمر رضی اللہ عنہ جن کی حسن اسلوبی سے ایسی وسیع مملکت کے نظام کو چلانے کے بارے میں آج بھی یورپ کے قانون ساز ادارے ریسرچ کرتے نظر آتے ہیں۔

وہ عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے دنیا میں سب سے پہلے سلطنت کے تحت ایک منظم فوجی ادارہ قائم کیا جس کے تمام جرنیل مرکز کے تابع اور تنخواہ دار ہوتے تھے۔

حضرات! میں ایک بات ذرا تفصیل سے کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ یوں تو دنیا میں بڑے بڑے فاتح اور کشور کشا گزرے ہیں آپ مجھے سکندر اعظم اور تیمور کی مثال دے سکتے ہیں، آپ نپولین بونا پارٹ کا نام لے سکتے ہیں، آپ چنگیز خان اور ہلاکو کا تذکرہ کر سکتے ہیں، آپ ایڈلف ہٹلر، مسولینی اور ڈیگال کی بات کر سکتے ہیں مگر میرا دعویٰ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسا فاتح اور کشور کشا نہیں گزرا، دوسرے فاتحین نے صرف شہروں کو فتح کیا، صرف دیہاتوں کو فتح کیا، صرف میدانوں اور محلوں کو فتح کیا مگر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے صرف شہروں اور دیہاتوں کو، صرف جسموں اور سروں کو نہیں بلکہ دلوں اور روحوں کو بھی فتح کیا، افکار کے رخ بدل ڈالے، سوچوں کے دھارے بدل دیئے، عقائد اور خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا پھر دوسرے فاتحین میں سے کسی کا نام بھی لے لیجئے وہ سب کے سب ظالم اور سفاک تھے نپولین، تیمور، چنگیز خان، بخت نصر، نادر شاہ، ہٹلر، مسولینی اور ڈیگال، ان میں سے ہر ایک خونخوار درندہ تھا۔

سکندر کا یہ حال تھا کہ اس نے شہر صور کے ایک ہزار شہریوں کے سر شہر پناہ کی فصیل پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار باشندوں کو غلام لونڈی بنا کر بیچ ڈالا اور وہاں کے قدیم باشندوں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں انصاف تھا، رحم دلی تھی، عفو و درگذر تھا، احتیاط تھی، انسانیت تھی، شرافت تھی، آدمیوں کا قتل عام تو ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی بچوں، بوڑھوں، عورتوں، اور مذہبی رہنماؤں پر

ہاتھ نہیں اٹھایا جاسکتا تھا۔

پھر دوسرے فاتحین کے اندر یہ کمزوری تھی کہ وہ تیس تیس ہزار فوج لے کر نکلتے تھے تب ان کا رعب و دبدبہ قائم ہوتا تھا مگر میرے آقا ﷺ کے غلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھئے جن کی معاشرت یہ تھی کہ قمیص میں دس دس پیوند تھے، کاندھے پر مشکیزہ رکھ کر غریب عورتوں کا پانی بھر لیتے تھے، زمین کے ننگے فرش پر لیٹ کر آرام کر لیتے تھے، بیت المال کے اونٹوں کے بدن پر تیل کی مالش بھی کر لیتے تھے، دروربار، نقیب و چاؤش اور حشم و خدم سے بالکل آشنا نہ تھے، جہاں جاتے اکیلے نکل جاتے تھے لیکن رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ جس طرف کا رخ کرتے تھے زمین ہل جاتی تھی، عرب و عجم میں تہلکہ مچ جاتا تھا، شام کے سفر میں ایک غلام کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے تھے لیکن مشرق و مغرب میں غلغلہ تھا کہ مرکزِ اسلام جنبش میں آگیا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دوسرے فاتحین کے درمیان ایک اور واضح فرق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو مختلف صفات اور اعلیٰ اخلاق کا جامع ہو مثلاً سکندر سب سے بڑا فاتح تھا لیکن حکیم نہ تھا، ارسطو حکیم تھا لیکن کشورستاں نہ تھا، تیمور بہادر اور جنگجو تھا مگر عالم نہ تھا، چنگیز خان دلیر اور جفاکش تھا لیکن اعلیٰ انسانی اخلاق سے عاری تھا آپ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات پر نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، وہ مسیح بھی تھے اور سلیمان بھی، وہ تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ابراہیم ادھم رحمہ اللہ بھی اور ان حضرات کا نام بھی میں نے اس لئے لیا کہ یہ اپنے اپنے شعبے میں مشہور ہیں وگرنہ کشورکشائی میں سکندر کا، حکمت میں ارسطو کا، شجاعت میں تیمور کا، عدل و انصاف میں نوشیرواں کا، فقاہت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا اور تصوف میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کوئی مقابلہ ممکن ہی نہیں۔

محترم حاضرین کرام! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرتِ مبارکہ میں بحیثیت امت مسلمہ ہمارے لئے کئی اسباق ہیں، وہ باوجود ایک عظیم فاتح عالم ہونے کے ہمیں خدمت خلق میں بذات خود مصروف کار دکھائی دیتے ہیں اگر امت مسلمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روشن سیرت کو اپناتے ہوئے خدمتِ خلق، عبادت الٰہی اور آخرت کی فکر کو ہر چیز پر مقدم کر دے تو کوئی ایسی بات نہیں کہ امتِ مسلمہ کی عظمت رفتہ واپس نہ آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقوش پا پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ الْمُبِيْنُ

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر احباب! السلام علیکم

آج میں ایک ایسی شخصیت کے تذکرہ کی سعادت حاصل کر رہا ہوں جنہیں ذوالنورین بھی کہا جاتا ہے، جنہیں شہید مظلوم کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، جنہیں کامل الحیاء والایمان بھی کہا گیا ہے، جنہیں جامع القرآن ہونے کا بھی شرف حاصل ہے، میری مراد خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہے۔

وہ عثمان جو دور جاہلیت میں بھی عفیف اور پارسا تھے، دیانت دار اور راست باز تھے، رحم دل اور باحیا تھے، فیاض اور کنبہ پرور تھے۔ آپ خود سوچئے کہ دنیا میں ہر بیٹی کا باپ اپنی دامادی کیلئے بہتر سے بہتر داماد تلاش کرتا ہے تو جس انسان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کیلئے منتخب کیا ہوگا وہ بہترین انسان نہیں ہوگا؟! صحیح بات تو یہ ہے کہ ہمارے انتخاب میں غلطی کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے لیکن حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب نرالا ہوتا ہے اور جب ہم سیرت و کردار کے ترازو میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو تولتے ہیں تو ہمیں رقیہ رضی اللہ عنہا اور اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا کے پیارے ابا کے انتخاب پر رشک آجاتا ہے وہ کون سا خلق اور کونسی صفت ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں نہیں تھی۔

خوفِ خدا کا یہ عالم تھا کہ اکثر خوف خداوندی سے آبدیدہ رہتے، موت، قبر اور آخرت

کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا، سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہوجاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے، مقبروں سے گذرتے تو اس قدر روتے کہ ڈاڑھی تر ہوجاتی، لوگ کہتے کہ دوزخ اور جنت کے تذکروں سے تو آپ رضی اللہ عنہ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ بے قرار ہوجاتے ہیں؟ فرماتے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہوگیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مراحل دشوار ہوں گے۔

حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کاب رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدویت اور جانثاری کا حق ادا کیا، آپ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنی محبت اور شیفتگی تھی کہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے، اور جب موقع ملتا آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے، ایک دفعہ چار دن تک آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فقروفاقہ سے بسر کیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت سامان خوردونوش اور تین سو درہم لاکر بطور نذرانہ پیش کیے۔

احترامِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر تھا کہ جس ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا، اتباعِ سنت کی کیفیت یہ تھی کہ اپنے ہر قول وفعل یہاں تک کہ حرکات وسکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو پیش نظر رکھتے۔ ایک مرتبہ وضو کرنے کے بعد مسکرائے۔ لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا: میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

حیاء کی انتہاء یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حیا کا یہ عالم

تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہ ہوتے تھے، زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ باوجود غیر معمولی دولت وثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی اور نہ کبھی زیب وزینت کی چیزیں استعمال کیں۔ تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسیوں لونڈی اور غلام موجود تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے، رات کو تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہوتے تو خود ہی وضو کا سامان کر لیتے، ایثار آپ رضی اللہ عنہ کا اس قدر تھا کہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لئے بیت المال سے ایک پیسہ نہیں لیا، فیاضی اور سخاوت تو آپ رضی اللہ عنہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ تمام عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے اور اپنے مال ودولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر نہ تھا، غزوہ تبوک میں ہزاروں دینار مجاہدین پر صرف کئے، مدینہ کا میٹھے پانی کا کنواں یہودیوں سے منہ مانگی قیمت پر خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا اور ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے۔

صبر وتحمل آپ رضی اللہ عنہ کا بے مثال تھا۔ شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری، ضبط وتحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ سینکڑوں وفا شعار غلام اور ہزاروں معاون وانصار سرفروشی کے لئے تیار تھے مگر اس ایوبِ وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی اور اپنے اخلاقِ کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

عبادت کی کیفیت یہ تھی کہ دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت وریاضت میں بسر کرتے، کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

حضرت علی رضی اللہ عنہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

میرے ہم سفر ساتھیو! اسلام پر ایک دور ایسا بھی گذار ہے جو حقیقت میں اسلام کی غربت کا دور تھا، مظلومیت کا دور تھا، کسمپرسی کا دور تھا، پیغمبر اسلام کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا، ہر طرف سے مخالفت ہوتی تھی، ہر جانب سے گالیاں سنائی دیتی تھیں، عرب کا ذرّہ ذرّہ دشمنی پر تلا ہوا تھا، تمام سرداروں نے گٹھ جوڑ کر لیا تھا، ایمان کی روشنی پھیلنے کا ہر دروازہ بند کر دیا گیا تھا لیکن اس کٹھن اور مشکل دور میں بھی چند خوش نصیب ایسے تھے جنہوں نے سرداروں کو ٹھکراتے ہوئے، طوفانوں سے ٹکراتے ہوئے، اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے، ایمان کے نور سے اپنے سینوں کو روشن کر لیا، ان خوش نصیبوں میں سے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت صرف دس سال تھی، دس سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے، کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے، لاابالی پن کا وقت ہوتا ہے، کھانے پینے اور سونے کا دور ہوتا ہے مگر زندگی کے اس دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انقلاب کا راستہ اختیار کیا زمانے کی مخالفت کو مول لیا، سرداروں کو ناراض کیا، اپنوں کو بیگانہ بنا لیا، لوگ کہتے تھے اس بچے کو دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنا دیوانہ بنا لیا ہے۔

نبوت کے چوتھے سال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا: ﴿وَ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو کوہِ صفا پر چڑھ کر دعوت دی جب اس کا اثر نہ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دعوت کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔ دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد 40 تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابولہب اور ابوطالب بھی شرکاء میں تھے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھ کر فرمایا: یا بنی عبدالمطلب! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ بولو! تم میں سے کون شخص اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون ومددگار رہوگا؟ اس کے جواب مین سب چپ رہے صرف شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوبِ چشم کا عارضہ بھی لاحق ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں تاہم میں آپ کا یاور اور دست و بازو بنوں گا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا تم بیٹھ جاؤ۔'' اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا لیکن کسی نے جواب نہین دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اٹھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہیں بٹھا دیا، یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بارِ گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جاں بازی کے اس لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ! تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانثاری کا ایک اور واقعہ سنئے: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا حکم ہوا تو وہ ایک سیاہ رات تھی۔ مشرکین ننگی تلواریں لئے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت سے علوم میں مہارت حاصل تھی۔ انہیں قرآن پاک سے اجتہاد اور استنباط کرنے میں یدطولیٰ حاصل تھا، ناسخ اور منسوخ کے علم میں کمال رکھتے تھے، تفسیر و تاویل میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا، حضور کی ادائیں، دعائیں اور انداز ان کو یاد تھے،

فقہ میں وہ کامل دستگاہ رکھتے تھے، مسائل میں ان کی نگاہ بہت وسیع تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: "اَقْضَانَا عَلِيٌّ وَ اَقْرَأُنَا اُبَيٌّ" ہم میں سب سے بڑے مقدمات کے فیصلے کے لئے علی رضی اللہ عنہ ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں اور شریعت کے اسرار پر بھی عبور رکھتے تھے، تقریر وخطابت میں ان کو خداداد ملکہ حاصل تھا، ان کی تقریریں مدلل اور مؤثر ہوتی تھیں، علم نحو کی بنیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رکھی۔ امانت و دیانت کا یہ حال تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو قریش کی امانتوں کی واپسی کی خدمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی سپرد فرمائی۔ ایک مرتبہ بیت المال کے لئے کچھ نارنگیاں آئیں۔ ایک نارنگی حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اٹھالی۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم فرمادیں، زہد و تقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔ اس نئی زندگی کے ساز وسامان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز وسامان اپنے ساتھ میکے سے لائی تھیں ان میں کسی ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہوسکا اور ایامِ خلافت میں بھی موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لئے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔

عبادت کا یہ عالم تھا کہ حضرت زبیر بن سعید قریشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے کسی ہاشمی کو نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ عبادت گذار ہو۔ سخاوت میں آپ رضی اللہ عنہ دریا تھے۔ کبھی کوئی سائل آپ رضی اللہ عنہ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا۔ تواضع اور سادگی آپ رضی اللہ عنہ کی دستار فضیلت کا خوشنما طرہ تھی، شجاعت اور بسالت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مخصوص وصف تھا، بڑے بڑے پہلوانوں کا کام ایک ہی وار میں تمام کردیا کرتے تھے، حسن سلوک آپ رضی اللہ عنہ کا بے مثل تھا۔ ایک دفعہ لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہوگیا تو اس کو چھوڑ کر الگ ہوگئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان مبارک نقوش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

صدیقۂ کائنات رضی اللہ عنہا

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

برادرانِ محترم! ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو صدیقہ کا لقب بھی دیا گیا، طاہرہ بھی کہا گیا، طیبہ بھی پکارا گیا، حمیرا سے بھی موسوم کیا گیا اور حقیقت یہ ہے کہ آپ صدیقہ بھی تھیں کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا کی ذات میں صدیقیت پائی جاتی تھی، آپ طاہرہ اور طیبہ بھی تھیں کیونکہ آپ کا ظاہر بھی پاک تھا اور باطن بھی پاک۔ آپ حمیرا بھی تھیں کیونکہ آپ صوری حسن و جمال میں بھی یکتائے روزگار تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کو جتنی فضیلتیں اور جتنے شرف حاصل تھے وہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی اور کو حاصل نہ تھے۔

آپ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا ایک دن بھی کفر و شرک میں نہیں گذرا، آپ رضی اللہ عنہا نے آنکھیں کھولیں تو اپنے والدین کو مسلمان پایا۔ آپ رضی اللہ عنہا صبح اٹھتی تھیں تو ذکر و تلاوت کی آوازیں کانوں میں پڑتی تھیں، رات کو بستر پر لیٹتی تھیں تو عبادت و اطاعت کا نظارہ دیکھتی تھیں، یہ شرف بھی آپ کو حاصل ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی تسکین کے لئے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اور پھر آپ رضی اللہ عنہا کو منتخب فرمایا اور آپ رضی اللہ عنہا کے عقد کی بشارت جبرئیل نے خواب میں دی، یہ شرف بھی آپ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ تمام ازواجِ مطہرات میں سے سب سے زیادہ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ رضی اللہ عنہا سے تھی، یہ شرف بھی آپ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ جب منافقین نے

آپ رضی اللہ عنہا کے دامن کو داغ دار کرنا چاہا تو آپ رضی اللہ عنہا کی برأت کی گواہی ربِ کائنات نے دی اور آپ رضی اللہ عنہا کی تطہیر بیان کرنے کے لئے سترہ آیات نازل فرمائیں حالانکہ آپ کو معلوم ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگی تو برأت کا اعلان عورت نے کیا، مریم علیہا السلام پر تہمت لگی تو صفائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کی، یوسف علیہ السلام پر تہمت لگی تو طہارت کی گواہی ایک بچے نے دی لیکن اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقام دیکھئے ان پر تہمت لگی تو برأت کا اعلان رب العالمین نے کیا۔

یہ شرف بھی آپ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ آپ کی چار پشتوں کو صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کے دادا صحابی، آپ کے والد صحابی، آپ کے بھائی صحابی اور آپکے بھتیجے بھی صحابی تھے۔ یہ شرف بھی آپ کو حاصل ہے کہ غزوۂ بدر میں جس جھنڈے کے نیچے صحابہ اور ملائکہ مشرکین سے جنگ کر رہے تھے وہ جھنڈا آپ کی اوڑھنی سے بنایا گیا تھا اور یہ جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دستِ مبارک میں تھا گویا صدیقہ کائنات اور حیدرِ کرار کے درمیان منافرت کی باتیں کرنے والوں کے منہ پر قیامت تک کے لئے طمانچہ جڑ دیا گیا اور بتا دیا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صدیقہ کے دوپٹے کو گرانے والے نہیں تھے بلکہ بلند کرنے والے تھے۔

یہ شرف بھی آپ کو حاصل ہے کہ کائنات کے سردار نے زندگی کے آخری آٹھ دن آپ کے حجرہ میں گذارے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے آخری سانس لئے تو سر مبارک سیدہ کی گود میں تھا اور حضور کے منہ میں جو آخری چیز گئی وہ سیدہ کا لعاب دہن تھا کیونکہ سیدہ نے مسواک منہ سے چبا کر پیش کی تھی۔ یہ شرف بھی آپ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ آپ کے حجرہ کو قیامت تک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ بننے کا شرف حاصل ہے جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہوں گے وہ جگہ عرش بریں سے بھی افضل ہوگی گویا سیدہ کا حجرہ عرش بریں سے بھی افضل ہے۔

یہ شرف بھی آپ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی شاگردی میں فخر

محسوس کرتے تھے۔ حضرت مسروق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ حضرت عائشہ سے میراث کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں منقول ہیں۔

یہ شرف بھی سیدہ رضی اللہ عنہا ہی کو حاصل ہے کہ جنس نسوانی پر آپ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ان کا سب سے بڑا احسان جنس نسوانی پر یہ ہے انھوں نے دنیا کو بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردے میں رہ کر بھی تعلیم و تدریس اور اصلاح وارشاد کا فریضہ نبھا سکتی ہے انھوں نے بتا دیا کہ عورت تیسرے درجے کی مخلوق نہیں بلکہ وہ مردوں سے بھی آگے بڑھ سکتی ہے۔

دنیا میں اور بھی باکمال اور مشہور عورتیں گزری ہیں کوئی حسن میں یکتا تھی، کوئی بہادر تھی، کوئی وفا کی مثال قائم کر گئی، کوئی عقل و دانش میں ممتاز تھی لیکن آپ ان سب عورتوں کے بیچ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کھڑا کر دیں تو وہ سب آپ رضی اللہ عنہا کے مقابلے میں کمزور اور چھوٹی دکھائی دیں گی۔ آپ کو ایسی عورت شاید ہی ملے جو ایک طرف اخلاق و اوصاف کا اعلیٰ نمونہ ہو، دوسری طرف حسن و جمال میں یکتا ہو، تیسری طرف مذہبی، سیاسی، تعلیمی اور معاشرتی ذمہ داریاں بھی پوری کر رہی ہو۔ اگر میری مائیں بہنیں اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنا آئیڈیل قرار دے لیں اور ان کی سیرت کو اپنا لیں تو معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے، حالات بدل سکتے ہیں، نئی نسل اسلام کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے، خاندانی نظام درست ہو سکتا ہے، سچائی عام ہو سکتی ہے، دیانت و شرافت کا چلن ہو سکتا ہے، عفت و حیا کی خوشبو پھیل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کی سچی غلامی کا شرف عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

محبتِ نبوی ﷺ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر صدر و معزز حاضرین کرام! السلام علیکم

ہزاروں لوگ ایسے گزرے ہیں جن کو ہم نے نہ دیکھا ہے، نہ ان سے ہماری قرابت داری رہی ہے، نہ ان سے ہمیں کوئی مالی فائدہ حاصل ہو رہا ہے مگر ہم ان سے صرف ان کے کمالات کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔

ہم حاتم طائی سے محبت کرتے ہیں اس کی جود و سخا کی وجہ سے، ہم نوشیرواں سے محبت رکھتے ہیں اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے، ہم رستم اور اسفندیار کا تذکرہ بڑے فخر سے کرتے ہیں ان کی شجاعت اور مردانگی کی وجہ سے، ہم سقراط اور افلاطون کا نام پیار سے لیتے ہیں ان کے علم و حکمت کی بنا پر، ہم فردوسی اور سعدی سے عقیدت رکھتے ہیں ان کی قوتِ گویائی کی بنا پر، ہم سحبان سے محبت کرتے ہیں اس کی خطابت اور طاقتِ لسانی پر، ہم لبید اور متنبی کا تذکرہ کرتے ہیں ان کی فصاحت و بلاغت کی بنا پر، ہم شیکسپیئر اور ہومر کی بات کرتے ہیں ان کے ادبی کمال کی بنا پر، ہم مصر کی قلوپطرہ کا نام لیتے ہیں اس کے حسن و جمال کی بنا پر، ہم مجنوں اور رانجھے کی مثال دیتے ہیں ان کے کمالِ عشق کی وجہ سے تو ہم اس ذاتِ اقدس ﷺ سے محبت کیوں نہ کریں جو تمام کمالات کا مجموعہ تھی۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں جو کمال پایا جاتا تھا وہ ناقص تھا اور میرے

پیغمبر کا ہر کمال کامل تھا۔

میں حاتم طائی کی سخاوت کو مانتا ہوں مگر حاتم کی سخاوت اس ذاتِ اقدس کی سخاوت کا مقابلہ کیسے کرسکتی ہے جس نے دوست کو بھی فائدہ پہنچایا دشمن کو بھی۔

جس نے ظاہر کو بھی مالا مال کیا باطن کو بھی مالا مال کیا، جس کی زبان پر بھی کلمۂ شہادت کے علاوہ کبھی لا آیا ہی نہیں، جس کی سخاوت کا سلسلہ اس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی جاری ہے، جو دنیا میں بھی نوازتا رہا آخرت میں بھی اپنی اُمت کو نوازے گا۔

میں نوشیرواں کے عدل و انصاف کو تسلیم کرتا ہوں مگر نوشیرواں کے عدل کو اس رسولِ ہاشمی ﷺ کے عدل سے کیا نسبت؟

جس نے عرب کے انتقامی اور ظالمانہ ماحول میں عدل کے میٹھے چشمے جاری کیے، جس نے اعلان کیا کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، جس نے بدلہ لینے کے لئے اپنی کمر اُمت کے عام آدمی کے سامنے ننگی کر دی، جس کے غلاموں نے قیصر و کسریٰ کے استبداد کا خاتمہ کر کے میزانِ عدل قائم کر دی۔

میں رستم و اسفندیار کی شجاعت تسلیم کرتا ہوں مگر اس عظیم بہادر کے کیا کہنے جس نے بغیر لشکر اور بغیر ہتھیاروں اور بغیر مال و دولت کے سالہا سال تک عرب کے وحشی درندوں کا تنہا مقابلہ کیا۔

میں سقراط اور افلاطون کے علم و حکمت سے انکار نہیں کرتا مگر اس باب العلم والحکمۃ کے کیا کہنے جس کے فیضانِ علم سے سقراط و افلاطون جیسے سینکڑوں اربابِ علم و حکمت پیدا ہو گئے۔

مجھے سحبان کی قوتِ خطابت سے انکار نہیں مگر اس عظیم خطیب کے کیا کہنے جس کی تاثیر خطابت سے پتھر بول پڑے اور سنگدل انسانوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ گئی۔

مجھے شیکسپیئر اور ہومر، متنبی اور لبید کی فصاحت و بلاغت سے انکار نہیں مگر اس فصیح اعظم

کے کیا کہنے جس کی فصاحت و بلاغت کا عرب و عجم میں سے کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔
قلوپطرہ کے حسن کی بات نہ کرو کیوں کہ خاک کو آسمان سے اور ذرّہ کو پربت سے کیا نسبت۔ ماہِ عرب کے حسن و جمال کا مقابلہ تو مصر کا وہ حسین بھی نہیں کرسکتا جس کے حسن نے چند بازاری عورتوں کے ہوش و حواس گم کردیئے تھے۔
تو اگر ان لوگوں سے ان کے کمالات کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے تو پھر اس عظیم انسان سے محبت کیوں نہ کی جائے جس میں یہ سارے کمالات علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں۔
گرامی قدر احباب!
آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس ذاتِ اقدس ﷺ میں ایسے اوصاف و کمالات جمع ہوں اس سے محبت کرنا چاہیے یا نہیں؟
دنیا والے
کسی کی ذہانت پر ناز کرتے ہیں......
کسی کی شجاعت پر ناز کرتے ہیں......
کسی کی جود و سخا پر ناز کرتے ہیں......
کسی کے عدل و انصاف پر ناز کرتے ہیں......
کسی کے ایثار اور خدمتِ خلق پر ناز کرتے ہیں......
تو میں اس پیغمبر پر ناز اور اس سے محبت کیوں نہ کروں جس کے اندر یہ ساری صفات اور کمالات علی وجہ الکمال پائے جاتے تھے اور جس نے لاکھوں، کروڑوں انسانوں کو یہ اخلاق و اوصاف سکھا دیئے۔
اس نے کسی کو صدیق بنا دیا، کسی کو عادل بنا دیا، کسی کو سخی بنا دیا، کسی کو شیر خدا بنا دیا۔
میں تو صاف کہتا ہوں جس کو محمد رسول اللہ ﷺ سے محبت نہیں اسے ان صفات و اخلاق

سے محبت نہیں۔

اسے صداقت و دیانت سے محبت نہیں......

اسے نجابت و شرافت سے محبت نہیں......

اسے ایثار اور شفقت و الفت سے محبت نہیں......

اسے جود و سخا اور ہمدردی و غمخواری سے محبت نہیں......

اسے شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی سے محبت نہیں......

اسے تواضع، سادگی اور عجز و انکساری سے محبت نہیں......

اسے وقار و متانت اور عفو و درگزر سے محبت نہیں......

اور جسے ان اخلاق سے محبت نہیں اسے انسانیت سے محبت نہیں اور جسے انسانیت سے محبت نہیں وہ انسان نہیں بلکہ انسان کے لباس میں ایک حیوان، ایک وحشی درندہ ہے ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کمالات اور اخلاق سے محبت رکھنے والا اور ان سے متصف ہونے کی خواہش رکھنے والا انسان اخلاق و صفات کے ایسے پیکر کو دیکھے اور سنے مگر اس سے محبت نہ کرے۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ایسے شخص کے سینے میں دِل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے اس کے سر میں دماغ نہیں بھس بھرا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ سے سچی محبت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

ایک سارقِ نبوت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز!

قرآن مجید کی جو آیت میں نے آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی اس کا تعلق اسلام کے ''عقیدۂ ختم نبوت'' سے ہے۔ عقیدہ ختم نبوت سے متعلق قرآن مجید کی کسی آیت کی تلاوت ہو یا احادیث نبوی کے ذخیرے سے کسی حدیث کا تذکرہ یا محض دو افراد کی گفتگو کے درمیان ختم نبوت کا ذکر آجائے تو تصورات کی دنیا میں فوراً خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کا تصور جاگ جاتا ہے کہ خاتم النبیین آپ ہی ہیں مگر بات یہیں تک موقوف نہیں رہتی بلکہ تصورات کی اسکرین پر ایک اور تصویر بھی فوری طور آجاتی ہے۔ آپ سوچیں گے کہ یہ تصویر کس کی ہے میں آپ کو سسپنس میں نہیں رکھوں گا بلکہ بتاتا چلتا ہوں کہ یہ تصویر ایک سارقِ نبوت کی ہے آپ کہیں گے کہ عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ چوروں کا کیا تعلق تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جی ہاں تعلق ہے اور بہت زیادہ ہے۔

میں محض جذبات کی رو میں بہہ کر یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ انتہائی سنجیدگی اور ذمہ

داری سے کہتا ہوں کیونکہ ایک طرف دنیا ہے جس کے بارے میں اللہ کہتا ہے کہ اس کی حیثیت میری نظر میں مچھر کے پر سے بھی کم ہے اور دوسری طرف اس نبی کا تاج ہے جو اللہ تعالیٰ کو عالمین کی ہر ہر شے سے زیادہ محبوب ہے۔ دنیا بھر کے ڈاکو اور چور جتنے بھی ڈاکے مارلیں وہ مچھر کے پر کے کچھ حصے ہی کو لوٹتے ہیں جبکہ میں جس چوری اور ڈاکے کا تذکرہ کررہا ہوں اس میں محمد عربی ﷺ کے ''تاج'' پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور معاملہ صرف اتنا ہی نہیں ہے بلکہ جس ''تاجِ نبوی'' پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے وہ مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ بھی ہے۔

اتنی سی بات تو آپ بھی تسلیم کرلیں گے کہ مسلمان کے لئے ہر حالت میں دین مقدم ہوتا ہے دنیا کی حیثیت ثانوی ہے آپ اب خود فیصلہ کریں ایک طرف عقیدہ لٹ رہا ہے دوسری طرف دنیا لٹ رہی ہے، ایک طرف دین لٹ رہا ہے دوسری طرف مال لٹ رہا ہے۔ اہمیت کس کو حاصل ہے دین اور عقیدے کو یا دنیا اور مال کو؟ اس وجہ سے میرا دعویٰ ہے کہ دنیا بھر میں پڑنے والے تمام ڈاکے ایک طرف اور یہ ایک ڈاکہ دوسری طرف غلبہ اِسی کو حاصل ہے۔

یوں تو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس قسم کے ڈاکے اور بھی پڑے ہیں مگر اب ان کی حیثیت تاریخی داستانوں سے زیادہ نہیں کیونکہ ڈاکوؤں کی وہ وارداتیں ان ڈاکوؤں کے ساتھ چلی گئی ہیں مگر قادیان کے مرزا کا معاملہ ان سے مختلف ہے کیونکہ مرزا نے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر براہِ راست ہاتھ صاف کیا ہے اور اپنے معتقدین کو یہ مشن سونپ گیا ہے کہ محمد کی ختم نبوت سے تو میں الجھا اور محمد کے پروانوں کو تم گھیر کر ان سے ان کے ایمان کے اہم جز ''عقیدۂ ختم نبوت'' کو چھین لو۔ یعنی مرزا نے ڈاکوؤں کا ایک گینگ بنا چھوڑا ہے جو مسلمان کے عقیدۂ ختم نبوت پر ڈاکے ڈال کر اس نعمت سے محروم کررہے ہیں۔

میرے دوستو! انتہائی افسوس کا مقام ہے مرزائی تو مسلمانوں کے خلاف اس قدر تیاریاں کر رہے ہیں کہ سن 92-1991ء کے لئے صرف صوبہ سندھ کو مرزائی تنظیم ''جماعتِ احمدیہ'' نے ستر لاکھ روپے چندہ جمع کرنے کا ہدف دیا جبکہ بقیہ تین صوبوں اور بیرونِ ممالک سے ہونے والے چندے اور مغربی ممالک کی امداد الگ ہے۔ اس طرح سے مرزائی مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے بلا مبالغہ اربوں روپے سالانہ اکٹھا کرتے ہیں۔ آج جب ہم کسی مسلمان سے مرزائیت کی بات کرتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ چھوڑو یار! مرزائیت کا مسئلہ تو حل ہو چکا ہے کوئی اور بات کرو! آپ بتائیں مرزائیت کا مسئلہ کیسے حل ہوا مرزائیت کا مسئلہ تو تب حل سمجھا جائے گا جب دھرتی پر ایک بھی مرزائی زندہ نہ رہے۔

میرے دوستو! بات صرف اتنی بھی نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان مرزائیوں کو مالی امداد فراہم کر رہے ہیں۔ شیزان کا نام آپ کے لئے نیا نہ ہوگا، شیزان مرزائیوں کے کھانے پینے کی مصنوعات کا ویسا ہی ادارہ ہے جیسا مسلمانوں کا بین الاقوامی شہرت یافتہ ادارہ ''احمد'' ہے۔ مسلمانوں کی دوکانوں پر شیزان کی مصنوعات عام بک رہی ہیں اور مسلمان اسے عام خرید رہے ہیں حالانکہ جب شیزان کی کوئی چیز مارکیٹ میں فروخت ہو جاتی ہے تو اس کی قیمت میں سے دس فیصد سے لے کر پچیس فیصد تک مرزائیوں کے اس فنڈ میں چلا جاتا ہے جو مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے، یوں مسلمان کی جیب سے مرزائیوں کو ان کی مہم کے لئے مالی امداد مل رہی ہے۔ اس کے علاوہ مرزائیوں نے روسی زبان میں تحریف شدہ قرآن مجید چھاپا ہے، اس کے تمام مالی اخراجات شیزان نے برداشت کئے ہیں جو اسے اپنی مصنوعات مسلمانوں کو فروخت کرنے سے حاصل ہوئے ہیں۔

آپ خود فیصلہ کریں کہ اس تحریف شدہ قرآن مجید کی چھپائی میں مسلمانوں کے حصے

سے کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے۔

علما نے مرزا کے دعوائے نبوت کو قرآن وحدیث سے جھوٹا ثابت کیا ہے لیکن میں اس وقت صرف ایک پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ خود قادیانیوں کے مطابق مرزا صاحب ایسے بے شمار امراض میں مبتلا تھے جو کسی بھی فرد کو لاحق ہوجائیں تو اس کے حواس اور عقل ٹھیک طرح کام نہیں کرسکتی جبکہ مرزائیوں کی مستند کتابوں میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب کو بدہضمی تھی، ان کو دِل کا تشنج تھا، انہیں اعضاء کا تشنج تھا، ان کے جسمانی قویٰ مضمحل تھے، انہیں سل کا مرض تھا، انہیں مراق لاحق تھا، انہیں ہسٹریا کے دورے پڑتے تھے، ان پر دماغی بے ہوشی طاری ہوتی تھی، ان پر غشی طاری ہوجاتی تھی، وہ دن میں سوسو بار پیشاب کرتے تھے، کثرتِ اسہال میں مبتلا تھے، ان کے دِل ودماغ سخت کمزور تھے، وہ مسلوب القویٰ تھے، وہ ذیابیطس کے مریض تھے، انہیں ریگن آتی تھی، ان کی حالتِ مردمی کالعدم تھی۔

یہ چند بیماریاں آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہیں اوراپنی طرف سے بھی نہیں بلکہ خود مرزا اوراس کے بیٹے وغیرہ کی کتب سے لی گئی ہیں۔ ذرا انصاف سے بتایئے کہ کیا پیغمبر ایسا ہوتا ہے؟

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اگر وہ ان عیوب سے پاک ہوتا تو اس کا یہ دعویٰ درست تسلیم کرلیا جاتا۔ بقول سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ''تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا غلام میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے، اس کے نقوش میں توازن نہ تھا، قدو قامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کریکٹر کی موت تھی، سچ کبھی نہ بولتا تھا، معاملات کا درست نہ تھا، بات کا پکا نہ تھا، بزدل اور ٹوڈی تھا، تقریر اور تحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے'' ......لیکن میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی

کمزوری بھی نہ ہوتی وہ مجسمۂ حسن و جمال ہوتا، چھاتی 15 انچ کی ہوتی، کمر ایسی کہ سی، آئی، ڈی کو بھی پتہ نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا مردِ میداں بھی ہوتا، کریکٹر کا آفتاب اور خاندان کا ماہتاب ہوتا، شاعر ہوتا فردوسیٔ وقت ہوتا، ابوالفضل اس کا پانی بھرتا خیام اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپیئر اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے مان لیتے؟

میں تو کہتا ہوں کہ اگر علی رضی اللہ عنہ دعویٰ کرتے کہ جسے حق نے تلوار دی اور نبی نے بیٹی دی، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی دعویٰ کرتے تو بخاری انہیں نبی مان لیتا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ میاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تختِ نبوت پر سج سکے اور تاجِ امامت اور رسالت جس کے سر پر ناز کرے۔

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ

جامعیتِ قرآن

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

مہمانانِ گرامی! دنیا میں مختلف قسم کی کتابیں پائی جاتی ہیں لیکن یہ کتابیں کسی ایک علم یا فن پر لکھی جاتی ہیں۔ کوئی کتاب مذہب کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں معاشیات کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، کوئی کتاب معاشیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں نفسیات کا تذکرہ نہیں ہوتا، کوئی کتاب نفسیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں اخلاقیات کی طرف اشارہ تک نہیں ہوتا، کوئی کتاب اخلاقیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں علم فلکیات نہیں ہوتا، کوئی کتاب فلکیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں علم ارضیات نہیں ہوتا، کوئی کتاب ارضیات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں علم کیمیا نہیں ہوتا، کوئی کتاب کیمیا کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں سیاست کا ذکر نہیں ہوتا، کوئی کتاب سیاست کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں عبادات کا ذکر نہیں ہوتا، کوئی کتاب عبادات کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں تاریخ کا بیان نہیں ہوتا، کوئی کتاب تاریخ کے بارے میں ہوتی ہے لیکن اس میں انسان کے مبدا اور معاد سے بحث نہیں ہوتی۔ پھر ان کتابوں میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ شک وشبہ سے پاک نہیں ہوتا بارہا ایسا ہوا کہ ایک محقق نے ایک مصنف نے، ایک مورّخ نے بڑے دھڑلے سے دنیا کے سامنے ایک نظریہ

پیش کیا لیکن کچھ ہی عرصہ گزرنے کے بعد دوسرے اہلِ علم نے اس نظریہ کو غلط ثابت کر دیا۔
لیکن آیئے! میں آپ کا تعارف ایک ایسی کتاب سے کراؤں جس کا ہر لفظ محفوظ ہے جس کی ہر بات پکی، جس کا پیش کردہ ہر نظریہ شک وشبہ سے بالاتر ہے، جس کی ہر پیشنگوئی یقینی ہے، جس کی بات کو کوئی مائی کا لال جھوٹا ثابت نہیں کر سکا، جس کا مشرق ومغرب کو چیلنج ہے کہ آؤ! میری کسی خبر کو کسی پیشنگوئی کو جھوٹا ثابت کر کے دکھاؤ لیکن کسی عربی اور عجمی کو، کسی افریقی اور ایشیائی کو، کسی امریکی اور روسی کو اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی پھر یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر مفید علم کی اصل اور بنیاد پائی جاتی ہے۔
اس کتاب میں تاریخ بھی ہے قصص بھی ہیں، علم وعظ وخطابت بھی ہے، علم میراث بھی ہے علمِ مواقیت بھی ہے، علمِ معانی بھی ہے، علمِ بیان اور علمِ بدیع بھی ہے، نحو وصرف بھی ہے قراۃ اور تجوید بھی ہے، علمِ اُصول اور کلام بھی ہے۔
تلاش کرنے والوں نے اس کتاب میں سائنس اور طب، کیمیا اور نجوم کے اصول تلاش کئے ہیں، تحقیق کرنے والوں نے اس کتاب سے فلکیات وارضیات کے علوم اخذ کیے ہیں، غور وفکر کرنے والوں نے اس کتاب سے علم ہیئت، ہندسہ اور جبر ومقابلہ اور مناظرہ کے قواعد حاصل کیے ہیں۔
حقیقت میں قرآن نے ہر ایسے علم وفن کی نشاندہی کی ہے جس پر انسانی زندگی کا انحصار ہو سکتا ہے اور اس کتاب میں تمام آسمانی کتابوں کے علوم ومعارف جمع کر دیئے گئے ہیں۔ دامادِ رسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں جن میں کائنات کے تمام علوم ومعارف بیان کر دیئے پھر ان تمام علوم کو تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں جمع کر دیا پھر تورات زبور اور انجیل کے علوم ومعارف کو قرآنِ کریم میں جمع فرما دیا۔
اس لئے یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم دنیا کی جامع ترین کتاب

ہے۔ کسی آسمانی اور غیر آسمانی کتاب میں اتنی صحت کے ساتھ، اتنی قطعیت کے ساتھ، اتنے یقین کے ساتھ، اتنے علوم و معارف بیان نہیں کیے گئے جتنے قرآنِ کریم میں بیان کیے گئے ہیں۔ انسانوں کا مرتب کردہ کوئی بڑے سے بڑا انسائیکلو پیڈیا بھی جامعیت اور قطعیت میں قرآن کا مقابلہ نہیں کرسکتا بلکہ کوئی بھی انسان تصنیف قرآن کا مقابلہ نہیں کرسکتا بلکہ کسی بھی انسانی تصنیف کو قرآن کے مقابلہ میں لایا ہی نہیں جاسکتا اس لئے کہ قرآن آفاقی ہے، یہ کتابیں زمان و مکان میں مقید اور محدود ہیں، قرآن کائناتی ہے یہ کتابیں ارضیاتی ہیں، قرآن ابدی اور سرمدی ہے یہ عارضی اور فانی ہیں، قرآن کلی ہے یہ جزئی ہیں، قرآن حتمی ہے یہ قابل تغیر ہیں، قرآن قطعی ہے یہ مشکوک ہیں، قرآن رب الناس کی تالیف ہے یہ عوام الناس کی تصنیف ہیں، قرآن اس علام الغیوب کا کلام ہے جس کی نظر ماضی حال اور مستقبل پر یکساں ہے اس لئے قرآن میں ہر زمانے کے لئے ہدایات ہیں، ہر زمانے کے علوم وفنون کی بنیادیں ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس سے قرآن نے بحث نہ کی ہو خواہ وہ مذہبی اور روحانی پہلو ہو یا مادی اور جسمانی پہلو ہو، خواہ وہ عائلی اور خاندانی پہلو ہو، خواہ سماجی اور معاشرتی پہلو ہو، خواہ وہ سیاسی اور معاشی پہلو ہو یا تعلیمی اور ثقافتی پہلو ہو خواہ وہ حکومت و سلطنت کا پہلو ہو یا جنگ اور امن کا پہلو ہو ہر پہلو سے قرآن بحث کرتا ہے۔

علما کہتے ہیں کہ قرآن میں ایک ہزار آیتیں امر کی ہیں ایک ہزار آیتیں نہی کی ہیں، ایک ہزار آیتیں وعدہ کی ہیں ایک ہزار آیتیں وعید کی ہیں، ایک ہزار آیتیں امثال کی ہیں ایک ہزار آیتیں قصص کی ہیں، دوسو پچاس آیتیں تحلیل کی ہیں، دوسو پچاس آیتیں تحریم کی ہیں، ایک سو آیتیں تسبیح کی ہیں اور چھیاسٹھ آیتیں متفرق مضامین کی ہیں۔

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''قانون التاویل'' میں لکھا ہے کہ قرآن کے کلمات کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس ہے اور ہر کلمہ کسی نہ کسی مستقل علم اور فن کی بنیاد ہے

گو یا وہ علوم جو قرآن سے حاصل ہوتے ہیں ان کی تعداد ستتر ہزار چار سو پچاس ہے بلکہ قاضی صاحب کہتے ہیں کہ قرآنی علوم کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم ﷺ کی حدیث بیان کی ہے آپ نے فرمایا: ''قرآن کے ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے پھر ہر ظاہر اور ہر باطن کے لئے ایک حدِ آغاز ہے اور حدِ اختتام ہے۔'' تو گویا قرآن کے ہر حرف کے چار پہلو ہیں تو جب ہم ستتر ہزار چار سو پچاس کو چار سے ضرب دیں گے تو قرآن علوم کی تعداد کم از کم تین لاکھ نو ہزار آٹھ سو ہو جائے گی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس کائنات میں کوئی خشک اور تر چیز ایسی نہیں جس کا بیان اس کتابِ مقدس میں موجود نہ ہو یہ الگ بات ہے کہ ہماری آنکھوں پر جہالت کا پردہ ہونے کی وجہ سے ہمیں یہ علوم دکھائی نہ دیں لیکن جو لوگ گناہوں کو یکسر چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے سینوں کو معرفت کے نور سے چمکا لیتے ہیں، جن لوگوں کو نورِ بصیرت حاصل ہو جاتا ہے انہیں ایک ایک لفظ میں معانی کا دریا موجزن دکھائی دیتا ہے۔

میرے دوستو! ہمارے لئے یہ انتہائی شرم کی بات ہے کہ ہمارے پاس ایسی جامع ترین کتاب موجود ہے لیکن ہم اپنی معاشی، سیاسی، سماجی اور معاشرتی اصلاح کے لئے غیروں کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ وہ لوگ کتنے احمق ہیں جو اپنی پیاس بجھانے کے لئے صاف، شفاف چشمے کو چھوڑ کر گندے تالاب کی طرف لپکیں اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے حلال اور پاک کھانے کو چھوڑ کر مردار کی طرف دوڑیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس عظیم ترین اور جامع ترین کتاب کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مولویت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر صدر صاحب و معزز حاضرین! السلام علیکم

یہ دنیا تضادات کا مجموعہ ہے۔ یہاں بلندی ہے تو پستی بھی ہے، سیاہ ہے تو سفید بھی ہے، گرمی ہے تو سردی بھی ہے، بہار ہے تو خزاں بھی ہے، پھول ہیں تو کانٹے بھی ہیں، دن ہے تو رات بھی ہے، سنگ ہے تو موم بھی ہے، صدق ہے تو کذب بھی ہے، مومن ہیں تو کافر بھی ہیں، صالح ہیں تو فاسق بھی ہیں، جاہل ہیں تو عالم بھی ہیں، داعی الی الخیر ہیں تو داعی الی الشر بھی ہیں۔

ان اضداد کی حکمت اور فلسفہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک ضد کی پہچان اور قدر و قیمت اسی وقت ہوتی ہے جب اس کی دوسری ضد موجود ہو جیسے عربی کا محاورہ ہے کہ ''تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِها'' اشیاء کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے۔

اگر دنیا میں غریبی کا وجود نہ ہوتا تو امارت کی قدر نہ ہوتی، اگر بھوک کا نام و نشان نہ ہوتا تو شکم سیری کی قدر کون کرتا؟ اگر خزاں نہ ہوتی تو پھولوں کی توقیر کیسے ہوتی؟ اگر بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قیمت کون جانتا؟ اگر موت نہ ہوتی تو زندگی کی حفاظت کون کرتا؟ اگر جہالت نہ ہوتی تو حصولِ علم کے لئے انسان مشقت کیوں اٹھاتا؟

پس جب زمین کی پشت جاہلوں سے خالی نہیں تو ضروری ہے کہ علما بھی موجود ہوں۔ جب دنیا میں ضلالت و گمراہی کی طرف بلانے والے موجود ہیں تو ضروری ہے کہ حق و

صداقت کی دعوت دینے والے بھی ہوں۔

جب وسوسے ڈالنے والے اور شکوک وشبہات پیدا کرنے والے بہت ہیں تو ضروری ہے کہ شکوک وشبہات کے کانٹے نکال کر دلوں میں ایمان ویقین پیدا کرنے والے بھی ہوں۔

جب فرعون اور قارون کے وارثوں سے دنیا خالی نہیں تو ضروری ہے کہ انبیاعلیہم السلام کے وارثوں سے بھی بزمِ جہاں خالی نہ ہو بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ دنیا میں کسی چیز کا وجود اتنا ضروری نہیں جتنا کہ علماءِ حق کا وجود ہونا ضروری ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لئے بھی علما کا وجود ضروری ہے اور دنیا کی بقا کے لئے بھی علما کا وجود ضروری ہے۔

آپ ایک لمحے کے لئے سوچیں کہ اگر علماءِ حق نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دین کسی کا محتاج نہیں لیکن یہ عالمِ اسباب ہے یہاں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہے، ہر معلول کی علت ہے، ہر اثر کا کوئی مؤثر ہے۔ تو اس عالمِ اسباب کے پیشِ نظر کہا جاسکتا ہے کہ:

اگر علماء نہ ہوتے تو نبی کے ورثاء اور خلفاء نہ ہوتے......

اگر علماء نہ ہوتے تو اولیاء اور اتقیاء نہ ہوتے......

اگر علماء نہ ہوتے تو قرآن وسنت کے تراجم وتفاسیر نہ ہوتیں......

اگر علماء نہ ہوتے تو عوام عقائد وعبادات اور حلال وحرام کے مسائل سے غافل رہتے......

اگر علماء نہ ہوتے تو ملحدوں اور بدعتیوں کو دین میں تحریف سے روکنے والا کوئی نہ ہوتا......

اگر علماء نہ ہوتے تو خودسر، شاہوں کو شریعت میں ہیر پھیر سے روکنے والا کوئی نہ ہوتا......

اگر علماء نہ ہوتے تو اکبر جیسے سرپھروں کو دینِ اکبری کے ایجاد کرنے سے کون روکتا؟

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کوئی فتنہ رونما ہوا، جب کبھی اسلام میں تحریف کرنے کی کوشش کی گئی، علماءِ حق نے اس کی سرکوبی کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی۔

وہ بھوکے پیاسے تو رہے، انہوں نے طعنے اور گالیاں سنیں، انہیں جیل کی کال کوٹھریوں میں بھی جانا پڑا، انہوں نے اپنی پیٹھ پر کوڑوں کی ضربات بھی سہہ لیں، وہ مرحلۂ دار و رسن سے بھی گزرے، انہوں نے اپنے اعضاء اور گردن کو کٹوانا بھی منظور کر لیا لیکن انہوں نے کسی ملحد اور بے دین کو کسی جابر اور ظالم حکمران کو شریعت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حکم کی بھی تحریف کی اجازت نہ دی۔

معزز سامعین!

اسی متحدہ ہندوستان میں جب انگریزوں نے عیسائی مشنریوں کا جال بچھا دیا اور اسلامی عقائد کو بگاڑنے اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کی تو ان کا مقابلہ کرنے والے بھی یہی علماء کرام ہی تھے۔ اگر یقین نہیں آتا تو جائیے......

مالٹا کے در و دیوار سے پوچھئے شیخ محمود الحسن کون تھا؟

کراچی اور انڈیا کی جیلوں سے پوچھئے سید حسین احمد مدنی کون تھا؟

جزیرہ انڈیمان اور کالے پانی سے پوچھئے جعفر تھانیسری کون تھے؟

بالاکوٹ کے سنگریزوں سے پوچھئے سید احمد شہید اور اسماعیل شہید کون تھے؟

میانوالی اور سکھر کی جیلوں سے پوچھئے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کون تھا؟

ان درختوں اور پھانسی گھروں سے پوچھئے جہاں حق بولنے والے پاکیزہ انسانوں کی نعشیں لٹکتی رہیں کہ وہ عظیم انسان کون تھے؟ جنہوں نے دین کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

خوشا آبلہ پا کاروانِ اہل جنون
لٹا گیا جو بہاروں پہ اپنی سرخی خون

کیا یہ ڈوب مرنے کی بات نہیں ہے کہ جن علماء حق کے صدقے ہمیں دین ملا، جن کی

قربانیوں کے صدقے ہمیں کتاب اللہ ملی، جن کی جانفشانیوں سے ہمیں سنتِ رسول اللہ ﷺ ملی، جن کی جہد وسعی سے مسجدیں آباد ہیں، جن کی کوششوں اور کاوشوں سے مدارس سے قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں آرہی ہیں۔

آج! انہیں علماءِ حق کو مطعون کیا جائے؟

ان پر سب وشتم کیا جائے؟

ان کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا جائے؟

ان علماء کا یہ احسان عظیم کیا کم ہے کہ وہ آج کے گئے گزرے دور میں بھی جب کہ دین کا کوئی قدر شناس نہیں اور اہل علم کی قدر ومنزلت نہیں وہ پھر بھی دین کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں اور مدارس کو آباد کئے ہوئے ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ بعض علماءِ سوء بھی ہیں جو علم کے نام پر دھبہ ہیں جن کا کام سوائے ضمیر فروشی کے کچھ نہیں......

جو کتمانِ حق بلکہ تحریفِ حق سے بھی باز نہیں آتے......

جن کی زندگی ہر حکمران کی کاسہ لیسی میں گزر جاتی ہے......

جو چند ٹکوں کے عوض نقد ایمان کا سودا کر لیتے ہیں......

جو کہتے کچھ اور ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں......

افسوس صد افسوس! کہ آج کل بعض ایسے ہی نام نہاد مولویوں کی غلط حرکتوں کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ:

مولویت ایک پیشے کا نام ہے،

مولویت لوگوں کے ٹکڑوں پر پلنے کا نام ہے،

مولویت تیجے، دسویں اور چالیسویں کھانے کا نام ہے،

مولویت ساتے اور جمعراتے کا نام ہے،
مولویت قبروں کی مجاوری اور نذرانوں کے کاروبار کا نام ہے،
مولویت مالداروں کی چاکری کا نام ہے،
مگر! میں علماء حق کے تاریخی کردار کی بناء پر ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ:
مولویت نبی کی وراثت کا نام ہے،
مولویت صحابہ کی خلافت کا نام ہے،
مولویت پیام نبوت کا نام ہے،
مولویت خدا کے دین کی خلافت کا نام ہے،
مولویت صداقت وحقانیت کا نام ہے،
مولویت ناموسِ رسالت اور ناموسِ صحابہ کی حفاظت کا نام ہے،
مولویت سعید بن جبیر کی عزیمت کا نام ہے،
مولویت ابوحنیفہ کی فقاہت کا نام ہے،
مولویت امام مالک کی حق گوئی کا نام ہے،
مولویت احمد بن حنبل کی استقامت کا نام ہے،
مولویت امام ابن تیمیہ کی جرأت کا نام ہے،
مولویت مجدد الف ثانی کی جہدِ مسلسل کا نام ہے،
مولویت شاہ ولی اللہ کی بصیرت کا نام ہے،
مولویت سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید کی شہادت کا نام ہے،
مولویت قاسم نانوتوی کے علم وحکمت کا نام ہے،
مولویت شیخ الہند کی غیرت کا نام ہے،

مولویت مولانا محمد الیاس کی دعوت وتبلیغ کا نام ہے،
مولویت عبید اللہ سندھی کی تڑپ کا نام ہے،
مولویت حسین احمد مدنی کی عظمت اور شوقِ شہادت کا نام ہے،
ہمارا روحانی رشتہ انہی بزرگوں سے ہے۔
ہم جب تک ان بزرگوں کا نام لیتے رہیں گے باطل کو للکارتے رہیں گے اور جب حق بات کہنے کی توفیق نہ رہی تو ان بزرگوں کا نام لینا بھی چھوڑ دیں گے تا کہ یہ بزرگ بدنام نہ ہوں۔
اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات کہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اِنقلاب اور جہاد

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

ہے یہی میری نماز، ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
میرا نشیمن نہیں درگہ میر و وزیر
میرا نشیمن بھی تو، شاخِ نشیمن بھی تو
تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو

میرے ہم سفر، ہم مکتب، ہم پیالہ و ہم نوالہ ساتھیو! میں انقلاب اور جہاد کے عنوان سے اپنے ناقص خیالات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مجاہد اور انقلابی بنائے اور ہماری زندگی کے ہر مد و جزر کا مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ بن جائے اور ہمارے ہر نوجوان ساتھی کی زندگی اس شعر کی عملی ترجمان بن جائے:

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی   میں اسی لئے مجاہد، میں اسی لئے نمازی

میرے جیالے اور ذہین ساتھیو! آج کی دنیا کا ہر انسان مضطرب ہے، ہر شخص پریشان ہے، ہر سوسائٹی بے قرار ہے، ہر بستی ناامیدی کا شکار ہے، ہر ملک کسی نئے نظام کے لئے سراپا انتظار ہے۔

انسان نے انسانوں کے بنائے ہوئے ہر نظام کو آزما کر دیکھ لیا اس نے سوشلزم کو آزمایا، اس نے مغربی جمہوریت کو آزمایا، اس نے نیشنل ازم اور سیکولرازم کو آزمایا، اس نے ڈارون ازم اور کمیونزم کو آزمایا لیکن ان میں سے کوئی نظام بھی اس کے مسائل کا صحیح حل پیش نہیں کر سکا، کوئی نظام بھی اس کی پریشانیوں کا ازالہ نہیں کر سکا بلکہ کسی نظام نے اس سے ضمیر کی حریت چھین لی، کسی نظام نے اسے معاشی مساوات سے محروم کر دیا، کسی نظام نے اسے ریچھوں اور بندروں کی نسل سے ملا دیا، کسی نظام نے اسے روحانیت سے بیگانہ کر دیا۔ ان تمام نظاموں نے انسان کو مایوس کیا ہے، اسے ناامید کیا ہے، اس کی زندگی میں کانٹے بکھیرنے ہیں اسے دکھ دیئے ہیں، اس لئے آج کا انسان کسی ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو اس کی بے قرار روح کو سکون دے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو اس کی معاشی ضروریات کی کفالت کرے۔ وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو ظالم کا ہاتھ پکڑے اور مظلوم کو انصاف دے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو عدل کو پانی اور ہوا کی طرح عام کر دے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو رنگ و نسل کے امتیازات کا خاتمہ کر ڈالے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو انسانی اخوت کے جذبوں کو بیدار کر دے، وہ ایسے نظام کی تلاش میں ہے جو اللہ سے بندے کے ٹوٹے ہوئے رشتے کو دوبارہ جوڑ دے اور یاد رکھیے کہ وہ نظام جس میں یہ ساری خوبیاں پائی جاتی ہوں، جو ان تمام صفات کا جامع ہو وہ صرف اور صرف اسلامی نظام ہے۔

سننے والے سن لیں اور جاننے والے جان لیں کہ آج کا انسان اسلامی نظام کے

انتظار میں ہے وہ اگر زبان سے نہ بھی کہے تو بھی حقیقت یہی ہے کہ وہ اسلام کے عادلانہ نظام کے انتظار میں ہے کیونکہ اس کی توقعات اور آرزوئیں صرف اسلامی نظام کے نفاذ ہی سے پوری ہوسکتی ہیں۔

اس مقام پر آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اسلامی نظام کیسے نافذ ہوگا؟ تو یاد رکھیے کہ اس کے لئے انقلاب کی ضرورت ہے اور انقلاب جہاد کے بغیر نہیں آسکتا۔ میں سیاست کی ضرورت سے انکار نہیں کرتا، میں وعظ وتقریر کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا، میں دعاؤں اور اذکار کی عظمت سے انکار نہیں کرتا، میں نمازوں اور اصلاح و ارشاد کی فضیلت سے انکار نہیں کرتا، میں درس و تدریس کے ثمرات سے انکار نہیں کرتا، میں مدرسوں اور خانقاہوں کے فوائد سے انکار نہیں کرتا مگر میرے دوستو! جب میں اس عظیم انقلاب کا مطالعہ کرتا ہوں جو پندرہ صدیاں پہلے محمد ﷺ کے ہاتھوں برپا ہوا تو مجھے بدرو احد کے معرکے دکھائی دیتے ہیں، خندق وحنین کی جنگیں نظر آتی ہیں، تلواروں کی سنسناہٹ اور تیروں کی سرسراہٹ سنائی دیتی ہے، ابلتا ہوا خون اور کٹی ہوئی گردنیں سامنے آتی ہیں اور چیخ چیخ کر بتاتی ہیں کہ پندرہویں صدی کے مسلمانو! اگر صرف وعظ و نصیحت سے انقلاب برپا ہوسکتا تو حضور اکرم ﷺ کے وعظ تمہارے وعظوں سے کہیں زیادہ مؤثر تھے، اگر صرف دعاؤں سے کفر کو شکست دی جاسکتی تو مدنی آقا ﷺ کی دعائیں تمہاری دعاؤں سے کہیں زیادہ اثر رکھتی تھیں۔ اسلامی انقلاب کے لئے تو جہاد کی ضرورت ہے اسی لئے تیرہ سال کی مدنی زندگی میں حضور اکرم ﷺ ستائیس مرتبہ خود میدانِ جنگ میں نکلے اور سینتالیس سریے آپ ﷺ نے بھیجے۔ گویا ہر دو ماہ میں ایک بار یا تو آپ ﷺ خود کفار سے جنگ کے لئے نکلتے تھے یا کوئی نہ کوئی سریہ بھیجتے تھے۔

نرم گدیلوں پر لیٹ کر اسلامی انقلاب کے خواب دیکھنے والے اور فائیو اسٹار ہوٹلوں

میں بیٹھ کر اسلامی انقلاب کی تدبیریں سوچنے والے ذہن نشین کر لیں کہ اسلامی انقلاب کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے جہاد، ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں جہاد کرنا ہوگا، ہمیں سامراجی طاقتوں کے خلاف چومکھی لڑائی لڑنی ہوگی، ہمیں انہیں ہر محاذ پر شکست دینا ہوگی۔

ہمیں جہالت کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں غربت کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں قادیانیت کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں سوشلزم کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں مغرب کے نظامِ سرمایہ داری کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں جھوٹی اور منافقت پر مبنی سیاست کے خلاف جہاد کرنا ہوگا، ہمیں ظالم حکمرانوں کے خلاف جہاد کرنا ہوگا۔

آیئے! ہم آج اپنے رب کے حضور یہ عہد کر لیں کہ ہم اپنی صلاحیتوں سے، اپنے مال سے، اپنے قلم سے، اپنے علم سے، اپنے خون سے، اپنی تلوار سے، اپنی بندوق سے، کفر کے خلاف، سامراجیت کے خلاف، ظلم کے خلاف، امریکہ کے خلاف، روس کے خلاف، برطانیہ کے خلاف اس وقت تک جہاد کرتے رہیں گے جب تک ہمارے ملک پاکستان میں اور پوری دنیا میں اسلامی انقلاب برپا نہیں ہوجاتا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

فریضۂ جہاد اور ہم

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دِل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

مہمانانِ گرامی قدر! جہاد اسلام کا ایک اہم رکن ہے جس کی تاکید قرآنِ کریم میں بار بار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ توبہ میں فرماتے ہیں:

''اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلو تو تم زمین کی طرف دھنسے جاتے ہو۔ کیا تم شہادت کی موت کے بدلے زندہ رہنے کو پسند کرتے ہو پس (تم جان لو کہ) دنیاوی زندگی کے مزے جنت کی راحتوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیاوی زندگی میں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم کو آباد کر دے گا اور پھر تم اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس طرح کی بہت ساری آیات ہیں جن میں جہاد اور قتال کی تعلیم دی گئی ہے اور مجاہد کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ مجاہد کی فضیلت وعظمت کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ ربِ

کریم نے مجاہدین کے گھوڑوں کی قسمیں کھائی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اخلاص کے ساتھ درس وتدریس بھی بہت بڑا عمل ہے، دعوت وتبلیغ بھی بہت بڑا عمل ہے، وعظ و پند اور تسبیح وتہلیل بھی بہت بڑا عمل ہے، سخاوت اور دریا دلی بھی بہت بڑا عمل ہے، طواف وسعی اور قیام وقعود بھی بہت بڑا عمل ہے لیکن سورۂ عادیات پڑھیے اور دیکھئے کہ قرآن کس کی قسمیں کھا رہا ہے؟ کسی مدرس کی نکتہ آفرینی کی؟ کسی مبلغ کی دعوت وتبلیغ کی؟ کسی واعظ کے وعظ و پند کی؟ کسی سخی کے انفاق وایثار کی؟ کسی حاجی کے طواف و سعی کی؟ کسی نمازی کے قیام وقعود کی؟ کسی زاہد کی تسبیح وتہلیل کی؟ کسی شیخ کے عبا وقبا کی؟ کسی قاضی کے جبہ ودستار کی؟ کسی ادیب کی زبان وبیان کی؟ کسی شاعر کے قدرتِ کلام کی؟ کسی خطیب کی شعلہ بیانی کی؟ نہیں نہیں قرآن نے ان میں سے کسی چیز کی قسم نہیں کھائی بلکہ قرآن نے قسم کھائی تو مجاہدین کے ان گھوڑوں کی قسم کھائی جو ٹاپیں مارتے ہیں، جو چنگاریاں اڑاتے ہیں، جو صبح کے وقت حملہ آور ہوتے ہیں، جو گرد وغبار اڑاتے ہیں، جو لشکر میں گھس کر حملہ آور ہوتے ہیں۔

مجاہد کا جو مقام ہے، مجاہد کی جو شان ہے، مجاہد کا جو مرتبہ ہے وہ تو اپنی جگہ، رب تعالیٰ اپنی مقدس کتاب میں مجاہد کے گھوڑے کی قسمیں اٹھاتے ہیں اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مجاہد کے اعمال نامہ میں اس کے گھوڑے کے بول وبراز کا بھی وزن کیا جائے گا۔ مجھے کوئی ایسا عمل دکھایئے جس میں بول وبراز بھی تولا جاتا ہو۔

میرے محترم دوستو! جہاد اتنا بڑا عمل ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کیلئے مجاہدین کی صف میں ایک گھنٹہ ٹھہرنا ساٹھ سالہ عبادت سے افضل ہے۔''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی رضا کے لئے جہاد کا صرف ایک سفر پچاس حج کرنے سے افضل ہے۔''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک ساعت کا قیام حجرِ اسود کے پاس شبِ قدر کی رات بھر کی عبادت سے افضل ہے۔''

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جہاد میں جن قدموں پر غبار پڑے گا انہیں جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی۔''

مجاہد اگر زندہ واپس آجائے تو غازی کہلاتا ہے اور قتل ہو جائے تو شہید کہلاتا ہے اور شہادت ایک ایسا مقام ہے جس کی تمنا حضورِ اکرم ﷺ نے بھی کی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔''

شہید وہ عظیم انسان ہے جس کے بارے میں ربِ کریم فرماتے ہیں کہ اسے مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہے لیکن تم اس کی زندگی کا شعور نہیں رکھتے۔

شہادت ایک ایسا بلند مرتبہ ہے جسے بار بار حاصل کرنے کی آرزو شہید کرے گا لیکن اس کی یہ آرزو پوری نہیں ہو سکے گی، وہ جنت میں جو چاہے گا اسے مل جائے گا۔ وہ اشارہ کرے گا تو ہر قسم کے میوہ جات اس کی جھولی میں آگریں گے، وہ چاہے گا تو دودھ اور شہد سے لبالب جام اسے پیش کر دیئے جائینگے، وہ حکم دیگا تو اس کے سامنے حوریں صف باندھے کھڑی ہونگی۔

لیکن اسے آرزو کے باوجود شہادت کی سعادت دوبارہ حاصل نہیں ہو سکے گی کیونکہ جنت میں اور تو سب کچھ ہوگا لیکن وہاں شہادت کی نعمت نہیں ہوگی۔ یہ تو ایک ایسی نعمت ہے جو صرف دنیا ہی میں حاصل ہو سکتی ہے۔

میرے ہم سفر دوستو! جہاد اور شہادت کے انہی فضائل کی وجہ سے حضورِ اکرم ﷺ کا

ہر صحابی مجاہد تھا اور ہر کسی کے دِل میں شہادت کی آرزو تھی لیکن آج جب ہم اپنے دلوں کو ٹٹولتے ہیں تو ہمیں اپنے دلوں میں ساری دنیا کی آرزوؤں کا جمگھٹا دکھائی دیتا ہے لیکن شہادت کی سچی آرزو اور جہاد کے جذبہ صادق سے ہمارے دِل خالی ہو چکے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ہم کفر کو ملیامیٹ ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں، ہم امریکہ کی تباہی دیکھنا چاہتے ہیں، ہم سوشلسٹوں کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں، ہم مشرق و مغرب میں اسلام کا غلبہ دیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب ہم سے قربانی اور ایثار کا مطالبہ کیا جاتا ہے، جب ہمیں میدانِ جہاد میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے، جب ہمارے سامنے کفر سے ٹکرانے کی بات کی جاتی ہے تو ہمارے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے، ہمارے ارادوں پر مُردنی چھا جاتی ہے۔

ارے اللہ کے بندو! مؤمن تو بہادر ہوتا ہے، مؤمن تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، مؤمن تو شہادت کا سچا طلبگار ہوتا ہے، مؤمن تو حساس ہوتا ہے وہ دنیا کے کسی گوشے میں ہونے والے ظلم پر تڑپ اٹھتا ہے، اس کے لئے نیند حرام ہو جاتی ہے، اس کے لئے آرام کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اسے کھانا پینا زہر محسوس ہوتا ہے مگر ہم کیسے مؤمن ہیں کہ ہمارے سامنے دین کا مذاق اڑایا جاتا ہے، حضور ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں، قرآن جلایا جاتا ہے، مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہائی جاتی ہیں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزتیں لوٹی جاتی ہیں، بچوں کو یتیم کیا جاتا ہے، نوجوانوں کو معذور کیا جاتا ہے مگر ہماری ایمانی غیرت بیدار نہیں ہوتی، ہمارے اندر جذبۂ جہاد پیدا نہیں ہوتا۔

یاد رکھیے! کامل مسلمان بننے کے لئے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت اتنا ہی ضروری ہے جتنا جانداروں کے لئے پانی، جسم کے لئے روح، کندن کے لئے دمک، ہیرے کے لئے ڈلک اور چاند کے لئے چمک ضروری ہے۔ جس میں چمک نہ ہو وہ چاند کیا ہے، جس میں ڈلک نہ ہو وہ ہیرا کیا ہے، جس میں دمک نہ ہو وہ کندن کیا ہے، جس میں روح نہ ہو وہ جسم کیا

ہے، جس شخص میں جذبۂ جہاد نہ ہو وہ مسلمان کیا ہے۔

ہم مسلک ساتھیو! ہمیں دو باتوں میں سے صرف ایک کو اختیار کرنا ہو گا یا تو محبتِ اسلام کے لمبے چوڑے دعوؤں سے دستبردار ہونا پڑے گا یا پھر اسلام کیلئے وقت، مال اور جان کی قربانی دینی ہو گی۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار می باد کرد
یا سر برضائے دوست می باید کاد
یا قطع نظر زیاری باید کرد

جو شخص بہت بڑا خطیب اور واعظ ہے، مثالی ذاکر و شاغل ہے، کامیاب مدرس اور استاد ہے، دردِ دل رکھنے والا مبلغ اور مصلح ہے لیکن اس کے دِل میں سامراجی نظام سے ٹکر لینے کا حوصلہ نہیں، کفر کے ساتھ پنجہ آزمائی کرنے کی جرأت نہیں، شہادت کی آرزو نہیں تو اسے اپنے ایمان کا از سرِ نو جائزہ لینا چاہیے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مؤمن ہو مگر اللہ تعالیٰ کی بجائے کافروں سے ڈرتا ہو؟ مؤمن ہو مگر جذبۂ جہاد سے محروم ہو؟ مؤمن ہو مگر شوقِ شہادت سے خالی ہو؟

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے سینوں میں وہ ایمان پیدا فرمائے جو ایمان انسان کو بہادر بنا دیتا ہے، جو ایمان تھوڑوں کو بہتوں سے اور کمزوروں کو طاقت والوں سے ٹکر لینے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، جو ایمان خالد بن ولید اور طارق بن زیاد کو عطا ہوا، جو ایمان صلاح الدین ایوبی اور محمد بن قاسم کو عطا ہوا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

غزوۂ بدر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

صدرگرامی قدروحاضرین کرام! السلام علیکم

آج میں آپ کو اسلام کے اس اوّلین معرکہ کا حال سنانا چاہتا ہوں جو سن 2 ہجری 17 رمضان المبارک کو میدانِ بدر میں پیش آیا۔ جس میں ایک جانب اہلِ حق کی صف تھی دوسری جانب اہلِ باطل کی صف تھی، ایک جانب نور تھا دوسری جانب ظلمت تھی، ایک جانب پاکیزگی اور طہارت تھی دوسری جانب نجاست اور کدورت تھی، ایک جانب صداقت تھی دوسری جانب طاقت تھی، ایک جانب تحمل تھا دوسری جانب حماقت تھی، ایک جانب انسانیت کے معمار تھے دوسری جانب انسانیت کے تخریب کار تھے، ایک جانب تقدیر پر اعتماد کرنے والے تھے دوسری جانب تدبیر پر یقین رکھنے والے تھے، ایک جانب مسلمان تھے دوسری جانب کفار تھے، ایک جانب اگر مسلمان باپ تھا تو دوسری جانب کافر بیٹا تھا۔

ایسا نظارہ کبھی آسماں نے دیکھا نہ تھا، ایک طرف وہ مشرکین تھے جن کے سر اللہ تعالیٰ کے سامنے تو نہیں جھکتے تھے مگر بتوں کے سامنے خم ہو جاتے تھے، وہ مشرکین تھے جو سر سے پاؤں تک ناز و نخوت سے بھرپور تھے، وہ مشرکین تھے جو جبینوں پر شکن ڈالے خوف آفریں چہرے لئے ہوئے تھے، وہ مشرکین تھے جو یتیموں اور بیواؤں کی دولت چھیننے والے تھے، وہ مشرکین تھے جن کے گھٹنے ہمیشہ مظلوم کی چھاتی کو دبانے کے لئے ہی جھکتے

تھے، وہ مشرکین تھے جو انسانیت کے لبادے میں بھڑیئے تھے، وہ مشرکین تھے جو برائی میں شیطان سے بڑھے ہوئے تھے، وہ مشرکین تھے جو غرور اور تمکنت کی شان دکھاتے ہوئے آئے تھے، وہ مشرکین تھے جو رسول اللہ ﷺ کے پرانے دشمن تھے۔

دوسری طرف وہ مؤمنین تھے جن کے دِل ایمان کے نور سے منور تھے، وہ مؤمنین تھے جن کے پاس شان وشوکت تو نہ تھی مگر ہمت مردانہ تھی، وہ مؤمنین تھے جن کا مسلک فقیرانہ تھا جن کی وضع درویشانہ تھی، وہ مؤمنین تھے جن کی جبینوں پر سجدوں کے نشان تھے، وہ مؤمنین تھے جو چٹانوں سے زیادہ مضبوط حوصلہ اور پہاڑوں سے زیادہ بلند عزائم رکھتے تھے، وہ مؤمنین تھے جن کے پاس صرف دو گھوڑے، چھ زرہیں، آٹھ شمشیریں تھیں، وہ مؤمنین تھے جو دنیا بھر کی تقدیر پلٹنے آئے تھے۔

ایسے میں مشرکین کو تلواروں پر بھروسہ تھا ایمان والوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تھا، مشرکین کا قائد غرور وتکبر کے ساتھ اکڑتا پھرتا تھا لیکن مسلمانوں کا قائد سجدے میں پڑا ہوا تھا اور رو رو کر دعائیں کر رہا تھا کہ اے اللہ! اگر آج یہ تیرے نام لیوا مٹ گئے تو دنیا میں تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا۔ اے اللہ! یہ بہت تھوڑے ہیں ان کے دلوں میں استقامت دے ان کے ارادوں کو پختہ کر دے، اے اللہ! یہ تیرے نام کی خاطر میدان میں آئے ہیں تو انہیں وہ سب کچھ دے جس میں تیری رضا ہو، اے اللہ! تیرے بندے تیری راہ میں سر بکف ہو کر حاضر ہوئے ہیں اے اللہ! ان کی زبانوں پر تیری آیات ہیں، اے اللہ! تو اپنا فتح ونصرت کا وعدہ پورا کر دکھا جو تو نے اپنے نبی سے معراج کی شب کیا تھا۔

ان دعاؤں کی ہی تاثیر تھی وہ جو تین سو تیرہ کی تعداد میں تھے جو نہتے تھے، جو جسمانی اعتبار سے کمزور تھے، جو معاشی اعتبار سے کمزور تھے اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر سے ٹکرا گئے جو ہر طرح سے مسلح تھا جس میں بڑے بڑے سورما تھے نامور پہلوان تھے جن کو اپنی

فتح پر اتنا یقین تھا کہ جشن کا سامان لے کر آئے تھے۔

تاریخ گواہ ہے کہ فتح کسے ہوئی؟ فتح نہتوں کو ہوئی، فتح مؤمنین کو ہوئی، فتح انہیں ہوئی جنہیں اللہ تعالیٰ پر یقین تھا، فتح انہیں ہوئی جنہوں نے طاغوت کی غلامی قبول نہ کی، فتح انہیں ہوئی جن کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔

اور آج بھی وہی اللہ ہے جس نے بدر کے میدان میں فرشتے اتارے تھے، آج بھی وہی اللہ ہے جس نے غیر مسلح لشکر کو مسلح لشکر پر فتح دی، آج بھی وہی اللہ ہے جس نے قلیل کو کثیر پر فتح دی، آج بھی وہی اللہ ہے جس نے روحانیت کو مادیت پر غلبہ دیا اور آج بھی کفار اور مشرکین مسلمانوں کا قلع قمع کرنے پر تلے ہوئے ہیں، سازشیں پھیلائی جارہی ہیں، کشمیر، فلسطین، ہندوستان، سری لنکا کی زمین ان پر تنگ کردی گئی ہے۔

میرے دوستو! احساسِ کمتری پر لعنت بھیجئے، بزدلی سے توبہ کیجئے، ایمان اور یقین کے نور سے سینوں کو روشن کیجئے، کفر سے ٹکرانے کا حوصلہ پیدا کیجئے، جو کچھ آپ کے پاس ہے اسے لے کر میدان میں آجایئے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اٹھا دیجئے، رو رو کر مانگیے بار بار مانگیے پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہوتی ہے، پھر دیکھئے کفر پر لرزہ کیسے طاری ہوتا ہے، پھر دیکھئے مادیت پر روحانیت کیسے غالب آتی ہے، پھر دیکھئے کثرت کو قلت کیسے شکست دیتی ہے، پھر دیکھئے تائیدِ الٰہی کیا ہوتی ہے، پھر دیکھئے سکینہ کیا ہوتا ہے، پھر دیکھئے فرشتے کیسے صف آرا ہوتے ہیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اِیمانی زِندگی

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

محترم سامعین! میری آج کی تقریر کا موضوع ہے: ''زِندگی''

زندگی بھی عجیب چیز ہے اس سے ہر کوئی محبت کرتا ہے، ہر شخص زندگی کا تحفظ چاہتا ہے، ہر کوئی زندہ رہنا چاہتا ہے، انسان آخری دم تک موت سے لڑتا ہے اور زندگی کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، دنیا کے سارے نظارے زندگی ہی کی بدولت ہیں، کسی کے خیال میں زندگی ایک خواب ہے اور موت اس کی تعبیر ہے، کسی کی سوچ یہ ہے کہ زندگی برف کی ایک سِل ہے جسے زمانے کی تپش مسلسل پگھلا رہی ہے، کسی نے زندگی کو ہوا کے رُخ پر رکھا ہوا چراغ قرار دیا ہے، کسی نے زندگی کو موت کا پہلا زینہ سمجھا ہے، کسی نے زندگی کو آخرت کا پل بتایا ہے، کسی نے زندگی کو پھول کہا، کسی نے کانٹا کہا، کسی نے بچے کی معصوم مسکراہٹ کو زندگی بتایا، کسی نے جہدِ مسلسل کو زندگی کا نام دیا، میں اگر زندگی کے بارے میں عقلاء، علماء، مفکرین اور فلاسفہ کے اقوال بتانا شروع کروں تو بات بہت طویل ہو جائے گی، آیئے! میں آپ کو زندگی کے پانچ ادوار اور پانچ قسموں کے بارے میں آگاہ کروں تاکہ ہم سب یہ

جان سکیں کہ ہمیں کونسی زندگی گزارنی چاہیے۔

محترم حاضرین! زندگی تو ایک ہے لیکن مختلف حالات کے اعتبار سے ہم زندگی کو پانچ ادوار یا پانچ قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

زندگی کا پہلا دور حیوانی زندگی ہے، اس دور میں اصل مقصد محض زندگی کو گزارنا ہوتا ہے یعنی کھانا، پینا، گرمی، سردی کا احساس، ہم جنسوں سے محبت، کھیل کود وغیرہ۔ جب بچہ بالکل چھوٹا ہوتا ہے تو اس کے لئے سب سے زیادہ اہمیت کھانے پینے کی ہوتی ہے وہ گرمی، سردی کا احساس کرتا ہے۔ اس سے محبت کی جائے تو وہ بھی محبت کرتا ہے، وہ اپنے انداز میں کھیل کود میں مصروف رہتا ہے، اسے ہم حیوانی زندگی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہیں وہ یہی زندگی گزارتے ہیں۔

زندگی کا دوسرا دور عقل وشعور کی زندگی ہے، گویا پہلے زندگی طبیعت کے تابع تھی، اب وہ عقل وشعور کے تابع ہو جائے گی، عقل فیصلہ کرے گی کیا کھانا ہے کیسے کھانا ہے؟ کیا پہننا ہے کیسے پہننا ہے؟ زندگی کا سفر کیسے طے کرنا ہے؟ آرام کا وقت کون سا مناسب ہوگا؟ کام کاج کب کیا جائے گا؟ کون سی چیز نقصان دہ ہے اور کونسی نفع بخش ہے؟ دوستی کی حدود کیا ہوں گی اور دشمنی کی حدود کیا ہوں گی؟ یہ سارے فیصلے عقل کرے گی۔

مگر یاد رکھیے کہ ہر بات میں عقل پر بھروسہ کرنا نقصان دہ ہوسکتا ہے، ایسے مسائل بھی ہیں جہاں عقل کو خود اپنی عقل نہیں ہوتی، خاص طور پر ایمانیت میں ضرورت سے زیادہ عقل کی دخل اندازی کفر تک پہنچا سکتی ہے۔ عقل کے ترازو میں ایمانیت کو تولنا ایسے ہی ہے جیسے تولے اور ماشے کے ترازو میں کئی ٹن وزنی چیزوں کو تولنا۔

زندگی کا تیسرا دور ایمانی زندگی ہے یعنی پوری زندگی پر عقل اور طبیعت کی نہیں بلکہ ایمان کی حکومت ہو۔ اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، اوڑھنا، پہننا سب کچھ ایمان کے

تقاضوں کے مطابق ہو۔لڑائی ہوتو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ،محبت ہوتو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ،تجارت ہوتو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ،عبادت ہوتو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ،سیاست ہوتو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ، ہرعمل میں ، ہر شعبہ میں ، ہر مقام میں ایمان کے تقاضوں کو غالب رکھے ،نفس کے تقاضوں کو ٹھکرا دے۔ اگر عقل ایمان سے ٹکرائے تو عقل کو بھی بے عقل کہہ کر ٹھوکر مار دے ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ایک ایک حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے ، ایمانی زندگی کا مطلب ہے بندگی اور بندے کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا وہ آقا کے احکام کا تابع ہوتا ہے۔

یہ بھی یاد رکھیں کہ ایمانی زندگی کھانے پینے ،تجارت اور ملازمت سے منع نہیں کرتی بلکہ وہ تو صرف اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جو کچھ کرنا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق کرو، گویا ایمانی زندگی ، اعمال اور جذبات کو ختم نہیں کرتی صرف ان کا رخ موڑ دیتی ہے۔

زندگی کا چوتھا دور ہے عرفانِ زندگی ۔علماء کہتے ہیں علم کا معنی ہے جان لینا ، ایمان کا معنی ہے مان لینا اور عرفان کا معنی ہے پہچان لینا۔ جسے معرفت نصیب ہو جاتی ہے وہ صرف قانون کی پابندی نہیں کرتا بلکہ قانون ساز کے منشاء کی بھی پابندی کرتا ہے۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے ساری زندگی سبز رنگ کا جوتا نہیں پہنا کوئی تحفے میں بھی دیتا تو قبول نہیں کرتے تھے کسی نے کہا حضرت ،شریعت نے تو سبز رنگ کا جوتا پہننے سے منع نہیں کیا، پھر آپ کیوں نہیں پہنتے؟ فرمایا: ”ٹھیک ہے شریعت نے منع نہیں کیا لیکن چونکہ نبی اکرم ﷺ کے روضہ کا رنگ بھی سبز ہے اس لئے اس رنگ کا جوتا پہنتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے۔“

امام مالک رحمہ اللہ نے مدینہ منورہ میں ساری زندگی جوتا نہیں پہنا کہ کہیں ایسی جگہ جوتا نہ لگ جائے جہاں حضورِ اکرم ﷺ کے قدم مبارک لگے ہوں۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ مکہ میں کالے رنگ کا جوتا نہیں پہنتے تھے کیونکہ غلافِ کعبہ کا رنگ بھی کالا ہے۔

زندگی کا پانچواں دور ہے وحدانی زندگی، یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں ایسا فنا کرنا کہ ''من تو شدم تو من شدی'' والا معاملہ ہو جائے، راحت ملے تو بھی خوش، تکلیف آئے تو بھی خوش، اولاد حاصل ہو تو بھی راضی ہو، اولاد ہلاک ہو جائے تو بھی راضی، مال ملے تو بھی راضی، مال چھن جائے تو بھی راضی۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ ہے پانچ قسم کی زندگی اور ہم سے جس زندگی کا مطالبہ ہے وہ ہے ایمانی زندگی لیکن ہم میں سے اکثر ایمانی زندگی نہیں بلکہ شیطانی زندگی گزار رہے ہیں، ہم شیطان کے اشاروں پر ناچتے ہیں، ہم اس کے کہنے پر لڑتے ہیں، اسی کے کہنے پر تعلقات توڑتے اور جوڑتے ہیں، وہی کرتے ہیں جو وہ چاہتا ہے، وہی کھاتے اور پیتے ہیں جس کا وہ مشورہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں وہ دن دکھائے جب ہم شیطانی زندگی چھوڑ کر ایمانی زندگی گزارنے والے بن جائیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

(اس تقریر کا اکثر حصہ ''خطباتِ حکیم اسلام'' سے ماخوذ ہے)

بے مثال قائد

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

حضرات! دنیا کی مختلف قوموں میں بے شمار قائدین گزرے ہیں اور اب بھی ہیں لیکن ایسا قائد جس کی سیرت بے داغ ہو، ایسا قائد جس کی نجی اور عوامی زندگی میں کوئی فرق نہ ہو، ایسا قائد جو کچھ دوسروں سے کہتا ہو سب سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھاتا ہو، ایسا قائد جو میدانِ جنگ کا شاہ سوار بھی ہو اور زاہد شب زندہ دار بھی ہو، ایسا قائد جو کئی کئی دن بھوکا رہ کر گزار دیتا ہو، ایسا قائد جس نے زندگی بھر کسی کا حق نہیں کھایا ہو، ایسا قائد جو بیک وقت مصلّے کا امام بھی ہو اور منبر کا خطیب بھی ہو، قاضی القضاۃ بھی ہو، یتیموں کا مربی بھی ہو، یونیورسٹی کا معلم بھی ہو، مریدوں کا پیر بھی ہو، کئی بیویوں کا شوہر بھی ہو اور بچوں کا باپ بھی ہو اور سب کے حقوق برابر ادا کرتا ہو اور کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیتا ہو، ایسا قائد جو گالیوں کے جواب میں دعائیں دے، جو راستے میں کانٹے بکھیرنے والوں پر پھول برسائے اور پتھر مارنے والوں کو گلدستے پیش کرے، ایسا قائد جو چٹائی پر سوتا ہو اور گھر کے کام کاج خود کرتا ہو، ایسا قائد جو اپنے ساتھیوں کی معمولی تکلیف پر تڑپ اُٹھتا ہو، ایسا قائد جو ہر اجتماعی کام میں کارکنوں کے ساتھ برابر کا شریک ہوتا ہو اگر کارکن تعمیر کیلئے گارا اُٹھائے تو وہ پتھر اُٹھائے، اگر کارکن آٹا گوندھیں تو وہ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لائے، آپ کو میں دعوت دیتا ہوں کہ تاریخی کتابوں کا مطالعہ کر لیجئے، ملکوں اور شہروں میں پھر جایئے، لیڈروں

اور رہنماؤں کا انتخاب کر لیجئے اور پھر مجھے بتایئے کہ موجودہ اور گذشتہ قوموں اور جماعتوں میں آپ کو کوئی ایسا قائد اور رہنما دکھائی دیتا ہے جس میں یہ ساری صفات پائی جاتی ہوں؟ میں پورے اعتماد کے ساتھ، پورے یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ آپ کو پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا قائد نہیں ملے گا جس میں یہ ساری صفات پائی جاتی ہوں۔ کوئی عابد وزاہد تو ہوگا مجاہد نہیں ہوگا، کوئی مجاہد ہوگا مگر اس کی سیرت میں زہد وتقویٰ کا پہلو کمزور ہوگا، کوئی مربی اور معلم تو ہوگا لیکن جہانبان نہیں ہوگا، کوئی جہانبانی کا فن جانتا ہوگا لیکن تعلیم وتربیت سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ آپ کو ایسے ایسے قائد ملیں گے جن کی نجی اور عوامی زندگی میں بڑا فرق ہوگا ان پر منافقت کا غلبہ ہوگا، وہ کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہوں گے، آپ کو ایسے قائد ملیں گے جو خود عیاشیاں کرتے ہوں گے لیکن ان کے پیروکار بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہوں گے، مگر میں آپ کو انسانی تاریخ میں ایک ایسے قائد کا نام بتا سکتا ہوں جس میں وہ ساری صفات پائی جاتی ہیں جن کا میں نے شروع میں تذکرہ کیا ہے۔ آپ مشہور قائدین کے نام لیتے جایئے اور انگلی رکھ کر ان کا شمار کرتے جایئے۔ اگر آپ کے اندر تعصب اور عناد نہ ہوا تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ آپ کی انگلی ایک مقدس نام پر آ کر رک جائے گی اور وہ نام محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کا نہیں ہوگا۔ اس نام کی بے مثال اور بے داغ قیادت پر مسلم اور غیر مسلم سب کا اتفاق ہے۔

کچھ عرصہ پہلے ایک عیسائی اخبار نویس نے دنیا بھر کے صحافیوں اور قلم کاروں کو دعوت دی تھی کہ اپنی اپنی پسندیدہ شخصیت پر مضمون لکھ کر بھیجیں جو شخصیت ساری انسانی برادری کے لئے واجب الاحترام ہو اور جس کے کمالات اور اخلاق کا سب اعتراف کرتے ہوں جب اسے سب مضامین وصول ہو گئے تو وہ ان کے مطالعہ کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ”میں نے لقمان کی دانائی پڑھی، میں نے ارسطو کی منطق اور فلسفہ پڑھا، میں نے بوعلی

سینا کی حذاقت وطبابت پڑھی، میں نے رستم وسہراب کا جائزہ لیا، میں نے لینین اور کارل مارکس کے فارمولے پڑھے، میں نے مشرق ومغرب کی ساری لیڈر شپ اور عرب وعجم کے تمام لیڈروں کا جائزہ لیا لیکن مجھے ایسا قائد جس کی شخصیت کا ہر پہلو بے داغ اور محبوب ہو جس سے اپنے اور پرائے محبت کرنے پر مجبور ہو جائیں ان میں سے سوائے محمد عربی ﷺ کے کوئی نظر نہیں آتا اس لئے کہ دوسرے کسی میں اگر کوئی خوبی نظر آتی ہے تو وہ وقتی ہے علاقائی ہے یا اس کی اپنی قوم سے تعلق رکھتی ہے اور محدود ہے۔''

یہ صرف ایک عیسائی اخبار نویس کی رائے نہیں ہے بلکہ دنیا بھر کے تمام غیر متعصب اور حقیقت پسند انسانوں کا متفقہ فیصلہ یہی ہے۔

میرے دوستو! جب آپ بھی مانتے ہیں اور ساری دنیا کے بڑے بڑے غیر جانبدار مفکر بھی مانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک بے مثال قائد ہیں تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ہم حضور ﷺ کی قیادت کو چھوڑ کر ایروں، غیروں کے پیچھے پڑ کر اپنا وقت اور صلاحیتیں ضائع کر رہے ہیں؟ کیا ہمارے لئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ ہم اپنے دور کے بعض مکار اور جھوٹے لیڈرون پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں؟ لیکن دنیا اور آخرت کے سب سے بہترین اور بے مثال قائد کی غلامی میں ہمیں حیا آتی ہے۔ میرے ساتھیو! آج دنیا قیادت کی محرومی کا شکار ہے کوئی اچھا اور صاحبِ کردار قائد نہیں ملتا لیکن اگر ہم محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت کو دِل وجان سے تسلیم کرلیں اور زندگی کے ہر شعبہ میں آپ کی غلامی اختیار کرلیں تو قیادت کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور ہماری دنیا اور آخرت بھی سنور جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہمارے لیڈروں کو قائد بے مثال اور قائد اعظم محمد رسول اللہ ﷺ کی قیادت تسلیم کرنے کی سعادت بخشے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

توحیداورشرک

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ ﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

صدرگرامی قدراورمعززحاضرین!السلام علیکم

میری آج کی تقریر کاموضوع ہے''توحیداورشرک'' قرآن اورحدیث میں سب سے زیادہ جس مضمون کو بیان کیا گیا ہے، سب سے زیادہ جس عقیدے پر زور دیا گیا ہے وہ عقیدہ توحید ہے۔اس عقیدے میں اگرخرابی ہوتونہ کوئی عمل کام آتا ہے نہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا کوئی ثواب ملتا ہےاوراخروی زندگی تباہ ہوکررہ جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جوتوحید کامضمون بار باراتنی زیادہ مرتبہ بیان کیا ہےتو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کواپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہےاوروہ نہیں چاہتا کہ اس کا ایک بھی بندہ دوزخ میں جائے کیونکہ عقیدہ توحید کے بغیرکسی کی مغفرت ہوہی نہیں سکتی،توحید کی اسی اہمیت کی بنیاد پر ہرنبی کی پہلی دعوت اورپکارتوحید سے متعلق ہوتی تھی۔

توحید کی ضد شرک ہے،دونوں میں بعدالمشرقین ہےایک آگ ہےتودوسراپانی،ایک زمین ہےتو دوسرا آسمان،ایک ظلمت ہےتودوسرانور،ایک پھول ہےتودوسراکانٹا، بلکہ صحیح

بات تو یہ ہے کہ آگ اور پانی، پھول اور کانٹا، زمین اور آسمان جمع ہو سکتے ہیں ان کا آپس میں ملاپ ہوسکتا ہے لیکن توحیداور شرک کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

یہ دو ایسی ضدیں ہیں جن کا کبھی بھی ملاپ نہیں ہوسکتا۔ جہاں توحید ہوگی وہاں شرک نہیں ہوگا اور جہاں شرک ہوگا وہاں توحید نہیں ہوگی، آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والا خیال دِل سے نکال دیجئے کہ آپ شرک بھی کریں، غیر اللہ کے سامنے دامن بھی پھیلائیں، قبروں پر سجدے بھی کریں، پیروں، فقیروں سے بھی مانگیں لیکن اس سب کچھ کے باوجود آپ کی توحید میں کوئی خلل نہ آئے۔ الطاف حسین حالی مرحوم نے خوب کہا ہے:

کرے گر غیر کی پوجا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے
نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے

جو آدمی توحید سے روگردانی کر کے شرک میں مبتلا ہوا، وہ کتنا ہی صدقہ خیرات کرنے

والا کیوں نہ ہو، وہ کتنا ہی محب اور عاشق کیوں نہ ہو، وہ کتنا ہی مجاہد اور حاجی کیوں نہ ہو، اس کے ماتھے پر سجدوں کا نشان کیوں نہ ہو، اس کے ہاتھ میں ہزار دانوں والی تسبیح کیوں نہ ہو، لیکن اگر وہ شرک کے مرض میں مبتلا ہے تو اس کی بخشش نہیں ہوسکتی۔ وہ رحیم وکریم آقا اگر چاہے گا تو چوروں، ڈاکوؤں، شرابیوں، زانیوں اور فاسقوں، فاجروں کو معاف کر دے گا لیکن شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔

گرامی قدر احباب!

شرک سے بے حد اجتناب کی ضرورت ہے، شرک کے شائبے سے بھی بچنا چاہیے کیونکہ شرک انسان کے عقائد، اعمال واخلاق ہر چیز پر اثر ڈالتا ہے، ایک مشرک اور موحد انسان کے تصورات، جذبات، خیالات اور سیرت وکردار میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ موحد خالق کو پوجتا ہے مشرک مخلوق کو پوجتا ہے، موحد کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے مشرک کی نگاہ اسباب پر ہوتی ہے، موحد صرف ایک دَر پر سر جھکاتا ہے مشرک دَردَر پر جبینِ نیاز کا تقدس لٹاتا ہے، موحد کا سینہ ایمان کے نور سے منور ہوتا ہے مشرک کا سینہ شرک کی ظلمت سے تاریک ہوتا ہے، موحد خالق کائنات سے ڈرتا ہے مشرک کائنات سے ڈرتا ہے، موحد معزز اور باکردار ہوتا ہے، مشرک ذلیل وخوار ہوتا ہے، موحد نمک حلال ہوتا ہے مشرک نمک حرام ہوتا ہے، موحد یکجائی ہوتا ہے مشرک ہرجائی ہوتا ہے، موحد اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے مشرک رب کا مغضوب ہوتا ہے، موحد ابراہیم علیہ السلام ہوتا ہے مشرک نمرود ہوتا ہے، موحد موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ہوتے ہیں مشرک فرعون اور قارون ہوتا ہے، موحد رسول اللہ ﷺ ہوتے ہیں مشرک ابوجہل ہوتا ہے، موحد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں مشرک امیہ بن خلف ہوتا ہے، موحد عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں مشرک عتبہ اور شیبہ ہوتا ہے، موحد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہوتے ہیں مشرک ولید بن مغیرہ ہوتا ہے، موحد بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہوتا ہے مشرک ابولہب ہوتا ہے۔

محترم سامعین کرام!

موحد کی شان یہ ہوتی ہے کہ اگر ساری دنیا، نجاست، سود، شراب اور زنا کے حلال ہونے پر متحد ہو جائے تو ایک موحد پھر بھی ان چیزوں کو حلال نہیں سمجھے گا، کیونکہ اس کے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور موحد کا مقصد تو صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہوتا ہے چنانچہ دنیا ناراض ہو جائے، رشتے ٹوٹ جائیں، اربابِ اقتدار مخالف ہو جائیں، دوست دشمن بن جائیں، رؤسا اور جاگیردار مرنے مارنے پر تل جائیں مگر وہ کسی کی پرواہ نہیں کرے گا بلکہ اس کی نظر میں صرف اللہ تعالیٰ کا حکم مقدم ہوگا، کیونکہ توحید یہی سبق سکھاتی ہے۔ مولانا محمد علی جوہرؔ نے صحیح کہا ہے:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

نماز کیوں؟

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

برادرانِ گرامی قدر! میں آج کی اس محفل میں صرف ایک سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں اور وہی سوال میری آج کی گفتگو کا موضوع بھی ہے وہ سوال یہ ہے کہ ہم نماز کیوں پڑھتے ہیں؟ میرے پاس اس سوال کے کئی جوابات ہیں میں وقت کی قلت کے پیش نظر انتہائی اختصار کے ساتھ جواباً عرض کرتا ہوں کہ ہم نماز اس لئے پڑھتے ہیں کیونکہ نماز ایک اہم ترین عبادت ہے اور ہماری تخلیق کا مقصد ہی عبادت ہے۔

ہم نماز اس لئے پڑھتے ہیں کیونکہ نماز کا حکم اس عظیم ذات نے دیا ہے جو ہمارا سب سے بڑا محسن ہے اور محسن کا شکریہ ادا کرنا انسانی فطرت ہے۔ ہم نماز اس لئے پڑھتے ہیں کیونکہ روحانی زندگی کے لئے نماز کی پابندی ضروری ہے جیسے مادّی اور جسمانی زندگی میں کوئی شخص اکل وشرب کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح دِل اور روح کی زندگی نماز سے وابستہ ہے جو لوگ نماز نہیں پڑھتے ان کے دِل پتھر اور ان کی روحیں مردہ ہو چکی ہیں مجھے تو حیرت ہے کہ ان پر ماتم کیوں نہیں کیا جاتا، ان کا سوگ کیوں نہیں منایا جاتا۔ ہم نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ ہم بڑی سرکار کے غلام ہیں اور دنیا کا کوئی غلام اپنے چھوٹے سے چھوٹے آقا کی نافرمانی کرنے کی جرأت نہیں کرتا تو ہم اپنے اتنے بڑے آقا کی نافرمانی کیسے کریں اور آقا بھی ایسا کہ اس جیسا

کوئی دوسرا آقا نہیں، جس کے احسانات اور نعمتوں میں ہمارا بال بال جکڑا ہوا ہے اور جس آقا نے سات سو مرتبہ ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، تعجب کی بات ہے کہ معمولی تھانیدار کی بات کو ٹالنے کی ہم جرأت نہیں کر سکتے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ وزیر کے حکم سے ہم سرتابی نہیں کر سکتے لیکن کائنات کا خالق، عالمین کا پروردگار، موت وحیات کا مالک منعم حقیقی ہمیں سات سو سے زائد مرتبہ نماز کا حکم دیتا ہے مگر ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، ہمارے لئے شرم کی بات یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے اپنے انداز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے پہاڑوں کا قعود عبادت ہے، درختوں کا قیام عبادت ہے، سورج کا طلوع وغروب عبادت ہے، چوپائیوں کا رکوع عبادت ہے، کیڑوں مکوڑوں کا سجود عبادت ہے، پرندوں کے صبح گاہی نغمے عبادت ہیں، ہواؤں کی لہریں اور سمندر کا تلاطم عبادت ہے بادلوں کا گرجنا اور برسنا عبادت ہے غرض یہ کہ کائنات کی ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ﴾

جب ہر مخلوق عبادت کرتی ہے تو اے اشرف المخلوقات! تم عبادت کیوں نہیں کرتے جبکہ تمہاری عبادت ایسی جامع ہے کہ اس میں پہاڑوں کا قعود بھی ہے، درختوں کا قیام بھی ہے، چوپائیوں کا رکوع ہے اور حشرات کا سجود بھی ہے، بلکہ نماز میں دین کے سارے ارکان جمع ہو گئے ہیں اس میں روزہ بھی ہے کیونکہ ہم نماز میں کچھ کھا پی نہیں سکتے، اس میں زکوٰۃ کی جھلک بھی ہے کیونکہ نماز کے لئے لباس وغیرہ پر مال خرچ ہوتا ہے، اس میں حج کی خوشبو بھی ہے کیونکہ ربِ کعبہ سے مناجات ہوتی ہے، اس میں جہاد مع النفس بھی ہے جسے حضور ﷺ نے جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔

ہم نماز اس لئے پڑھتے ہیں کیونکہ ہم نے کلمہ طیبہ پڑھ رکھا ہے اور کلمہ طیبہ میں بندگی کا اقرار ہے جبکہ نماز میں بندگی کا اظہار ہے اور اللہ تعالیٰ کا کامل بندہ بننے کے لئے اقرار بھی

ضروری ہے اور اظہار بھی ضروری ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم زبان سے مؤمن ہونے کا دعویٰ کریں لیکن عمل سارا کا سارا ایمان کے خلاف ہو۔ ہم نماز اس لئے پڑھتے ہیں کہ نماز قبر کی ظلمت کا چراغ ہے، نماز آخرت کا توشہ ہے، نماز حشر ونشر کا ساتھی ہے، نماز رضائے الٰہی کے حصول کا واسطہ ہے، نماز جنت کا پروانہ ہے، نماز قلبی سکون حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، نماز روحانی ترقیوں کا زینہ ہے، نماز دین ودنیا کی فلاح کی سند ہے، قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز ہی کے بارے میں ہوگا اگر پہلے پرچے ہی میں ناکامی ہوگئی تو امتحان میں کامیابی بہت مشکل ہوجائے گی اور ناکامی کی صورت میں ٹھکانہ جہنم ہوگا لیکن ہم میں سے کون ہے جو بھڑکتے ہوئے شعلوں، کھولتی ہوئی پیپ، اُبلتے ہوئے پانی، دہکتی ہوئی جہنم اور لوہے کے گرزوں کی مار برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

ہم نماز اس لئے پڑھتے ہیں کیونکہ سرورِ عالم ﷺ نے نماز کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، آپ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک، مؤمنوں کی معراج، دین کا ستون اور مؤمن اور کافر کے درمیان حدِ فاصل قرار دیا ہے۔ قیامت کے دن جب ہر کسی کو حضور ﷺ کی شفاعت کی توقع ہوگی اس دن بے نمازی آپ ﷺ کی سفارش سے محروم رہے گا۔

اللہ کے بندو! اگر تم فواحش اور منکرات سے بچنا چاہتے ہو تو نماز کی پابندی کرو، اگر اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت چاہتے ہو تو نماز پڑھو، اگر تم احسان شناس اور باغیرت ہو تو نماز کبھی نہ چھوڑو، اگر تمہیں قلبی سکون کی تلاش ہے تو نماز کو اپنی عبادت بنالو، اگر تمہیں مرنے کا اور آخرت کی زندگی کا یقین ہے تو نماز کا دائمی معمول بنالو، اگر تم اپنی اولاد نیک دیکھنا چاہتے ہو، اپنی زندگی میں، اپنے کاروبار میں، اپنے گھر میں برکتوں کا ظہور دیکھنا چاہتے ہو تو نماز کو سینے سے لگالو۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مدرسہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی روح تری دے کے تجھے فکرِ معاش
مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپایا جن کو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

محترم اساتذہ کرام اور میرے ہم سفر دوستو! میں آج کی نشست میں ''مدرسہ'' کے حوالہ سے اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات وجذبات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

لوگوں کا عام خیال یہ ہے کہ مدرسہ ایک مخصوص چار دیواری کا نام ہے، مدرسہ شاندار عمارت کا نام ہے، مدرسہ پرشکوہ ہاسٹل اور پرکشش درسگاہوں کا نام ہے اور اسی لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اگر مدرسہ کی عمارت کو گرا دیا جائے تو مدرسہ ختم ہو جائے گا لیکن میں اس خیال کی پرزور تردید کرتا ہوں۔ مدرسہ سنگ وخشت کے ڈھیر کا نام نہیں ہے، مدرسہ فلک بوس عمارت کا نام نہیں ہے، مدرسہ مزین اور مکیف کمروں کا نام نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اس کی گود کو اوّلین مکتب اور مدرسہ نہ کہہ سکتے جہاں بچہ شعور کی آنکھیں کھولتا ہے اور زندگی کے ابتدائی آداب سیکھتا ہے۔

اگر ایسا ہوتا تو ہم دیو بند میں واقع انار کے درخت کے سائے کو مدرسہ نہ کہہ سکتے جہاں محمود نامی استاذ نے محمود نامی شاگرد کو تعلیم دے کر ہزاروں مدرسوں کی بنیاد رکھی تھی۔

اگر ایسا ہوتا تو ہم اس سادہ سے چبوترے کو مدرسہ نہ کہہ سکتے جہاں بیٹھ کر تعلیم حاصل کرنے والوں کو اصحابِ صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے تو پھر آپ مجھ سے پوچھ سکتے ہیں کہ اگر ان چیزوں کا نام مدرسہ نہیں ہے تو پھر مدرسہ کیا ہے؟

تو میں عرض کرتا ہوں کہ مدرسہ وہ ہے جہاں انسان کو انسان بننے کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں انسان کو زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھایا جاتا ہے، جہاں علم کی شمع اس کے سینے میں روشن کی جاتی ہے، جہاں اسے اعلیٰ اخلاق اور زندگی کے آداب سکھائے جاتے ہیں۔

یہ مقاصد اگر ماں کی گود میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، خس وخاشاک سے بنے ہوئے جھونپڑے میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، مسجد کے حجرہ میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، صحرا کے سناٹے میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے، شہر کے ہنگاموں میں حاصل ہوں تو مدرسہ ہے اور اگر یہ مقاصد ان شاندار عمارتوں میں حاصل نہ ہوں تو مدرسہ نہیں ہے دھوکا ہے، فریب ہے، تصنع ہے، ریاکاری ہے، جھوٹ کی نمائش ہے۔

للہ! حقائق کو نہ جھٹلائیے گا، سمجھنے کی کوشش کیجئے گا۔ ناراض نہ ہوجایئے گا، آج ہماری یونیورسٹیوں کی عمارتیں میلوں میں پھیلی ہوئی ہیں، وسیع وعریض اسکول اور کالج ہیں، ہر آسائش مہیا کی گئی ہے، ہر سہولت دی گئی ہے لیکن آج ہماری یونیورسٹیوں، کالجوں اور مکاتب کی کوکھ بانجھ ہوگئی ہے وہاں سے زمانے کا رُخ بدلنے والے انقلابی، ریسرچ کا حق ادا کرنے والے محققین، انسانیت کا درد رکھنے والے لیڈر، دین کی تڑپ رکھنے والے مسلمان اور اخلاق کا جھنڈا بلند کرنے والے انسان پیدا نہیں ہورہے بلکہ...... میں کس زبان سے کہوں، کس حوصلے سے کہوں...... کہ یہاں سے فلموں کے ایکٹر، ہیروئن کے تاجر، جھوٹے وعدے کرنے والے سیاستدان، خون کے پیاسے قاتل اور حرص وہوس کے پجاری پیدا ہورہے ہیں۔

میرے دوستو! جب تک تعلیم وتعلم کا صحیح جذبہ پیدا نہیں ہوگا، جب تک ہماری سوچ کا

رُخ تبدیل نہیں ہوگا اس وقت تک یہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کسی کام نہیں آئے گی۔

جب دِل میں علم کی تڑپ ہوتی ہے، جب فکر کا قبلہ صحیح ہوتا ہے، جب علم کو علم کے لئے سیکھا جاتا ہے، جب استاذ اور شاگرد کا رشتہ صحیح نہج پر استوار ہوتا ہے، جب طالب علم اپنے آپ کو طالبِ علم ہی سمجھتا ہے تو پھر ظاہری کروفر نہ ہونے کے باوجود مدرسہ، مدرسہ بنتا ہے، علم کا نور پھیلتا ہے، زمانہ انگڑائیاں لیتا ہے، ہواؤں کا رُخ بدلتا ہے، انقلاب کی فضا سازگار ہوتی ہے، افکار سے اعمال کی تبدیلی آتی ہے، ایسے انسان پیدا ہوتے ہیں جن کی مثال لانے سے زمانہ قاصر رہتا ہے۔

اپنے عظیم نبی کی اس بے مثال درس گاہ کو یاد کیجئے جس کی کوئی شاندار عمارت نہ تھی، ظاہری کروفر نہ تھا لیکن اس درسگاہ کی تعلیم یافتہ مقدس جماعت پر ایک نظر ڈالیں تو آپ ان کے علمی اور عملی کمالات اور رنگارنگی کو دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے کہ ایک طرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں جو دنیا کے جہانبان اور ملکوں کے فرمانروا تھے جنھوں نے مشرق سے مغرب تک اور افریقہ سے انڈیا تک ایسی کامیاب حکومت کی جو بڑے سے بڑے حکمران کی سیاست کو منسوخ کر دیتی ہے ان کے عدل و انصاف اور سیاسی نظم ونسق کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے سپہ سالار اور فاتح ہیں جنھوں نے چند ہی سالوں میں مشرق و مغرب کی ظالم سلطنتوں کے تختے اُلٹ دیئے اور اپنی فتوحات اور جنگی صلاحیتوں کی دھاک بٹھادی۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عراق وایران کا تاجِ شہنشاہی اتار کر اسلام کے قدموں پر ڈال دیا، خالد اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما نے رومیوں کو شام سے نکال کر زمین کی امانت مسلمانوں کے سپرد کر دی، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرعون کی سرزمین رومن شہنشاہی کے ہاتھوں سے زبردستی چھین لی، عبداللہ

بن زبیر اور ابن ابی سرح رضی اللہ عنہما نے افریقہ کا میدان دشمنوں سے جیت لیا۔

تیسری طرف باذان بن سامان، خالد بن سعید، عمرو بن حزم اور یزید بن سفیان رضی اللہ عنہم وغیرہ بیسیوں صحابہ ہیں جنہوں نے صوبوں اور شہروں کی کامیاب حکومت کی۔

چوتھی طرف علماء اور فقہاء کی صف ہے جنہوں نے اسلامی فقہ اور قانون کی بنیاد ڈالی اور دنیا کے عظیم قائدین شمار ہوئے۔ ان میں عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ہیں۔

پانچویں صف احکام و مسائل کے راویوں کی ہے جن میں ابو ہریرہ، ابو موسیٰ اشعریٰ، انس بن مالک، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم جیسے سینکڑوں صحابہ ہیں۔ پھر اس درسگاہ کے طلباء میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جیسے حق گو اور متوکل، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جیسے زاہد و پارسا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے عابد و اطاعت گزار، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما جیسے بہادر اور جانثار، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے تاجر اور بیوپاری شامل ہیں۔ یہ سب جرنیل اور سپہ سالار، حکمران اور جہانبان، فقہاء اور عقلاء، زہاد اور صوفیاء اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے جس کے پاس شاندار عمارت نہ تھی، کلاسوں کی قطاریں نہ تھیں، کتابوں کا انبار نہ تھا، تحقیق کے مراکز نہ تھے، رصد گاہیں نہ تھیں لیکن حصولِ علم کا جذبہ تھا، اشاعتِ علم کی تڑپ تھی، تربیت کا مضبوط نظام تھا، استاد کے دِل میں شفقت و محبت تھی، تلامذہ کے دِل میں عقیدت و عظمت تھی اگر آج یہ چیزیں ہمارے اندر بھی آجائیں تو یقین جانیے کہ پھر ماں کی گود مدرسہ ہوگی، مسجد کا حجرہ مدرسہ ہوگا، خانقاہ کا ماحول مدرسہ ہوگا، جہاں کوئی صاحبِ علم بیٹھ جائے گا وہیں مدرسہ ہوگا، جہاں ساقی ہوگا وہیں میخانہ ہوگا، جہاں شمع ہوگی وہیں پروانہ ہوگا۔ اگر یہ نہیں تو پھر یہ بلند و بالا عمارتیں بھی ویرانہ ہیں، وقت ضائع کرنے کا بہانہ ہیں، کارِ طفلاں ہیں، فکرِ دیوانہ ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

موت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر صدر صاحب و معزز حاضرین! السلام علیکم

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ آپ کو دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جو قرآن کا انکار کرتے ہیں، انبیاء کا انکار کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو اللہ تعالیٰ ہی کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کوئی نہیں ملے گا جو موت کا انکار کرتا ہو۔ موت کا انکار ہو ہی نہیں سکتا یہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر انسان اپنی آنکھوں سے دن رات اپنے محلے اور گلی کوچوں میں کرتا رہتا ہے۔ جو لوگ قیامت اور آخرت کو نہیں مانتے قدرتی طور پر یہ چاہتے ہیں کہ اس دنیا ہی کو اپنی ابدی خوشیوں کا ذریعہ بنائیں انہوں نے اس بات کی بہت تحقیق کی کہ موت کیوں آتی ہے؟ تا کہ اس کے اسباب معلوم کر کے ان کا کوئی توڑ نکال کر زندگی کو جاوداں بنایا جا سکے مگر انہیں اس سلسلے میں قطعی ناکامی ہوئی۔ ہر مطالعہ نے بالآخر یہی بتایا کہ موت یقینی ہے اس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔

یورپ نے صحت اور زندگی کی حفاظت کے بے شمار طریقے اور علاج دریافت کئے اور اسے اپنی طبی تحقیقات اور علاج و معالجے کے اسباب اور جدید وسائل پر ناز بھی بہت ہے مگر اس سب کے باوجود ایک بھی ڈاکٹر یا سائنسدان ایسا نہیں جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے موت کا علاج دریافت کر لیا۔

بلکہ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ جس ڈاکٹر کو جس مرض کے علاج میں مہارت ہوتی ہے اسی مرض کی وجہ سے اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ماہرِ امراضِ قلب کا ہارٹ اٹیک کی وجہ سے انتقال ہو جاتا ہے۔ بلڈ پریشر کے اسپیشلسٹ کی موت خون کے دباؤ کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ مرضِ سل سے ارسطالیس مرا، فالج سے افلاطون مرا، لقمان سرسام سے اور جالینوس اسہال سے مرا، حالانکہ ان حکماء کو ان امراض میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ دھنتر وید کو سانپ پکڑنے میں انتہائی مہارت تھی مگر اس کی موت سانپ کے کاٹنے ہی سے ہوئی۔

غرض یہ کہ یہاں جو آیا ہے جانے کے لئے آیا ہے، رہنے کے لئے کوئی بھی نہیں آیا۔

پوچھو گے جو فلک سے تم سے یہی کہے گا
نہ رہ گیا وہ جو تھا، جو ہے وہ کیوں رہے گا
ہوں گے حباب ابھر کر یونہی فنا ہمیشہ
موجیں بڑھیں گھٹیں گی دریا یونہی بہے گا

غرض یہ کہ موت تو ہر ایک کو آئے گی مگر ہم دنیا کی ملمع سازیوں سے فریب کھا کر موت کو بھول چکے ہیں۔ جب کہ موت ہر وقت اعلان کرتی رہتی ہے، مجھے بھول جانے والو!

میں موت ہوں اور وہ موت جو ماؤں اور بیٹیوں میں جدائی ڈال دیتی ہے......

میں وہ موت ہوں جو بھائیوں اور بہنوں میں جدائی ڈال دیتی ہے......

میں وہ موت ہوں جو دوستوں اور محبّوں میں جدائی ڈال دیتی ہے......

میں وہ موت ہوں جو خاوند اور بیوی میں جدائی پیدا کر دیتی ہے......

میں وہ موت ہوں جو گھروں اور محلوں کو برباد کر دیتی ہے......

میں وہ موت ہوں جو تم کو ڈھونڈتی ہوں اور پالیتی ہوں، خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو اور مخلوق میں کوئی ایسا نہ رہے گا جو میرا ذائقہ نہ چکھے۔

گرامی قدر سامعین!

ماہرین اعداد وشمار نے بہت پہلے اعلان کر دیا تھا کہ ہر ایک منٹ میں ساری دنیا کے اندر ایک سو انسان مرجاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک رات اور دن میں تقریباً پندرہ لاکھ انسان ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے اب ان اعداد وشمار میں اضافہ ہو چکا ہوگا کیونکہ دنیا میں شرحِ اموات میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان لاکھوں مرنے والے انسانوں کا انتخاب تابکار عناصر کے برقی ذرات کی طرح بالکل نامعلوم طور پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگلے چوبیس گھنٹے کے لئے جن لاکھوں انسانوں کی موت کی فہرست تیار ہو رہی ہے اس میں اس کا نام بھی شامل ہے یا نہیں۔ ہر شخص ہر آن اسی خطرے میں مبتلا ہے کہ قضاوقدر کا فیصلہ اس کے حق میں موت کا فرشتہ بن کر پہنچے۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ موت اچانک آجاتی ہے۔ ہم روز اخبار پڑھتے ہیں کہ فلاں کا ناگہانی طور پر انتقال ہو گیا۔

حالانکہ یہ شکوہ بے جا ہے۔ کیونکہ دو باتیں ہر شخص جانتا ہے ایک یہ کہ مجھے ہر حال میں مرنا ہے دوسرے یہ کہ مرنے کا وقت متعین نہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں معلوم نہ ہوتیں تو شکایت بجا ہوتی جس موت کے اچانک آجانے کی شکایت ہم کرتے ہیں وہ تو ہر روز ہمیں ملتی ہے۔

وہ ہمارے دائیں بھی ہے بائیں بھی، اوپر بھی ہے نیچے بھی، صحرا کی ویرانیوں میں بھی ہے اور شہر کی محفلوں میں بھی، سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں بھی اور خشکی کے سناٹوں میں بھی۔

موت تو ہر شخص کا تعاقب کر رہی ہے۔ ذکی اور عالم کا بھی، غبی اور جاہل کا بھی، صاحبِ ثروت کا بھی، مفلس اور قلاش کا بھی، موحد اور مسلم کا بھی، مشرک اور کافر کا بھی، وہ نہ فرعون جیسے متکبر کو چھوڑتی ہے، نہ موسیٰ جیسے کلیم اور ایوب جیسے صابر کو، وہ نہ نمرود جیسے سرکش کو معاف

کرتی ہے نہ ابراہیم جیسے خلیل اللہ اور اسماعیل جیسے ذبیح اللہ کو، اس کی نظر میں ارسطو اور افلاطون جیسے حکیم اور ابولہب اور ابوجہل جیسے نادان برابر ہیں، اس سے نہ ابوبکر وعمر محفوظ رہے اور نہ سرورِ کائنات ﷺ۔

آئندہ بھی کبھی کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو اس سے محفوظ رہ سکے اور ایسا وقت بھی آئے گا کہ انسانوں کے علاوہ فرشتے تک بھی اس سے محفوظ نہ رہیں گے۔ حتیٰ کہ موت لانے والا فرشتہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مر جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی نہ ہوگا۔

تو اللہ تعالیٰ تین مرتبہ اعلان فرمائے گا: میں ہوں زبردست وغالب اور پھر وہ خود ہی یہ اعلان فرمائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ﴾ آج کے دن کس کی حکومت ہے؟

ذرا غور کیجئے: کیا منظر ہوگا۔ اعلان ہوگا کہ کس کی حکومت ہے؟ مگر اس کا جواب تک دینے والا کوئی نہ ہوگا، ہر طرف سناٹا ہوگا، خاموشی ہوگی، وہ انسان جس کو اپنی دولت پر، کاروبار پر، اپنی فیکٹری اور کوٹھی پر، اپنی صلاحیت وقابلیت پر بڑا ناز ہے، بہت غرور ہے، فخر ہے، تکبر ہے، وہ بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کے ڈھانچے کی شکل میں خاک میں پڑا ہوگا۔ اس کی زبان جو ٹر ٹر بولتی رہتی تھی آج جواب دینے کے قابل نہ ہوگی، آسمان اور زمین اس اعلان سے تھرا رہے ہوں گے مگر کوئی اس اعلان کا جواب نہ دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾

اس اکیلے کی حکومت ہے جو غالب ہے، حقیقی حکومت اور ملکیت اسی کی ہے، باقی سب حکومتیں اور ملکیتیں عارضی اور فانی ہیں، حقیقی بادشاہ ہے تو وہی ہے، حقیقی مالک ہے تو وہی ہے، حقیقی رازق ہے تو وہی ہے، حقیقی خالق ہے تو وہی ہے۔

محترم سامعین! یہ تمام باتیں ہمارے سامنے ہیں، ہمیں معلوم ہیں لیکن ہم نماز سے غافل رہتے ہیں، یتیموں اور غریبوں کا حق مارتے ہیں، نیکی کے کاموں سے پہلو تہی کرتے

ہیں، زیادہ سے زیادہ دنیا کمانے کے چکر میں لگے رہتے ہیں کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ موت، قبر، جزاوسزا، قیامت اور جنت، دوزخ کے بارے میں ہمارا یقین کمزور ہو چکا ہے۔

اگر ہم ذرا یہ سوچ لیں ہمارا دنیا میں آنا کوئی انوکھی بات نہیں، ہمارے جیسے بے شمار لوگ اس دنیا میں آئے جو اکڑ اکڑ کر چلتے تھے، آج اندھیری کوٹھڑی میں پڑے زندگی کا حساب دے رہے ہیں، ان کے سر کبھی نیچے نہ ہوتے تھے، آج ان کی کھوپڑیاں پاؤں کی ٹھوکر بنی ہوئی ہیں، وہ جدھر سے گزرتے تھے فضا معطر ہو جاتی تھی آج ان لاشوں سے بدبو اور سڑانڈ اٹھ رہی ہے، ان کے جسموں پر ریشم، حریر اور کمخواب کا لباس ہوتا تھا آج بوسیدہ چیتھڑوں میں پڑے ہیں، جن کے پاس دنیا کی ہر آسائش تھی، دولت کی ریل پیل تھی، دوستوں پر بڑا ناز تھا، بیوی بچوں کی بھی کثرت تھی لیکن جب موت آئی تو ان کے کام کوئی نہ آیا۔

آیئے! ہم بھی موت آنے سے قبل سوچ لیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس سال، اس مہینے، اس ہفتے مرنے والوں میں ہمارا نام بھی شامل ہو، ہوسکتا ہے کہ ہماری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہوں، ہمارا کفن بھی بازار میں آچکا ہو، موت دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ہماری دہلیز تک آ پہنچی ہو اور ہماری مستی اور غفلت پر قہقہے لگا رہی ہو۔

اُٹھ جایئے! غفلت کی نیند سے جاگ جایئے، اپنا اسلامی تشخص بحال کرنے کے لئے نیک اعمال میں لگ جایئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو صحیح مسلمان بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

قبر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

معزز مہمانانِ گرامی! السلام علیکم

میں آج اس گھر کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو ہر انسان کا اصلی گھر ہے جسے وحشت کا گھر بھی کہا جاتا ہے، جسے تنہائی اور تاریکی کا گھر بھی کہا جاتا ہے، جسے کیڑے مکوڑوں کی ہمنوائی کا گھر بھی کہا جاتا ہے، جسے آزمائشِ اخروی کی پہلی منزل بھی کہا جاتا ہے، جسے ابدی آرام گاہ بھی کہا جاتا ہے، جسے قبر بھی کہا جاتا ہے۔

جو فٹ پاتھ پہ رہنے والوں کا گھر بھی بنے گی اور عظیم الشان محلات وکوٹھیوں میں رہنے والوں کا گھر بھی بنے گی۔

جہاں امراء اور روساء کو بھی پہنچنا ہے اور ناداروں اور غرباء کو بھی پہنچنا ہے......

جہاں شداد اور نمرود جیسے ظالم بھی پہنچے اور انبیاء جیسے مقدس انسان بھی پہنچے......

جہاں ابوجہل وابولہب جیسے کافر بھی پہنچے اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جیسے صلحاء بھی پہنچے......

جہاں بقراط وسقراط جیسے حکماء بھی پہنچے اور جولیس فرنانڈس جیسے جہلاء بھی پہنچے......

جہاں آدم علیہ السلام بھی پہنچے ہیں اور آنے والا آخری انسان بھی پہنچے گا......

پوچھو گے جو فلک سے تو وہ یہی کہے گا
نہ رہ گیا وہ جو تھا جو ہے وہ کیوں رہے گا

جس کے بارے میں حضورِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا پھر جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

یہاں کی کامیابی ہمیشہ کی شادمانی ہے اور یہاں کی ناکامی ہمیشہ کی حسرت وپشیمانی ہے۔

گرامی قدر احباب!

اس منزل میں کامیابی کی تیاری موت کے آنے سے قبل کیجیے۔ زندگی کو دائمی مت سمجھئے یہ کسی بھی وقت دغا دے سکتی ہے۔ ذرا اپنے اردگرد نگاہ ڈالیے۔

آپ دیکھیں گے کہ کتنے ہی تندرست وتوانا شخص ہوتے ہیں کہ جن کے بارے میں اعلان سننا پڑ جاتا ہے کہ اچانک انتقال کر گئے۔

کتنے ہی برلبِ جاں مریض ہوتے ہیں جن کے بارے میں عام خیال ہوتا ہے کہ موت کے خوفناک جبڑوں میں آچکے ہیں اب گئے کہ تب گئے مگر وہ سالوں زندہ رہ جاتے ہیں۔

کتنے ہی افراد ہوتے ہیں جو صبح کو لمبی لمبی پلاننگ اور منصوبہ سازی کرتے ہیں حالانکہ ان کی شب تاریک کوٹھڑی میں لکھی جا چکی ہوتی ہے۔

کتنے ہی جوان اپنی جوانی کے زور پر اکڑتے پھر رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کا کفن بازار میں آچکا ہوتا ہے کتنے ہی گھروں میں خوشیوں کے چراغ روشن کیے جا رہے ہوتے ہیں کہ موت اچانک ان پر اوس ڈال دیتی ہے۔

کتنے ہی بچوں سے طولِ عمر کی امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں حالانکہ ان کا اگلا دن قبر میں گزرنا طے ہو چکا ہوتا ہے۔

کتنے ہی افراد صبح اپنے عالیشان محلات میں نرم وگداز گدیلوں پر گزارتے ہیں اور شام ان کی خاک زدہ قبر میں ہوتی ہے۔

کتنی ہی دلہنوں کو سجایا جاتا ہے حالانکہ ان کے مجازی خدا کی روح کا اس دن قفسِ

عنصری سے پرواز کرنا قرار پا چکا ہوتا ہے۔

ہر گزرنے والا لمحہ، دن، ہفتہ، مہینہ اور سال ہمیں ہمارے اس اصلی گھر سے قریب کرتا چلا جاتا ہے، اگر یہاں پر اعمالِ صالحہ ہوئے تو قبر کی رہائش آرام دہ ہوگی، وہاں کی آزمائش سہل ہوگی، تا حدِ نگاہ قبر وسیع کر دی جائے گی، جنت کی جانب سے ایک دریچہ کھول دیا جائے گا جس سے جنت کی ہوائیں آتی رہیں گی۔

اعمالِ صالحہ قبر کو منور کر دیں گے تاریکی نہ رہے گی۔

سکون و مسرت کی نیند ہوگی کوئی فکر نہ رہے گی۔

اگر یہاں کے حالات برعکس ہوئے اعمالِ صالحہ نہ کیے بے خبری و غفلت میں پڑے رہے تو قبر کا معاملہ بڑا مشکل ہوگا۔

آزمائش میں ناکامی ہوگی، تاریکی ہی تاریکی ہوگی، پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی، ایسے ایسے سانپ اور بچھو مسلط ہو جائیں گے جو اگر زمین پر پھونک مار دیں تو سبزہ نہ رہے، ایسے فرشتے عذاب دینے کے لئے ہوں گے جن کی شکلیں ہیبت ناک ہوں گی، ان کے ہاتھوں میں ایسے ہولناک گرز ہوں گے کہ اگر پہاڑوں کو مار دیں تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں ان گرزوں کے ساتھ یہ فرشتے اس کو تا قیامت عذاب دیتے رہیں گے، قبر میں جہنم کی جانب سے ایک کھڑکی کھول دی جائے گی جس سے تپش اور آگ کی لپٹیں آتی رہیں گی جو تا قیامت اس کو جھلساتی رہیں گی۔

پل پل صدیوں پر محیط ہوگا لیکن اس عذاب سے کوئی چھٹکارا نہ ہوگا۔ قبر میں ایسا تعفن اور بدبو ہوگی کہ اگر اس کو دنیا میں ظاہر کر دیا جائے تو تمام جاندار اس کے ناقابل برداشت ہونے کی بناء پر ہلاک ہو جائیں۔

غرض یہ ہے کہ قبر اعمالِ بد کی وجہ سے عذاب کا ایک ایسا ناقابل بیان سانحہ بن جائے

گی جس کا تصور بھی عقل سے کیا جانا محال ہے۔

وہ اہل قبر جنہیں عذاب دیا جارہا ہوگا وہ اس عذاب سے چھٹکارے کے لئے جلد از جلد حشر قائم ہونے کے متمنی ہوں گے اور انہیں یہ وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا ہوا محسوس ہوگا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ قیامت اور جہنم کے تذکرہ سے اتنے خوفزدہ نہیں ہوتے تھے جتنا کہ وہ قبر کے تذکرے سے پریشان ہوجاتے تھے۔ جب ان کے سامنے قبر کا ذکر کیا جاتا تھا تو ان کی ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتی تھی۔

ہاں میرے دوستو! قبر کی منزل ہے ہی بہت کٹھن اور مشکل، اس کی وحشت نا کیوں سے پناہ ہی مانگنی چاہیے۔

ہم اپنی بستیوں میں رات کی تاریکی سے خوفزدہ ہوجاتے ہیں حالانکہ قبر کی تاریکی اس سے کہیں زیادہ شدید ہوگی۔

ہم دنیا کے سانپ، بچھو سے ڈرتے ہیں حالانکہ قبر کے سانپ بچھو کے مقابلہ میں ان کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

ہم تنہائی میں وحشت محسوس کرتے ہیں حالانکہ قبر کی تنہائی کہیں زیادہ المناک ہوگی۔

ہم جلادوں کے کوڑوں سے تھرتھراتے ہیں حالانکہ قبر کے جلادوں کے کوڑوں کی ضربیں ناقابل تصور ہوں گی۔

دنیا کی تاریکی اور تنہائی، سانپ اور بچھو اور کوڑوں سے ڈرنے والے ساتھیو! قبر کے عذاب سے بچنے کا سامان فراہم کرو، قبر کو روشن کرنے والے اعمال مہیا کرو، قبر کے کیڑوں مکوڑوں کے سامنے ڈھال بننے والا ایمان پیدا کرو۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو عذاب قبر سے بچائے۔ آمین ثم آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

علاماتِ قیامت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! ہر آسمانی مذہب ایک ایسے دن کے آنے کا اعلان کرتا ہے جہاں عدل ہوگا ظلم نہیں ہوگا، جہاں ہر مظلوم کی دادرسی ہوگی، جہاں ہر مقتول اپنے قاتل کا گریبان پکڑ سکے گا، جہاں ہر مضروب ضارب سے انتقام لے سکے گا، ہاں ہر انسان اپنی زندگی کا کچا چٹھا دیکھ لے گا، جہاں اپنی زندگی کا حساب دینے کے لئے فرعون اور قارون بھی آئیں گے اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی تشریف لائیں گے اس دن کے قرآن کی زبان میں کئی نام ہیں لیکن زیادہ مشہور یومِ آخرت اور قیامت ہے۔

اس دن کے آنے میں تو کسی کو شک نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ قیامت کب آئے گی؟

یہ سوال جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے بھی کوئی متعین تاریخ نہیں بتائی البتہ اس کی علامات بتادی ہیں۔

جو اس دن کے آنے کے لئے ہراول دستے کی حیثیت رکھتی ہیں......

جو اس دن کے آنے کے لئے خطرے کی گھنٹی کی حیثیت رکھتی ہیں......

جو اس دن کے آنے کا چیخ چیخ کر اعلان کرتی ہیں......

جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور پیشگوئیوں کا مظہر ہیں......

یاد رکھیے! کہ ان میں سے بعض علامات وہ ہیں جو واقع ہو چکی ہیں اور بعض وہ ہیں

جنہیں ہم اپنی آنکھوں سے وقوع پذیر ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ہر علامت میرے آقا کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ انجیل اور تورات کے مطابق میرے آقا کا دنیا میں آنا اور انتقال فرما جانا قیامت کی پہلی علامت تھی جو پوری ہو چکی۔

میرے آقا نے وقوعِ قیامت کی جو علامات بیان فرمائی تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاور حکومتیں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھا جائیں گی۔

یہ علامت جب بیان کی گئی تھی تو مسلمانوں کی بے سروسامانی کے پیشِ نظر ناممکن معلوم ہو رہی تھی اسی لئے دشمنانِ رسول اللہ ﷺ نے مذاق اڑایا تھا کہتے تھے گھر میں کھانے کو نہیں ہے اور قیصر و کسریٰ پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں مگر دنیا جانتی ہے کہ یہ علامت پوری ہو کر رہی اور بہادر مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کو اپنے جوتوں تلے روند ڈالا۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت تب آئے گی جب قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو جائے گا چنانچہ یہ علامت بھی سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں پوری ہو چکی اور اب قسطنطنیہ کو استنبول کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت تب آئے گی جب مسلمان ہندوستان پر لشکر کشی کریں گے اور اسے فتح کریں گے یہ علامت بھی پوری ہو چکی۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ ہو گی جب تک مسلمان، ترکوں سے نہ لڑیں جن کے چہرے چپٹے ہوں گے، جن کے لباس بال کے ہوں گے اور بالوں ہی کے موزے یا جوتے پہن کر وہ چلتے ہوں گے یہ علامت بھی پوری ہو چکی۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس کاذب دجال پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ علماء کہتے ہیں تیس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سارے جھوٹے مدعیانِ نبوت پیدا ہوں گے۔ اگر آپ مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا

غلام احمد قادیانی تک مدعیانِ نبوت کے حالات پڑھیں گے تو میرے آقا کی بات کی تصدیق کریں گے۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت سے پہلے خصوصیت کا اسلام ہوگا اور تجارت کی کثرت ہوگی یہاں تک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ بٹایا کرے گی، اگر آپ، دورِ حاضر میں تجارت کی گرم بازاری کو دیکھیں تو میرے آقا کی پیشینگوئی کی صداقت کو تسلیم کریں گے۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت جب آئے گی تو رومی سب سے زیادہ ہوں گے، رومیوں سے مراد اہل یورپ ہیں، آج اہل یورپ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان کے وجود سے اس وقت دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور ان کی طاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یہ پیشینگوئی آج سے چودہ سو تیرہ سال پہلے کی گئی تھی اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک حجاز میں ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصرہ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن نہ کردے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ علامت بھی پوری ہوچکی۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا کہ زمین اپنے چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کردے گی، میں اور آپ سب جانتے ہیں کہ تیل کے کنویں اور ہر قسم کی معدنیات کی دریافت کی شکل میں یہ پیشینگوئی بھی پوری ہوچکی۔

میرے آقا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ قیامت کے قریب عورتیں ایسا چست لباس پہن کر پھریں گی گویا کہ وہ ننگی ہیں۔

نااہل لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار آجائے گا۔

مرد اپنی بیوی کی بات تو مانے گا لیکن والدہ کی بات ٹھکرادے گا۔

انسان اپنے دوستوں کو خوش کرے گا مگر والد کو ناراض کرے گا۔
اولاد اپنی والدہ کو لونڈی اور نوکرانی کی حیثیت دے دے گی۔
ہر سمت قتل و غارت گری ہوگی، بے حیائی اور فحاشی عام ہو جائے گی، رقص و سرور کی محفلیں قائم کی جائیں گی۔

محترم سامعین! یہ علامات جو میں نے احادیث کی روشنی میں بیان کی ہیں پوری ہو چکی ہیں۔ زمین اپنے پوشیدہ خزانے اگل رہی ہے، عورتیں عریانی کو اختیار کر چکی ہیں، نا اہل لوگ اقتدار پر متمکن ہیں، والدین کو ستایا جا رہا ہے ان کے ساتھ غلاموں اور لونڈیوں کا سا سلوک کیا جاتا ہے، قتل و خونریزی عام ہو چکی ہے، بے حیائی آخری سرحدوں کو چھو رہی ہے، گھر گھر میں ڈانس ہو رہا ہے۔

اب تو قیامت کی آخری علامت کا انتظار ہے جس کے مطابق اہل حبشہ مکہ پر چڑھائی کر دیں گے اور بیت اللہ شریف کو نقصان پہنچائیں گے جس کے فوراً بعد صور پھونک دیا جائے گا اور حشر بپا ہو جائے گا۔ ایک نا قابل بیان زلزلہ ہوگا بزمِ ہستی کی بساط لپیٹ دی جائے گی اور زمین و آسمان کو بدل دیا جائے گا، پھر انسان ہوگا اور اس کا اعمال نامہ ہوگا، اعمال کے سوا کوئی دوسری چیز کام نہیں آئے گی نہ سیادت و قیادت، نہ حسب نسب، نہ حسن و جمال، نہ دنیاوی فضل و کمال۔

میرے ساتھیو! یہ سوال اتنا اہم نہیں ہے کہ قیامت کب آئے گی بلکہ اصل اہمیت تو اس بات کی ہے کہ ہم نے قیامت کے لئے تیاری کیا کی ہے؟ ہم مختصر سے سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو اس کے لئے بھرپور تیاری کرتے ہیں لیکن اتنے لمبے سفر کے لئے ہم نے کچھ بھی تیاری نہیں کی ہے اور یاد رکھیے کہ وہ قیامت تو جب آئے گی آ ہی جائے گی مگر ہر شخص کی قیامت تو اسی وقت آجاتی ہے جب اس کی زندگی کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ موت کے ساتھ

ہی ہر انسان کی قیامت قائم ہو جاتی ہے اور اس کے حساب و کتاب اور جزا و سزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

عقل مند وہ ہوتا ہے جو ہواؤں کا رُخ دیکھ کر موسم کا اندازہ لگا لیتا ہے، جو بادلوں کے تیور دیکھ کر اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیتا ہے اور بارش کے نقصان سے بچنے کی تدبیریں اختیار کر لیتا ہے۔ ہم جب اپنی آنکھوں سے قیامت کی علامات کو پورا ہوتے دیکھ چکے ہیں تو عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم وہاں سرخرو اور کامیاب ہونے کی تیاری بھی شروع کر دیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو قیامت کے سوال و جواب کے لئے ہر وقت تیار رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

قیامت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

آج کی اس نشست میں میں آپ کے سامنے اس دن کے بارے میں لب کشائی کرنے لگا ہوں جس دن کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔

- اس دن کو ''یوم معلوم'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا آنا طے شدہ امر ہے۔
- اس دن کو ''یوم العصیب'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ بڑا سخت دن ہوگا۔
- اس دن کو ''یوم التغابن'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ بہت سوں کے لئے افسوسناک دن ہوگا۔
- اس دن کو ''یوم الآزفہ'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ بہت مصیبت کا دن ہوگا۔
- اس دن کو ''یوم التلاق'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ اگلے پچھلوں کے ملنے کا دن ہوگا۔
- اس دن کو ''یوم الفصل'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ فیصلہ کن دن ہوگا اس دن بہت سے لاینحل مسائل کا فیصلہ سنا دیا جائے گا۔
- اس دن کو ''یوم الجمع'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ تمام لوگوں کو اکٹھے کر دینے کا دن ہوگا۔
- اس دن کو ''یوم الحق'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کے ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔
- اس دن کو ''یوم البعث'' بھی کہا گیا ہے اس لئے کہ یہ دوبارہ جی اٹھنے کا دن ہوگا۔

- یہی وہ دن ہے جس کو ''یوم القیامت'' بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ یہ مردوں کے کھڑے ہونے کا دن ہوگا۔
- یہ وہ دن ہے جس دن صور پھونکا جائے گا۔
- یہ وہ دن ہے جس دن آفتاب دھندلا جائے گا، ستارے جھلملا جائیں گے۔
- یہ وہ دن ہے جس دن نگاہیں خیرہ ہوجائیں گی، ماہتاب بے نور ہوجائے گا۔
- یہ وہ دن ہے جس دن پہاڑ ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، سمندر دھنکار دیئے جائیں گے۔
- یہ وہ دن ہے جس دن آسمان لپیٹ دیا جائے گا، زمین بے کیف کردی جائے گی۔
- یہ وہ دن ہے جس دن زمین اپنا بوجھ نکال پھینکے گی۔
- یہ وہ دن ہے جس دن ہیبت سے زبانیں گنگ ہوجائیں گی۔
- یہ وہ دن ہے جس کی حشمت وطوالت بچوں کو بوڑھا کردے گی۔
- یہ وہ دن ہے جس دن دولتِ دنیا کام نہ آئے گی۔
- یہ وہ دن ہے جس دن صرف صداقت کام دے گی۔
- یہ وہ دن ہے جس دن آدمی اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی، بیٹوں اور بیٹیوں سے بھاگے گا۔
- یہ وہ دن ہے جس دن گنہگار شخص اپنے ہاتھوں کو ندامت کے سبب کاٹ ڈالے گا۔
- یہ وہ دن ہے جس دن ہر قوم کے لوگ گروہ در گروہ اکٹھے کردیئے جائیں گے۔
- یہ وہ دن ہے جس دن انسان خاموش ہوگا اعضا بولیں گے۔
- یہ وہ دن ہے جس دن تمام حساب بے باق کردیا جائے گا۔

حاضرین کرام!

یہ وہ دن ہے کہ جس دن ارتقاءِ انسانی کے تمام سنگِ میل تمام ہوچکے ہوں گے۔ جس

دن انسان اپنے ارتقائی مراحل سے نکل کر ہمیشگی کے مراحل میں داخل ہوگا، نیک بخت جنت میں اور بد بخت جہنم میں ہوں گے۔

اس دن بہت سے سربستہ رازوں سے پردہ کشائی ہوجائے گی۔

اس دن وہ قوت جس نے ہزاروں لاکھوں کہکشاؤں کو تھام رکھا ہے۔

وہ قوت جس کا اقرار اس بیسویں صدی کے آخری عشرے کے کمپیوٹروں نے بھی کیا ہے۔

وہ قوت جسے دنیا میں محسوس تو کیا جاسکتا ہے دیکھا نہیں جاسکتا۔

جی ہاں! وہ قوت جو ذاتِ باری کہلاتی ہے اپنے پورے کروفر کے ساتھ، اپنے پورے قہر و جبروت کے ساتھ، اپنے زبردست دبدبے اور وقار کے ساتھ پوری نوع انسانی اور مخلوقات عالم کے سامنے ظہور پذیر ہوگی۔

اس کے جلال کے سامنے کسی کو دَم مارنے کی جرأت نہ ہوگی، نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ اس دن ازل کا اختتام اور ابد کا آغاز ہوگا۔

کیا منظر ہوگا۔ جرأتِ انسانی دَم توڑ چکی ہوگی، ہر سمت ہو کا عالم طاری ہوگا، عظمت کبریائی سامنے ہوگی۔

اس دن کوئی کچھ نہ چھپا سکے گا، من کے بھید کھول دیئے جائیں گے، اس دن کسی کو سرخروئی نصیب ہوگی، کسی کو ندامت و پشیمانی کا بوجھ اٹھانا پڑے گا، اس دن کوئی چمکتے ہوئے سفید چہروں والا ہوگا، کوئی گرد آلود سیاہ چہرے والا ہوگا۔

حضراتِ گرامی!

یہ وہ دن ہے کہ قرآن مجید میں بار بار اس کے تذکرے سے شعورِ انسانی کو جھنجھوڑا گیا ہے، بار بار آنے والے اس دن سے ڈرایا گیا ہے کہ انسانِ ناتواں اس کی تیاری اس دن کے آنے سے قبل اس دنیا میں ہی کرلے۔

غفلت کی نیند سے اٹھیے اور آنے والے کل کی فکر کیجئے یہاں آپ کو ہمیشہ نہیں رہنا ہے ذرا پیچھے مڑ کر اپنے پیش رووں پر نظر ڈالیے، آپ کو کوئی ایسا بھی دکھائی دیتا ہے جو جاودانی زندگی لے کر آیا ہو، جو آتو گیا ہو مگر پھر اس بزمِ ہستی سے رخصت نہ ہوا ہو۔

پوچھو گے جو فلک سے تم سے یہی کہے گا
نہ رہ گیا وہ جو تھا، جو ہے وہ کیوں رہے گا
ہوں گے حباب ابھر کر یوں ہی فنا ہمیشہ
موجیں بڑھیں گھٹیں گی، دریا یوں ہی بہے گا

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

جہنم کے دروازے پر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! آیئے میں آپ کو اس مختصر وقت میں انتہائی اختصار کے ساتھ ان لوگوں کے بارے میں بتاؤں جو قیامت کے دن جہنم کے دروازے پر کھڑے ہوں گے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے، ان کی پیشانیوں پر ندامت کی لکیریں ہوں گی، ان کے جسم پسینے میں شرابور ہوں گے، ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، انہیں اپنے مظالم یاد آ رہے ہوں گے، انہیں اپنا فسق و فجور اور حق تلفیاں یاد آ رہی ہوں گی، وہ بظاہر شرمندہ ہوں گے لیکن آج کی شرمندگی کسی کام نہ آئے گی، وہ کسی سہارے کی تلاش میں ہوں گے مگر انہیں کوئی سہارا میسر نہیں آئے گا، وہ کسی سفارشی کے متلاشی ہوں گے لیکن وہاں کوئی سفارش کے لئے تیار نہیں ہوگا، ان کے وہ دوست انہیں چھوڑ جائیں گے جن کی دوستی نبھانے کے لئے وہ گناہ کرتے تھے، وہ بیوی بچے جنہیں خوش کرنے کے لئے وہ حرام کماتے تھے وہ ان سے نفرت کریں گے، وہ جماعتی لیڈر اور کارکن ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے جن کی خوشنودی کے لئے وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کو توڑنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، وہ دولت وہ عہدہ وہ منصب جس پر یہ اِتراتے تھے اس دن کسی کام نہ آئیں گے، وہاں نہ ڈالر اور پونڈ کام آئیں گے، نہ درہم و دینار کام آئیں گے، وہاں نہ ریال کام آئیں گے، نہ ین اور روپیہ پیسہ کام آئے گا وہاں تو صرف اعمالِ صالحہ کی کرنسی کام آئے گی اور یہ

کرنسی ان کے پاس نہیں ہوگی۔

ہاں تو میرے دوستو! وہ لوگ جو جہنم کے دروازے پر کھڑے ہوں گے:

- ان میں قابیل بھی ہوگا جس نے اپنے بھائی کا خون بہا کر دنیا میں قتل کی بنیاد رکھی۔
- ان میں کنعان بھی ہوگا جس نے عظیم القدر پیغمبر کے گھر میں پیدا ہونے کے باوجود کفر وشرک کا راستہ اختیار کیا۔
- ان میں قیدار بھی ہوگا جس نے ایک بازاری عورت کی خاطر حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی ٹانگیں کاٹی تھیں۔
- ان میں فرعون بھی ہوگا جس نے ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴾ کا دعویٰ کیا۔
- ان میں قارون بھی ہوگا جسے اپنے خزانوں پر بڑا ناز تھا۔
- ان میں شداد بھی ہوگا جس نے مصنوعی جنت بنا کر انسانوں کو گمراہی کے راستے پر ڈالا۔
- ان میں بلعم بن باعورا بھی ہوگا جو علم وزہد کے باوجود حرص وہوس کا شکار ہوگا۔
- ان میں نمرود بھی ہوگا جو حماقت کی وجہ سے اپنے آپ کو موت وحیات کا مالک سمجھتا تھا۔
- ان میں بخت نصر بھی ہوگا جسے اپنی بادشاہت پر بڑا ناز تھا۔
- ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ حواری بھی ہوں گے جنہوں نے اقتدار کے بہکاوے میں آکر ان کے چہرہ اقدس پر تھوک دیا تھا۔
- ان میں ابرہہ بھی ہوگا جس نے معاذ اللہ، بیت اللہ کی تخریب کے لئے مکہ پر چڑھائی کی تھی۔ ان میں ابوجہل بھی ہوگا جسے اس امت کے فرعون کا لقب دیا گیا ہے۔
- ان میں ابولہب بھی ہوگا جس نے قرابت کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔
- ان میں امیہ بن خلف بھی ہوگا جس نے میرے آقا کے غلام حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ پر

بے پناہ مظالم ڈھائے تھے۔

- ان میں ام جمیلہ بھی ہوگی جو میرے آقا کی راہوں میں کانٹے بکھیرا کرتی تھی۔
- ان میں عبداللہ بن ابی بھی ہوگا جس نے اس امت میں منافقت کی بنیاد رکھی تھی۔
- ان میں عبداللہ بن سبا بھی ہوگا جس نے اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینا عبادت بنا دیا۔
- ان میں ہلاکو خان اور چنگیز خان بھی ہوں گے جنہوں نے کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کیے ہیں۔
- ان میں نپولین بونا پاٹ، زار روس، ایڈوولف ہٹلر، مسولینی، ڈیگال، ہیروہیٹو اور چرچل بھی ہوں گے جنہوں نے اپنے ہاتھ انسانی خون سے رنگین کیے۔
- ان میں اسٹالن اور ماؤزے تنگ جیسے انسانیت کے جعلی غمخوار بھی ہوں گے جنہوں نے انسان کو بے زبان حیوان بننے پر مجبور کیا۔
- ان میں نکسن، جمی کارٹر، ریگن، بش، جان میجر، متراں، گورباچوف، برزنیف جیسے درندے بھی ہوں گے جنہوں نے ہمیشہ عالمِ اسلام کی تباہی کی تدبیریں سوچیں۔

یہ سب بد بخت اپنی تمام تر روسیاہیوں کے ساتھ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہوں گے، ان مشرکوں، کافروں، منافقوں اور کمیونسٹوں کے ساتھ ایسے مسلمان بھی کھڑے ہوں گے جن کے اعمال نامے سیاہ ہوں گے، جن کے دامن فسق و فجور سے داغ دار ہوں گے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات کو اہمیت نہیں دی ہوگی، جنہوں نے وحی کے بجائی حرص و ہوس کی پیروی کی ہوگی، جنہوں نے ابدی راحتوں پر عارضی لذتوں کو ترجیح دی ہوگی، جنہوں نے آجلہ کے بجائے عاجلہ کو پسند کیا ہوگا۔ پھر ان میں وہ سرمایہ دار بھی ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر خرچ نہیں کرتے تھے، ان کے مال کو ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا، ان کے جمع کردہ سونے چاندی کو

آگ میں تپا کر ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

ان میں اکڑ اکڑ کر چلنے والے وہ متکبر بھی ہوں گے جو انسانوں کو حقیر اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے تھے، ان کو اللہ تعالیٰ چیونٹیوں جیسے چھوٹے چھوٹے قد والا بنا کر ان پر ذلت اور رسوائی مسلط کر دیں گے۔

ان میں وہ اہل علم بھی ہوں گے جو حق چھپاتے تھے اور سچ کا سودا کرتے تھے ان کے منہ میں آگ کی لگام ڈال دی جائے گی۔

ان میں وہ چور، لٹیرے اور ڈاکو بھی ہوں گے جو ناحق دوسروں کا مال چھینتے اور اُڑا لیتے تھے، یہ مال ان کی پیٹھ پر لاد دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنھوں نے کسی کی زمین ظلماً غصب کی ہوگی۔ ان کے گلے میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو دنیا میں لگائی بجھائی کر کے دوسروں کے لڑنے کا تماشہ دیکھتے تھے ان کی زبانوں کو آگ کا بنا دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کے پاس گزارے کے لائق سامان ہوتا تھا لیکن وہ اس کے باوجود پیشے کے طور پر گداگری کرتے تھے، ان کے چہروں کو بگاڑ کر بدہیئت اور وحشت ناک بنا دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو اپنے نفع کی خاطر جھوٹ بولتے تھے، ان کی زبانوں کو کاٹ دیا جائے گا اور ان کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے گا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جو والدین کی نافرمانی کرتے تھے اور انہیں تکلیف پہنچاتے تھے، سخت اذیت کے عالم میں یہ زبردست عذاب کے منتظر ہوں گے۔

ان میں وہ حکمران بھی ہوں گے جو اپنے عوام کو کیڑے مکوڑوں سے زیادہ حیثیت نہیں

دیتے تھے وہاں خود ان کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے اپنی خواہشات کی عمارتیں دوسروں کے معاشرتی حقوق غصب کر کے تعمیر کی ہوں گی۔ ان کے پاس جو چند نیکیاں ہوں گی وہ بھی حق دار لے چکے ہوں گے اور جنہیں ان کی نیکیوں میں سے حصہ نہیں ملا ہوگا وہ اپنے گناہوں کا بوجھ ان پر ڈال چکے ہوں گے یہ ذلت کی پرچھائیاں لئے ہوئے بے آسرا و بے سہارا کھڑے ہوں گے۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جنہوں نے مزدوروں سے کام تو پورا لیا ہوگا لیکن مزدوری پوری نہ دی ہوگی، وہ بھی ہوں گے جو خود تو پیٹ بھر کر خوابِ خرگوش کے مزے لیتے تھے لیکن ان کا پڑوسی اور اس کے بچے بھوک کی وجہ سے کروٹیں بدل بدل کر رات گزار دیتے تھے۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کے نزلے کھانسی کا علاج یورپ کے ہسپتالوں میں ہوتا تھا لیکن ان کا دوسرا مسلمان بھائی غربت کی وجہ سے اپنے شہر کے ڈاکٹر کی دوا سے بھی محروم رہتا تھا۔

ان میں وہ لوگ بھی ہوں گے جن کی تجوریاں سونے چاندی سے بھری رہتی تھیں لیکن انہیں اپنے نادار بھائیوں پر خرچ کرنے کی طاقت نہیں ہوتی تھی۔ ان کے سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپا کر ان کی پیشانیوں کو، ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

ان میں نام نہاد لیڈر بھی ہوں گے جو عوام سے جھوٹے وعدے کرتے تھے، جو اپنی لیڈری چمکانے کے لئے غریبوں کا خون بہاتے تھے، جو سبز باغ دکھا کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے، جو پسے ہوئے انسانوں کے چندے سے عیاشیاں کرتے تھے، جو جھوٹ بولنے کو سیاست کہتے تھے، جو ضمیر فروشی کو وقت کی آواز کہتے تھے، جو غداری اور ابن الوقتی کو

مصلحت سمجھتے تھے، جو منافقت کو حکمت اور تدبیر بتاتے تھے، جو جلوت میں آتے تھے تو کچھ اور ہوتے تھے اور خلوت میں جاتے تھے تو کچھ اور ہوتے تھے۔

ہاں میرے بزرگو اور دوستو! یہ سب لوگ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہوں گے مگر اس دن کی ندامت کسی کام نہیں آئے گی۔

آیئے! ہم اپنی زندگی اس طرح گزار دیں اور اپنے کردار و عمل کی نوکِ پلک اس طرح سنواریں کہ ہمیں جہنم کے دروازے پر کھڑا نہ ہونا پڑے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مسلمان کے حقوق

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَمَّا بَعْدُ:

صدرگرامی قدراور معزز حاضرین! السلام علیکم

جس طرح ہماری شریعت میں عبادات کی اہمیت ہے اسی طرح ہماری شریعت میں مسلمانون کے حقوق کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں احادیث کے مطالعہ کی بنیاد پر مسلمان کے تیئس (23) حقوق بیان فرمائے ہیں۔

اگر ہم ان تمام حقوق کو صرف ایک لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو وہ لفظ محبت ہوگا، یعنی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس سے محبت کرے۔ جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں باہمی جنگ وجدل اور خون خرابہ نہیں ہوتا، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں ایک دوسرے کی عصمت وآبرو کی حفاظت کی جاتی ہے، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں نسلی اور لسانی تعصّبات نہیں ہوتے، جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں بغض وعناد اور حسد اور کینہ نہیں ہوتا۔ کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے:

محبت کی تجلی سے کدورت دور ہوتی ہے
محبت وجہ تسکین دِل رنجور ہوتی ہے
کلی بنتی ہے جنت کی جمال حور ہوتی ہے
یہی وہ آگ ہے جو مسکرا کر نور ہوتی ہے

سچ تو یہ ہے کہ مسلمان کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک دوسرے مسلمان سے محبت نہ رکھے۔

محبت کے بعد ہر مسلمان کا دوسرا حق یہ ہے کہ اس کی جان کو تحفظ دیا جائے۔

اسلام ہر کلمہ گو مسلمان کے خون کو دوسرے مسلمان کے لئے حرام کر دیتا ہے۔ خونِ مسلم کی اہمیت اور حرمت کو جاننے کے لئے اس منظر کو نظروں کے سامنے لائیے جب رسول اللہ ﷺ کعبے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کعبہ جو مرکزِ تجلیات ہے، وہ کعبہ جو مہبط انوار ہے، وہ کعبہ جو لاکھوں دلوں کا قرار ہے، وہ کعبہ جس کی بناء فرشتوں نے رکھی، وہ کعبہ جس کے معمار ہونے کا شرف ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حاصل ہوا، وہ کعبہ جس میں جنت کا ایک ٹکڑا حجرِ اسود نصب ہے، وہ کعبہ جس کا طواف زمین پر انسان اور آسمان پر فرشتے کرتے ہیں، وہ کعبہ جس کا انہدام بزمِ ہستی کے اختتام کی علامت ہوگا، اس کعبہ کو خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا: ''مجھے معلوم ہے کہ تو بڑی عظمت والا ہے لیکن مسلمان کے خون کی حرمت تیری عظمت و حرمت سے زیادہ ہے۔''

جان کے بعد مسلمان کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس کے مال کی بھی حفاظت کی جائے۔

ایک حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے:

''جو شخص کسی کی بالشت بھر زمین ظلماً زبردستی لے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالے گا۔''

ذرا سوچ لیجئے! وہ ضعیف انسان جو چند من وزن نہیں اٹھا سکتا وہ سات زمینوں کا طوق کیسے اٹھائے گا۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''خبردار! ظلم نہ کرو، خبردار! کسی آدمی کا مال جائز نہیں، مگر اس وقت جب کہ صاحب مال اپنی خوشی سے دے۔''

مسلمان کا چوتھا حق یہ ہے کہ بیماری، تکلیف میں، بھوک اور پریشانی میں اس کی مدد کی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے بیمار مسلمان کی صبح کے وقت عیادت کرے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہین اگر وہ شام کے وقت اس کی عیادت کرے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے باغیچہ ہوگا۔''

حاضرین گرامی!

جو رحیم وکریم آقا ایک طوائف کو صرف اس لئے بخش دیتا ہے کہ اس نے ایک پیاسے کتے پر شفقت کرتے ہوئے اسے پانی پلایا تھا، کیا وہ ایک کلمہ گو مسلمان کے ساتھ شفقت و محبت کا سلوک کرنے پر اس کو کھلانے اور پلانے پر اپنی رحمت اور مغفرت سے محروم رکھے گا؟ نہیں ہر گز نہیں، ایسا نہیں ہوگا، ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ اپنے وعدے کے مطابق اپنی مخلوق پر شفقت کرنے والوں کو آخرت میں تو نوازے گا ہی دنیا میں بھی محروم نہیں رکھتا ہے۔

مسلمان کا ایک اور حق یہ ہے کہ جب اس سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کو معاف کر دیا جائے کیونکہ اگر آج ہم اس سے درگزر کریں گے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہم سے در گزر فرمائیں گے۔

یہ تو مسلمان کے مسلمان پر چند بڑے بڑے حقوق تھے لیکن مسلمان کے صرف یہی حقوق نہیں بلکہ مختلف حیثیتوں میں مسلمان کے مختلف حقوق ہیں۔

مسلمان اگر یتیم ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اسے پیار دیا جائے تا کہ وہ احساسِ کمتری کا شکار نہ ہو، اس کے مال میں خیانت نہ کی جائے، اس کی صحیح نہج پر تربیت اور پرورش کی جائے۔ مسلمان اگر پڑوسی ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی خبر گیری کی جائے، اس کے ساتھ

احسان کیا جائے۔ مسلمان اگر آپ کا خادم ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اسے اچھا طعام اور لباس دیا جائے، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے ممکن ہو تو اسے کھانے میں اپنے ساتھ شریک کیا جائے۔

مسلمان اگر عالم دین ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، اس سے دینی مسائل میں استفادہ کیا جائے۔

مسلمان اگر بچہ ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ شفقت، محبت اور دِل لگی کا معاملہ کیا جائے۔

مسلمان اگر سفر میں ساتھی ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ خدمت میں مسابقت کی جائے زائد از ضرورت چیز اس کو دے دی جائے اور اگر وہ پیدل ہو تو اپنی سواری پر بٹھالیا جائے۔

مسلمان اگر مالک ہے تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کے مال میں خیانت نہ کی جائے، اس کے ساتھ خیر خواہی والا معاملہ کیا جائے۔

مسلمان اگر مزدور ہو تو اس کا حق یہ ہے کہ اس کی مزدوری پوری اور جلد دے دی جائے اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کیا جائے جس سے اس کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہو۔

دعا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام حقوق کے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مزدوراورِ اسلام

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

اٹھو! میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

گرامی قدر حاضرین کرام! السلام علیکم

آج یکم مئی ہے اور اس دن اکثر ممالک میں یومِ مزدور منایا جاتا ہے اس حوالے سے میں آپ کے سامنے ''مزدوراوراسلام'' کے موضوع پر اپنے خیالات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

معزز سامعین! یہ بہرحال ایک اٹل حقیقت ہے جسے ٹھکرایا نہیں جاسکتا کہ دنیا کی بہت ساری قوموں اور مہذب سوسائٹیوں میں مزدور اور مزدوری کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے اور مزدور کے حقوق کا استحصال کیا جاتا رہا ہے لیکن یہ اسلام ہی تھا جس نے مزدوری کو عظمت بخشی اور مزدور کو حقوق عطا کیے۔ اسلام نے جہالت میں ڈوبی ہوئی دنیا کے رہنے والوں کو بتایا کہ ارے جاہلو! مزدوری کو حقارت سے مت دیکھو، مزدوری تو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، رزقِ حلال کمانے والا مزدور تو اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوتا ہے، دن بھر محنت کرنے والا مزدور جب تھک ہار کر رات کو سوتا ہے تو اسے بخشش کا

پروانہ دیا جاتا ہے۔ مزدوری تو انسانیت کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو حضرت نوح علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کی ہے، مزدوری تو کائنات کے سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کی ہے۔ اگر محنت مزدوری عار کی بات ہوتی، نفرت والا عمل ہوتا، گھٹیا کام ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی محنت مزدوری نہ کرتے۔

سیرت کے اوراق کا مطالعہ کیجئے! آپ کو سید الرسل، خاتم الانبیاء، حبیبِ کبریا، شمعِ ہدیٰ، مکہ کی سنگلاخ وادیوں میں بکریاں چراتے ہوئے نظر آئیں گے۔

آگے بڑھیے، مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر ہو رہی ہے مہاجرین اور انصار پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے نازک ہاتھوں سے پتھر اٹھانے لگ جاتے ہیں۔

غزوہَ خندق سے پہلے خندق کھودی جا رہی ہے بڑا مشکل کام ہے، کٹھن مرحلہ ہے، سب صحابہ مشغول ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی فارغ نہیں ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں بھی کدال ہے اور بھاری چٹانوں کو توڑ رہے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم ایک غزوہ سے واپس آ رہے تھے راستے میں قیام ہوا، کھانا پکانے کا مشورہ ہوا، کسی نے کہا: میں جانور ذبح کروں گا، کسی نے کہا: میں گوشت بناؤں گا، کسی نے کہا: میں پکاؤں گا، کائنات کے امام نے کہا میں جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لاؤں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محنت مزدوری میں خود شامل ہو کر محنت کو عظمت بخشی، مزدور کو وقار عطا کیا، مزدوری کو کارِ فضیلت بنا دیا یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھی شاگرد کوئی بھی مرید، کوئی بھی صحابی محنت سے جی نہیں چراتا تھا۔ مزدوری میں عار محسوس نہیں کرتا تھا، مزدور کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم رزقِ حلال کمانے کے لئے تجارت کرتے

تھے، زراعت کرتے تھے، صنعت وحرفت کرتے تھے، محنت اور مزدوری کرتے تھے، ملازمت کرتے تھے اور ایسا کرنے میں وہ اپنی عزت سمجھتے تھے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو یہی تعلیم دی تھی، یہی تلقین کی تھی، اسی بات کی تاکید کی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رزقِ حلال کی خاطر لوگوں کے لئے اینٹیں بنائیں، کنویں سے ڈول نکال نکال کران کی زمینوں کو سیراب کیا، ایک دفعہ تورات بھر ایک یہودی عورت کے کھیتوں کو سیراب کرتے رہے اور اس نے ایک ڈول کے بدلے میں آپ کو ایک کھجور دی، آپ یہ کھجوریں لے کر سرورِ عالم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، آپ نے اس محنت مزدوری پر ان کی تعریف کی اور کھجوریں تناول فرمائیں۔

محنت مزدوری پر جس طرح آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف فرمائی اسی طرح آپ ہر مزدور کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے اس سے محبت کرتے تھے اسے عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضورِ اقدس ﷺ سے مصافحہ کیا تو ان کی ہتھیلی کچھ کھردری اور داغدار محسوس ہوئی حضور ﷺ نے دریافت کیا، یہ داغ کیسے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نعل بندی کا کام کرتا ہوں اور اس سے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور فرمایا: ''یہ وہ ہاتھ ہے جسے آگ نہیں چھو سکتی۔''

اللہ اکبر! میرے ساتھیو!

دورِ حاضر میں آپ کو بے شمار لوگ نظر آئیں گے جو مزدوروں کے حقوق کے چمپیئن بنتے ہیں لیکن وہ کسی مزدور کو اپنے دستر خوان پر بٹھانے کے لئے تیار نہیں، کسی مزدور کے گھر جانے کے لئے تیار نہیں، بغیر غرض کے کسی مزدور کے ساتھ ہاتھ ملانے کے لئے تیار

نہیں کیونکہ انہیں مزدور کے پسینے سے بو آتی ہے، انہیں مزدور کے گھر سے اور اس کے برتنوں سے گھن آتی ہے لیکن کائنات کے سردار کی سیرت کا مطالعہ کیجئے آپ مزدوروں کی عیادت کے لئے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے، انہیں اپنے دستر خوان پر بٹھاتے تھے، انہیں سینے سے لگاتے تھے۔ ارے! ان کے کھردرے ہاتھوں کو بوسے دیتے تھے۔ آپ کو ایسے لیڈر تو نظر آئیں گے جو چاہتے ہیں کہ غریب عوام ان کے ہاتھ چومیں لیکن کوئی ایک ایسا لیڈر دکھایئے جو غریبوں کے ہاتھ چومتا ہوں لیکن میرے حضور ﷺ مزدوروں کے ہاتھ اپنے ان مبارک لبوں سے چومتے تھے جن ہونٹوں پر وحی قرآنی مچلتی تھی، جن ہونٹوں کے تقدس پر ملائکہ کا تقدس قربان کیا جا سکتا ہے، جن ہونٹوں کی معصومیت پر کلیوں کا تبسم نثار کیا جا سکتا ہے۔

دکھایئے! کوئی ایسا رہنما جو اپنے کارکنوں کے لئے جنگل سے لکڑیاں اکٹھی کر کے لائے۔

دکھایئے! کوئی ایسا رہنما جو اپنے جفاکش ساتھیوں کے ساتھ خود بھی پتھر ڈھوتا ہو۔

دکھایئے! کوئی ایسا مقتدا جو مزدور کی حق تلفی پر اتنا تڑپتا ہو جتنا میرے حضور ﷺ تڑپتے تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے دے دو۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا: ’’میں قیامت کے دن تین آدمیوں سے جھگڑا کروں گا اور جس سے جھگڑا کروں گا اس پر غالب آ کر رہوں گا ان تین میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے کسی مزدور سے کام تو پورا لیا لیکن اس کی مزدوری پوری ادا نہ کی۔

یہ آپ ﷺ کا قائم کردہ نظام تھا جس میں کوئی مزدور علاج معالجہ کی سہولتوں سے محروم نہیں رہتا تھا، کسی مزدور کے بچے بھوکے نہیں سوتے تھے، کسی مزدور کو بڑھاپے میں محنت مزدوری نہیں کرنی پڑتی تھی، بیت المال سے اس کا وظیفہ متعین ہوتا تھا بلکہ ہر بچہ کا

وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر تھا۔ اگر آپ کو کبھی فرصت ملے تو فیکٹریوں، کارخانوں، دکانوں اور بازاروں میں ایک چکر لگا لیجئے آپ کو معصوم بچے، ضعیف الحال بوڑھے اور کمزور عورتیں محنت کرتی نظر آئیں گی اس کے باوجود آپ شکاگو کے مقتولوں کی یاد منا کر کبھی تو مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کو یہاں نافذ کرنا چاہتے ہیں کبھی سوشلزم اور کمیونزم کے نفاذ کے خواب دیکھتے ہیں۔

ارے اللہ تعالیٰ کے بندو! ان میں سے کوئی نظام بھی آپ کے دکھوں کا مداوا نہیں کر سکتا یہ نظام بری طرح ناکام ثابت ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی نظام آپ کے مسائل حل کر سکتا ہے، آپ کے گھروں میں خوشیوں کے چراغ جلا سکتا ہے، آپ کو غصب شدہ حقوق دلا سکتا ہے، آپ کے زخموں پر مرہم رکھ سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف اسلامی نظام ہے، آیئے! ہم سب مل جل کر اس نظام کے نفاذ کی کوشش کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

اِسلام میں عورت کا مقام

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

بعض جدید تعلیم یافتہ حضرات جن کو پڑھے لکھے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے، ان کی طرف سے یہ بات تواتر کے ساتھ کہی جا رہی ہے کہ عورت ہمارے معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ ہے، اس کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، اس کا استحصال ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہی جا رہی ہے کہ یورپ نے عورت کو آزادی دی ہے، اس کو حقوق دیئے ہیں، اس کو مردوں کے برابر لا کھڑا کیا ہے جس کی بدولت وہ خوب ترقی کر رہی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کسی مذہب، کسی تمدن، کسی سوسائٹی اور کسی قانون نے عورت کو وہ مقام اور مرتبہ نہیں دیا جو اسلام نے اسے دیا ہے۔

تاریخ اٹھا کر دیکھئے! قدیم یونان میں عورت کو شیطان کی بیٹی اور نجاست کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا، وہ غلاموں کی طرح بازار میں بیچی جاتی تھی، میراث میں اس کا کوئی حق نہ تھا۔

رومیوں نے عورت کو جانور کا مقام دیا تھا۔ نکاح کو عورت کے خریدنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، اصولاً عورت کو ہمیشہ نابالغ سمجھا جاتا تھا، معمولی قصور پر عورت قتل کر دی جاتی تھی۔

اہل عرب زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔

یہودیوں کے ہاں کافی عرصہ اس بارے میں اختلاف رہا کہ عورت انسان ہے بھی یا

نہیں، بہت سوں کا خیال تھا کہ عورت ایک انسان نما حیوان ہے جسے مردوں کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

ہندو عورت کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے تھے، شوہر مر جاتا تو بیوی کو بھی شوہر کی چتا پر زندہ جل کر مر جانا پڑتا تھا۔

عیسائیوں کے ہاں عورتوں کی کیا قدر و قیمت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سن 582ء میں کلیسا کی ایک مجلس نے فتویٰ دیا تھا کہ عورتیں روح نہیں رکھتیں۔ عجیب اتفاق ہے کہ جب کلیسا یہ فتویٰ جاری کر رہا تھا کہ عورتوں میں روح نہیں ہوتی اس سے چند سال پہلے جزیرۃ العرب میں وہ آخری نبی پیدا ہو چکا تھا جو تمام کچلے ہوئے انسانوں کے حقوق کا محافظ تھا۔

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ نے عورت کو ذلت اور پستی کی گہرائیوں سے اٹھایا اور عظمت و رفعت کے بلند مقام پر فائز کر دیا۔

اگر آپ دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں اسلام کا مطالعہ کریں تو آپ بے ساختہ بول اٹھیں گے۔

عورت تحت الثریٰ تھی اسلام نے اس کو فوق الثریا پہنچا دیا......

وہ گرد راہ تھی اسلام نے اس کو سرمۂ چشم یعنی نورِ چشم بنا دیا......

وہ کانٹوں کے بستر پر تھی اسلام نے اس کو پھولوں کی سیج پر بٹھا دیا......

وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھی اسلام نے اس کو زندگی عطا کی......

وہ زیبِ میخانہ تھی اسلام نے اس کو زینتِ کاشانہ بنا دیا......

وہ پامال تھی اسلام نے اس کو باکمال بنا دیا......

وہ برباد تھی ناشاد تھی اسلام نے اس کو شاد کیا آباد کیا......

اس کا کام صرف مرد کے دِل کو لبھانا تھا اسلام نے اس کے ذمے گھر کو سجانا لگا دیا۔
موازانہ کیجئے! کہاں تو ایک طرف وہ معاشرہ تھا
جس میں بیٹی کا ہونا باعثِ شرم تھا
وہ پاپ تھی، مجسم گناہ تھی
نحوست تھی، بدبختی کی علامت تھی
وہ شیطان کا نمائندہ تھی، زہریلا سانپ تھی
وہ کڑوا گھونٹ تھی، ہاتھوں کی میل کچیل تھی
وہ پاؤں کی دھول تھی، بوجھ تھی، اسلام نے اسے عظمت عطا کی، عزت دی۔
میرے ہم مکتب ساتھیو! میں تسلیم کرتا ہوں کہ اسلام عورت کے حسن کو، اس کو جوانی کو پردے میں قید کرتا ہے لیکن اسلام عورت کو آزادی دیتا ہے، اسلام عورت کو عمر کے ہر حصے میں قابل احترام ٹھہراتا ہے۔
اسلام عورت کو بچپن میں شفقت دیتا ہے۔
اسے جوانی میں محبت دیتا ہے۔
اسے بڑھاپے میں عظمت دیتا ہے۔
اسے مرنے کے بعد دعائے مغفرت کا حق دیتا ہے۔
میں یورپ کے اندھے پرستاروں سے پوچھتا ہوں! تم نے عورت کو کیا دیا؟
تم کہتے ہو ہم نے عورتوں کو حقوق دیئے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ تم نے عورت کے حقوق چھین لیے۔
تم نے عورت کی ممتا گم کر دی......
تم نے عورت سے اس کا گھر گرہستن کا کردار چھین لیا......

تم نے بہن کے سر سے آنچل کھینچ لیا......

تم نے بیٹی کو شفقت اور محبت سے محروم کر دیا......

تم نے عورت کے حسن کو تماشہ بنا دیا......

تم نے اس کی جوانی کو کھلونا بنا دیا......

تم نے اس کے جسم کو جنسِ ارزاں قرار دیا ہے......

تم عورت کو شمعِ محفل بنانا چاہتے ہو اسلام نے اس کو زینتِ کاشانہ بنایا ہے......

تم عورت کے حسن کو اجاگر کرنا چاہتے ہو اسلام نے اس کی نسوانیت کو نمایاں کیا ہے......

تم عورت کی قیمت اس کے ظاہر سے لگاتے ہو اسلام اسکی قدر باطن کے اعتبار سے کرتا ہے......

تم عورت کو چوراہے پر لانا چاہتے ہو لیکن اسلام اعلان کرتا ہے......

اللہ تعالیٰ کے بندو! عورت کو عورت ہی رہنے دو اسی میں فائدہ ہے......

عورت کا بھی، مرد کا بھی، بچوں کا بھی، تمدن کا بھی، گھر کا بھی، دین کا بھی، دنیا کا بھی۔

آپ اسلام کے علاوہ کوئی بھی ایسا مذہب نہیں دکھلا سکتے، کوئی بھی ایسا قانون نہیں بتلا سکتے......

جس میں بیٹی کی تربیت کو جنت کی ضمانت بتلایا گیا ہو......

جس میں اچھی بیوی کو آدھا ایمان قرار دیا گیا ہو......

جس میں ماں کو اُف تک کہنے کی اجازت نہ ہو......

جس میں ماں کے قدموں کے نیچے جنت بتائی گئی ہو......

جس مذہب نے عورتوں کو اس وقت عزت دی ہو جب عورت کے انسان ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بحثیں ہو رہی تھیں۔

پھر آپ سوچئے تو سہی کہ اسلام عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھ بھی کیسے سکتا ہے؟ جب کہ عورت کے بطن سے نبی بھی پیدا ہوتا ہے، صحابی بھی پیدا ہوتا ہے اور محدث، مفسر،

قطب، ابدال، ولی بھی اسی کے پیٹ سے جنم لیتا ہے۔

اسلام اگر عورت کو حقوق نہ دیتا تو اسلامی تاریخ میں کوئی صحابیہ، کوئی عالمہ، کوئی محدثہ اور کوئی مفسرہ، پیدا نہ ہوتی۔ اگر اسلام عورت کو حقوق نہ دیتا تو ہماری تاریخ میں سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں، حضرت اسماء بنتِ ابی بکر اور حضرت خنساء رضی اللہ عنہا نہ ہوتیں۔

اسلام پر طعنہ زنی کرنے والو!

اگر اسلام عورت کو حقوق نہ دیتا تو سنگدل باپ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے رہتے

اگر اسلام عورت کو مقام نہ دیتا تو بیٹی کی پیدائش پر کوئی باپ سر اٹھا کر نہ چل سکتا

اگر اسلام عورت کو آزادی نہ دیتا تو کسی عورت کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جاہ وجلال والے خلیفہ پر برسرِ عام تنقید کی جرأت نہ ہوتی۔

اگر اسلام عورت کو مقام نہ دیتا تو وہ ہمیشہ کی طرح بتوں اور دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھتی رہتی۔

اگر اسلام عورت کو حقوق نہ دیتا تو مسلمانوں میں بھی بیویوں کو طلاق دینے اور گھر سے نکالنے کا سلسلہ عام ہوتا۔

اگر اسلام عورت کو عظمت نہ دیتا تو بوڑھی مسلمان خواتین کے لئے بھی ریٹائرڈ ہوم تعمیر کروانے پڑتے۔

معزز حاضرین!

اسلام نے عورت کو جو صحیح مقام دیا ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور یورپ کے سراب کے پیچھے چل کر اپنے گھر کی پرسکون زندگی کو، اپنے عزت ووقار کو، اپنے دین اور دنیا کو تباہ نہ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری قوم کو ان نام نہاد وکیلوں اور جھوٹے غمخواروں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

پردہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

صدر گرامی قدر و حاضرین کرام! السلام علیکم

میری آج کی اس تقریر کا موضوع ہے "پردہ" جو ہماری اسلامی ثقافت کا آئینہ دار ہے، ہماری تہذیب کا شعار ہے، ہماری غیرت ایمانی کا تقاضہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمارا تعلق اسلام سے ہے ہمارے لئے سب سے بڑی حجت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ نے انتہائی تاکیدی الفاظ میں پردے کا حکم دے دیا تو اب اگر ساری دنیا پردے کی مخالفت پر جمع ہو جائے، تمام ڈاکٹر اسے مضرِ صحت کہہ دیں، نام نہاد مفکرین اور سائنسدان اسے ترقی کی راہ کا سنگِ گراں کہہ دیں، یورپ کی بہکی ہوئی عقل اسے نسوانیت پر ظلم کا نام دے، ہماری خواتین پر متحرک خیموں اور کفن پوش جنازوں کی پھبتیاں کسی جائیں، ہمیں دقیانوسیت کے طعنے دیئے جائیں، فرنگی حکمران ہم سے روٹھ جائیں، سات سمندر پار ہمارا داخلہ ممنوع قرار دے دیا جائے، ہم یہ سب کچھ برداشت کر لیں گے، ہم سب کو ناراض کر لیں گے لیکن ربِ کبریا اور اپنے رہبر و رہنما کو ناراض نہیں کریں گے۔ ہماری فکر اور سوچ تو یہ ہے کہ:

سارا جہاں ناراض ہو پروا نہ چاہیے
مدِ نظر تو مرضی جانا نہ چاہیے

بس اس نظر سے دیکھ کر تو کر یہ فیصلہ
کیا کیا کرنا چاہیے کیا کیا نہ چاہیے

اور ہماری زندگی کا منشور تو یہ ہے کہ:

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کاری باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر زیاری باید کرد

سرمد کہہ رہے ہیں کہ لمبی چوڑی باتوں اور طول طویل تقریروں کا کوئی فائدہ نہیں دو کاموں میں سے ایک کام کرنا چاہیے، یا تو دوست کی خاطر سردھڑ کی بازی لگا دینی چاہیے یا پھر دوست کی دوستی سے دست بردار ہو جانا چاہیے اور عشق ومحبت کے بھاری بھرکم دعوے چھوڑ دینے چاہئیں۔ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ

دعوے دین داری کے اور یقین فرنگیوں کے خرافات پر، دعوے ایمان کے اور نظر یورپ کی تہذیب وثقافت پر، دعوے عشقِ رسالت کے اور لباس اسلام دشمنوں کا، نعرے امریکہ مردہ باد کے اور رگ رگ میں محبت ان کی مادر پدر آزادی سے، ایسا کرنا منافقت نہیں تو اور کیا ہے۔

کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے:

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

دوغلی پالیسی اختیار نہ کریں بلکہ یک سو ہو کر فیصلہ کریں۔

یا مکن با پیل باناں دوستی
یا بنا کن خانہ بر انداز پیل

یا تو ہاتھی والوں سے دوستی نہ لگاؤ اور اگر دوستی لگا ہی لی ہے تو ہاتھی کے قد اور کاٹھ کو سامنے رکھ کر اپنا مکان ایسا بناؤ جس میں ہاتھی سما سکے۔

یہ تو عرب کے ان بدوؤں والا انداز ہوا جو زبان سے ایمان کے دعوے کرتے تھے مگر ان کے دِل ایمان سے خالی تھے۔ صحابہ کے نزدیک کسی عورت کے آزاد ہونے کی نشانی یہ تھی کہ وہ باپردہ ہوگی اور جو عورت بے پردہ ہوتی تھی وہ سمجھ جاتے تھے کہ یہ آزاد نہیں ہے بلکہ کنیز ہے کیونکہ کنیز کو شریعت نے ایک حد تک پردہ کھولنے کی اجازت دی ہے۔

اگر صحابہ کرام کی اس سوچ کی بناء پر میں یہ کہوں تو بے جانہ ہوگا کہ آزاد عورتیں صرف وہی ہیں جو باپردہ رہتی ہیں اور جو عورتیں بے پردہ رہتی ہیں وہ حقیقت میں لونڈیاں ہیں، وہ غلامی کی زندگی بسر کر رہی ہیں، ان کے گلے میں غلامی کے طوق پڑے ہیں۔ رسم ورواج کی غلامی کا طوق، نفسانی خواہشات کی غلامی کا طوق، یورپ کی قابل نفرت ثقافت کی غلامی کا طوق۔

''پردہ'' سے بیشتر معاشرتی خرابیوں اور جرائم کا سد باب ہوسکتا ہے۔ پردے سے بے حیائی کا خاتمہ ہوسکتا ہے، پردے سے فحاشی وعریانیت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، پردے سے نوجوان نسل بے راہ روی سے بچ سکتی ہے۔ معمولی سی عقل رکھنے والا شخص بھی پردے کی حکمتوں سے بے بہرہ نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس فرض کے زندہ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

نوجوانوں سے چند باتیں

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

میں آج کی اس نشست میں اپنے نوجوان ساتھیوں سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور میری تقریر کا موضوع بھی یہی ہے۔

تاریخ کے ہر دور میں نوجوان ہر انقلابی جماعت کا ہراول دستہ رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے جب کبھی انسانوں کے سامنے اپنی انقلابی دعوت کو پیش کیا ہے تو ان کی آواز پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ تعداد میں لبیک کہنے والے نوجوان ہی تھے۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں دار ارقم میں جو چند خوش بخت افراد جمع ہوئے تھے اور جنہوں نے ایک انقلابی جماعت کی تشکیل کی تھی وہ نوجوانوں ہی کی جماعت تھی۔ چنانچہ بعثت و نبوت عطا کئے جانے کے وقت حضورِ اکرم ﷺ کی عمرِ مبارک چالیس سال تھی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ سے تین سال چھوٹے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عمر ستائیس سال تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی آپ سے عمر میں چھوٹے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو سب سے چھوٹے تھے اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت الارقم بن ابی الارقم، حضرت سعید بن زید، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت بلال بن رباح، حضرت عمار بن یاسر وغیرہ دسیوں بلکہ سینکڑوں حضرات یہ سب کے سب نوجوان ہی تھے۔

اور یہ نوجوان حضرات ہی تھے جنہوں نے اپنے سامنے دو عظیم سلطنتوں فارس اور روم کو سرنگوں کیا تھا اور جن کا عظیم سایہ مشرق میں سندھ کے شہروں اور شمال میں خزر، آرمینیہ اور روس میں پھیلا! اور جن کا عدل وانصاف شام، مصر، برقہ، طرابلس اور باقی افریقہ میں جا داخل ہوا اور یہ سب کچھ صرف پینتیس (35) سال میں ہوا۔ بنوامیہ کے دور میں ان کی حکومت اور وسیع ہوئی، سلطنت اور پھیلی یہاں تک کہ وہ سندھ کے شہروں اور ہند کے بڑے حصے اور ترکستان میں داخل ہو گئے اور مشرق میں چین کی حدود تک پہنچ گئے اور مغرب میں یورپ کے شہر اندلس میں داخل ہو گئے۔

ایک نوجوان حضرت عقبہ بن نافع جو مغرب کے بالکل آخری سرے میں محیطِ اطلنطسی کے کنارے تک جا پہنچے وہ گھوڑے پر سوار تھے جس کی ٹانگیں پانی میں۔ فرمانے لگے:
''اے اللہ! محمد ﷺ کے پروردگار! اگر یہ سمندر درمیان میں حائل نہ ہوتا تو میں آپ کے کلمہ اور دین کی سربلندی کے لئے ساری دنیا کو فتح کر لیتا لہٰذا اے اللہ! گواہ رہیے گا۔''

ایک اور نوجوان حضرت قتیبہ باہلی جو مشرق کے اخیر تک چلے گئے اور انہوں نے چین میں داخل ہوئے بغیر واپس آنے سے انکار کر دیا تھا تو ان کے ایک ساتھی نے ازراہِ شفقت انہیں ڈراتے ہوئے ان سے کہا: ''اے قتیبہ! آپ ترکیوں کے علاقے میں بہت دور تک نکل گئے ہیں اور حوادثاتِ زمانہ آتے ہیں۔ یعنی ذرا احتیاط کیجئے اتنی دور تک نہ جایئے۔'' تو ایمان سے سرشار ہو کر حضرت قتیبہ نے جواب دیا: ''میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت کے اعتماد پر دور تک چلا گیا ہوں اور جب وقت پورا ہو جائے تو حفاظت کا ساز و سامان کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔''
جب اس نصیحت کرنے والے نے حضرت قتیبہ کا عزمِ مصمم اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے آگے سے آگے بڑھنے کو محسوس کر لیا تو ان سے کہا: ''اے قتیبہ! آپ جہاں جانا چاہیں چلے جائیں اس لئے کہ آپ کا عزم اتنا زبردست ہے کہ جسے اللہ جل شانہٗ کے علاوہ کوئی ختم نہیں کر سکتا۔''

اندلس کے ساحل سے پوچھیے، دیبل کی بندرگاہ سے معلوم کیجئے، طارق بن زیاد اور محمد بن

قاسم کی جوانی کیسی تھی؟ اے نوجوان ساتھیو! آؤ ہم شام کے شہروں، عراق کی مضافاتی بستیوں، اندلس کے باغات، ہند کے علاقوں، چین کے اطراف اور دنیا کے دوسرے مقامات سے ان عظیم بہادروں کے حالات پوچھتے ہیں جنہوں نے ایمان اور اسلام کی تربیت حاصل کی تھی اور مسجدِ نبوی، مسجدِ حرام، مسجدِ قرطبہ، جامعہ ازہر اور جامعہ اموی سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے تھے۔
ان نوجوانوں نے آزادی کا علم اس وقت بلند کیا جب دوسری قومیں غلامی کی قید میں جکڑی ہوئی تھیں اور عقیدۂ توحید کو لوگوں میں اس وقت پھیلایا جب ان کی عقل جاہلیت کے طوق میں جکڑی تھی اور عدل و انصاف کا بازار اس وقت گرم کیا جب روم اور فارس نے مختلف قوموں کو اپنی خواہشات کے لئے مسخر کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں نے اعلیٰ کارناموں میں مال و دولت کو اس وقت خرچ کیا جب دوسرے لوگ اسے ظلم کے ذریعے جمع کر رہے تھے۔

انہوں نے عزت و آبروؤں کی اس وقت حفاظت کی جب دوسرے لوگ ماؤں، بہنوں کو فروخت کر رہے تھے۔ ان کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتی تھیں اور دوسروں کے سامنے بلند ہوتی تھیں، ان کی عقول حق پر ایمان لا چکی تھیں اور انہوں نے ہر باطل کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ حضرات دین پر ایمان لائے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو سر بلند کریں۔ انہوں نے دنیا کے کام اس لئے کئے تاکہ اس کے ذریعے دین کی خدمت کر سکیں، انہوں نے دنیا پر حکومت کر کے اسے امن و سلامتی سے بھر دیا، ان پر حوادث کے جھکڑ چلے لیکن انہوں نے خندہ پیشانی سے ان کا مقابلہ کیا اور ان پر جس نے ظلم کیا انہوں نے اس کو تازیانۂ عبرت بنا دیا۔

ان کی نظر میں شہداء کا خون جوانوں اور مردوں کا عطر سمجھا جاتا تھا، دشمنوں کے تیر ان کے سینے میں عزت و کمال کے نشان تھے اور دین کی خاطر موت کے منہ میں چلا جانا ان کی عورتوں اور بچوں کے ترانے تھے، شہیدوں کے قافلے ان کے سامنے خوشی اور شادی کا منظر پیش کرتے تھے، تلواروں کی کھنک ان کے کانوں میں نغمے اور خوش کن آوازیں تھیں، ان کی

مائیں گودوں اور پلنگوں پر انہیں سخت ترین جنگوں کی تربیت دیا کرتی تھیں۔

میرے دور کے نوجوان ان انقلابیوں اور جانثاروں کے نام تو لیتے ہیں لیکن انہیں ان سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے سودائی تھے یہ دنیا کے سودائی ہیں، وہ یکجائی تھے یہ ہرجائی ہیں، وہ نفس شکن تھے یہ نفس پرست ہیں، وہ مجاہد تھے یہ مجاور ہیں، وہ بہادر تھے یہ بزدل ہیں، وہ آپس میں مہربان تھے یہ آپس میں غضبناک ہیں، وہ خطا پوش اور کریم تھے یہ خطا کار ہیں اور خطابین ہیں، وہ غیور اور خوددار تھے یہ غیرت اور خودداری سے خالی ہیں، وہ سراپا کردار تھے یہ سراپا گفتار ہیں، وہ نشۂ توحید میں سرشار تھے یہ بزمِ رقص ونغمہ میں مست ہیں، وہ عزت وناموس کے محافظ تھے یہ لٹیرے ہیں، وہ شہادت کے متلاشی تھے یہ شہادت سے گریزاں ہیں، وہ فلک تھے یہ زمین ہیں، وہ پھول تھے یہ کانٹے ہیں، وہ بہار تھے یہ خزاں ہیں، وہ نور تھے یہ ظلمت ہیں، وہ عدل تھے یہ ظلم ہیں، اُن کا وجود باعثِ رحمت تھا اِن کا وجود باعثِ زحمت ہے۔

میں حضرت اقبال کے ان اشعار پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبر بھی کیا تونے؟
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اِک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سرِ دارا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا
تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت وہ سیار

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

سکونِ قلب

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

میری آج کی تقریر کا موضوع ہے: ''سکونِ قلب''

آپ اگر غور سے دیکھیں تو آپ کو اس دور میں ہر شخص مضطرب اور پریشان نظر آئے گا، جسے دیکھیں اسے روزگار کی، عزیز واقارب کی اور دوست واحباب کی، حالات کی شکایت کرتا ہوا پائیں گے۔ کسی کو سکون اور راحت حاصل نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ نہ جمہوریت ہے، نہ حقوق ہیں، نہ معاشی مسائل ہیں بلکہ سب سے بڑا مسئلہ دِل کے سکون اور اطمینان کا فقدان ہے حالانکہ آج کے انسان کو راحت اور آسائش کے وہ وسائل اور سامان حاصل ہیں جن کا اسکے آباؤاجداد نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ یہ فرّاٹے بھرتی کاریں، یہ دِنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنے والے ہوائی جہاز، یہ نرم وگداز گدیلے، یہ فرجیں اور ائرکنڈیشنڈ، یہ ساری چیزیں ہمارے آباؤ اجداد کو کہاں حاصل تھیں، لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے مقابلے میں زیادہ پرسکون زندگی گزارتے تھے اور ہم راحت کے تمام اسباب کے باوجود مضطرب اور پریشان ہیں بلکہ صورت حال تو کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ جن لوگوں کو زیادہ آسائشیں میسر ہیں وہ زیادہ پریشان ہیں۔

چنانچہ مضطرب اور بے قرار انسان نے دِل کا سکون حاصل کرنے کیلئے بے شمار غلط

راستے اختیار کئے لیکن اسے سکون نہ مل سکا۔ کسی نے سوچا کہ راحت اور سکون اقتدار میں ہے لیکن اقتدار ملنے کے بعد پتہ چلا کہ یہاں تو ایک لمحے کا سکون نہیں۔ عبدالرحمٰن اموی جو اسپین میں پچاس برس تک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا، جب دنیا سے رخصت ہوا تو لوگوں نے سنا وہ کہہ رہا تھا: میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف چودہ دن سکون کے دیکھے ہیں۔

کوئی سمجھتا ہے کہ سکون دولت کی کثرت سے ملتا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کا یہ حال ہے کہ انہیں کاروباری اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے راتوں کو نیند نہیں آتی وہ خواب آور گولیوں کے بغیر سو نہیں سکتے۔

یونان کے کروڑ پتی تاج اور سٹائل اوناسس کی بیٹی کرسٹینا اپنے باپ کی وارث اور یونان کی صنعتِ جہاز رانی کی ملکہ ہے مگر اس ساری دولت سے وہ دِل کا سکون نہیں خرید سکی۔ وہ ساری دنیا میں ماری ماری پھرتی ہے، اس نے کئی شادیاں کیں مگر پھر بھی اسے سکون نہیں مل سکا۔

کسی کا خیال ہے کہ اگر انسان کی جنسی خواہشات پوری ہو جائیں تو اسے سکون مل سکتا ہے چنانچہ یورپ میں جنسی خواہشات کیلئے زِنا عام کر دیا گیا۔ زِنا کاری اور لواطت کو قانونی تحفظ دیدیا گیا، باہمی رضامندی سے جب چاہیں، جہاں چاہیں، جس سے چاہیں زنا ہو سکتا ہے، بیویوں کا آپس میں تبادلہ ہو سکتا ہے، عورتیں کرائے پر مل جاتیں ہیں۔ انڈیانا اسٹیٹ میں ایک شہر آباد ہے جس میں چھوٹے بڑے، مرد اور عورت سب مادرزاد ننگے رہتے ہیں لیکن اتنی آزادی کے باوجود اضطراب کا یہ عالم ہے کہ امریکہ میں ہر تین منٹ میں ایک قتل ہوتا ہے،

ہر تیرہ سیکنڈ میں ایک زنا بالجبر کیا جاتا ہے،

ہر اکیاسی سیکنڈ میں کوئی زبردست ڈاکہ پڑتا ہے،

کسی کی سوچ یہ ہے کہ منشیات کے استعمال سے سکون ملتا ہے لیکن کون نہیں جانتا منشیات نے کتنے گھرانوں کو تباہ کیا ہے اور لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

یہ تمام ذرائع انسان کو حقیقی سکون نہیں دے سکے اور انسان سکون کی تلاش میں دیوانوں کی طرح مارا مارا پھر رہا ہے، اب خدا کی طرف سے پکار آتی ہے:

میرے بندے تو نے دولت کے انبار لگائے مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے وزارتیں اور بادشاہتیں حاصل کر لیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے رقص و سرود کی محفلیں جمائیں لیکن تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے فحاشی، عریانی اور بدکاری کی انتہا کر دی مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے جوئے اور سٹے کا بازار گرم کیا مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے ساغر و مینا، شراب، ہیروئن، چرس اور بھنگ کا استعمال کر دیکھا مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے نت نئے فیشن اختیار کئے مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے کوہ پیمائی کی مہمیں سر کیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے کھیلوں میں کمال حاصل کر لیا مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے سمندروں اور صحراؤں کو چھان مارا مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو چاند اور ستاروں تک جا پہنچا مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے سائنسی علوم سے حیرت انگیز مشینیں بنا لیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا،

آ!

بھولے بھٹکے مسافر میرے دروازے پر آ، میں تیرا رب ہوں، میں تیری ضروریات کا کفیل اور مالک ہوں، میں تجھے حصولِ سکون کا راستہ دکھاؤں گا یہ چیزیں تجھے سکون نہیں دے سکتیں۔

او ظلوم اور جہول انسان! تو بھی کتنا پگلا ہے، انگاروں پر بیٹھا ہے اور چاہتا ہے مجھے ٹھنڈک نصیب ہو۔

گندگی کے ڈھیر پر بیٹھ کر چاہتا ہے کہ مجھے خوشبو کے دلنواز جھونکے آئیں،

کانٹوں پر بستر بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ چبھن نہ ہو،

تیل چھڑک کر تیلی جلاتا ہے اور چاہتا ہے کہ آگ بھی نہ لگے،

اپنے خالق اور مالک کو بھلا رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھ پر پریشانیاں بھی نہ آئیں۔

او میرے پاگل بندے!

تجھے نہ سیم وزر کی چھنا چھن سکون دے سکتی ہے......

نہ تخت وتاج تیرے دِل کے اضطراب کو دور کرسکتا ہے......

نہ رقص وسرور اور میوزک تیری قلبی بیماریوں کا علاج ہے......

نہ زِناکاری اور فحاشی تجھے مطمئن رکھ سکتی ہے......

نہ منشیات کا استعمال تیرے قلب ودماغ کو سکون دے سکتا ہے......

اگر تجھے سکون ملا تو میری یاد کی چھاؤں میں ملے گا......

میرے ذکر کی خوشبو میں ملے گا۔

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴾

تمہیں دِل کا سکون اور سچی خوشی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، تم جب تک گناہوں کو نہیں چھوڑو گے تمہاری پریشانیاں کبھی دور نہیں ہوں گی۔

آیئے!

آج ہم عہد کریں کہ آج کے بعد ہم کبھی بھی زندگی کے کسی شعبے میں بھی کتاب وسنت کی مخالفت نہیں کریں گے۔ پھر دیکھیے گا ہمیں سکونِ قلب کیسے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارا گھر

جنت کا نقشہ پیش کرے گا، ہمیں روکھی سوکھی روٹی میں وہ لذت نصیب ہوگی جو امراء کو مرغن غذاؤں میں نصیب نہیں ہوتی، ہمیں گھاس پھونس کے بستر پر ایسی نیند آئے گی جو اللہ تعالیٰ کے باغیوں کو حریر و کمخواب کے بستر پر نہیں آتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نافرمانی چھوڑ کر فرمانبردار بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

خلافت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

صدر گرامی قدر و معزز حاضرین کرام!

السلام علیکم

یوں تو اس کائنات میں بے شمار عجائبات ہیں جن کے بارے میں انسان بے پناہ سائنسی ترقی کے باوجود حیرت و استعجاب میں مبتلا ہے لیکن ان تمام عجائبات میں سب سے بڑا عجوبہ خود انسان ہے۔

کسی نے انسان کے کرتوتوں کو دیکھا تو شیطان کہہ دیا...... کسی نے اس کے کمالات کو دیکھا تو بھگوان کہہ دیا...... کسی کو وہ خیر کا پتلا نظر آتا ہے...... کسی کو وہ شر کا مجسمہ دکھائی دیتا ہے...... کسی نے اس کی کمزوریوں کو دیکھا تو کہا ضعیف البنیان ہے...... کسی نے اس کے کارناموں کو دیکھا تو کہا مخفی قوتوں کا جہان ہے...... کسی نے کہا ہمالیہ ہے...... کسی نے کہا ذرّہ ہے...... کسی نے کہا دریا ہے...... کسی نے کہا قطرہ ہے، کسی نے کہا شعلہ ہے، کسی نے کہا شبنم ہے...... کسی نے کہا خاک ہے...... کسی نے کہا آسمان ہے...... کسی نے کہا جہان ہے...... کسی نے کہا جانِ جہان ہے۔

اس کی زندگی کے مقاصد پر بحث ہوئی تو ایک نے کہا کہ انسان کا مقصد حیات یہ ہے کہ کھائے، پیئے اور مرجائے۔

اکبر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست
ایہہ جہان مٹھاتے اگلا کسی نے ڈٹھا

دوسرے نے کہا کہ انسانی زندگی صرف گھیان دھیان کے لئے ہے۔انسان پر لازم ہے کہ وہ اہل وعیال اور مال ومنال کو چھوڑ کر جنگل میں بسیرا کرلے، کسی پہاڑ کے غار میں ٹھکانہ بنا لے اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں سے کنارہ کش ہو کر عبادت وریاضت میں زندگی گزار دے۔

تیسرے نے کہا کہ انسان تو صرف سائنسی تحقیقات، علمی انکشافات اور نئی نئی ایجادات کے لئے پیدا ہوا ہے اس کا نصب العین صرف یہ ہے کہ وہ اس نظر آنے والی دنیا کی بکھری ہوئی زلفوں کو سنوارے۔

مگر میں جب کلام اللہ سے پوچھتا ہوں کہ اے خالقِ کائنات کی سچی کتاب، اے حقائق کے بند دروازے کھولنے والی کلید لاجواب، تو بتا کہ انسان کی زندگی کا نصب العین کیا ہے تو قرآن مجید دو لفظوں میں جواب دے کر کوزے میں دریا بند کر دیتا ہے۔قرآن کہتا ہے کہ انسان عبد بھی ہے اور خلیفہ بھی اس کی ساری زندگی کا محور اور مقصد عبادت وخلافت ہے۔

جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لئے کہ انسان مخلوق ہے، محتاج ہے، کمزور ہے اور محتاج کا کام یہ ہے کہ غنی کے سامنے جھکے اور اس کے آگے سجدہ کرے۔اس لئے کہ اگر ہمارے پاس سب کچھ ہو تو ہمیں اس سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ہم تبھی حاجت مندی اس کے سامنے پہنچاتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ موجود نہیں۔

انسان کی زندگی کا دوسرا محور اور مقصد خلافت ہے، کیونکہ یہی انسان جیسے مخلوق کے نمونے رکھتا ہے، خالق کے نمونے بھی رکھتا ہے۔اس پر یہ فریضہ بھی عائد ہوا کہ جو کام خالق کرتا ہے یہ بھی وہ کام کرے۔خالق کا کام ہے اپنی مخلوق کو پالنا، اس کی تربیت کرنا، اس کو ہدایت کرنا۔اس نے مخلوق کو تعلیم دی: اپنے بھائیوں پر رحم کرو جیسے میں تم پہ رحم کرتا ہوں،

جس طرح میں تمہیں راستہ دکھلاتا ہوں تم بھی اپنے بھائیوں کو راستہ دکھاؤ۔ جیسے میں تمہاری تربیت کر رہا ہوں تم بھی اپنے بچوں اور اہل وعیال کی تربیت کرو۔

یعنی میری طرف سے نائب بن کر وہ کام کرو جو میرے کام ہیں، میں مدبر ہوں تم بھی تدبیر کرو، میں موجد ہوں تم بھی ایجادیں کرو، میرا کام ہدایت دینا ہے تم بھی دنیا کے لئے ہادی ہو، میرا کام احکام جاری کرنا ہے تم بھی میرے نائب بن کر احکام جاری کرو۔

حاصل یہ نکلا کہ ایک فریضہ انسان پر عبادت کا ہے اور ایک فریضہ خلافت کا عائد ہوتا ہے ایک طرف جھک کر عبادت کرے گا اور ایک طرف تخت پہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نائب بن کر اس کی کائنات میں تصرفات کرے گا۔

معزز حاضرین!

خلافت ایک ایسی عادلانہ سلطنت کے قائم کرنے کا نام ہے جس کا قانون اللہ تعالیٰ کا قانون ہو، جس کی حکومت اللہ تعالیٰ کی حکومت ہو اور جس میں ہر شخص ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور محکوم ہو کیونکہ اسلامی سلطنت کسی بادشاہ اور اس کے خاندان کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ ملکیت تو صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن اس کی نیابت سارے مسلمانوں کا یکساں حق ہوتی ہے۔

یہی نظام، نظامِ خلافت ہے جس میں عدل وانصاف پانی اور ہوا کی طرح عام ہو جاتا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس میں کوئی مفلوک الحال شخص غربت سے تنگ آکر خودکشی نہیں کرتا۔

یہی وہ نظام ہے جس میں وقت کے حکمران کو بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جا سکتا ہے۔

یہی وہ نظام ہے جس میں ہر مظلوم کی بروقت اشک شوئی کی جاتی ہے۔

یہی وہ نظام ہے جس میں حاکم اور محکوم کے لئے ایک قانون ہوتا ہے۔

یہی وہ نظام ہے جو معاشرے کو جنت بنا سکتا ہے۔
یہی وہ نظام ہے جس میں بہنوں اور بیٹیوں کی ردائے عظمت کا تحفظ کیا جاتا ہے۔
میرے ہم مکتب ساتھیو!
علماء نے امامت کی دو قسمیں بیان کی ہیں:
نماز کی امامت کو امامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور سنت طریقے سے اسلامی احکامات کے مطابق مسلمانوں کی امارت وحکمرانی کو وہ امامتِ عظمٰی کہتے ہیں۔

حیرت اور تعجب ہے ہماری حالت پر کہ ہم امامتِ صغریٰ کے حصول کے لئے تو بے حد کوشش کرتے ہیں، اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار رہتے ہیں، اس کے لئے امت کو لڑاتے ہیں، تفرقہ بازی کرتے ہیں، مسجدوں پر قبضے کرتے ہیں، امام کے اندر اگر ذرا سی کمزوری ہو تو سیخ پا ہو جاتے ہیں، لیکن امامتِ عظمٰی کے لئے ہم ہر کس و ناکس پر راضی ہو جاتے ہیں، اس کے لئے قربانی دینے کی بات کی جائے تو ہمارے جسموں پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے حالانکہ امامتِ صغریٰ سے تو صرف دین کے ایک جزو پر عمل ہو سکتا ہے، دین کے بڑے حصے سے تو ہم محروم رہ جاتے ہیں، اصل میں امامتِ عظمٰی کی اہمیت اور عظمت ہمارے دلوں سے نکل گئی ہے ہم امامتِ صغریٰ پر قناعت کر چکے ہیں۔ خدارا، آیئے! اٹھیں کہ یہ اٹھنے کا وقت ہے جاگیں کہ جاگنے کا وقت ہے۔

سوشلزم کی ناکامی کا اعتراف خود اس کے علمبرداروں نے کر لیا ہے،
جمہوریت کے نقائص کا اعتراف مغرب میں ہو رہا ہے،
آگے بڑھیں اور مغرب و مشرق کے لئے نظامِ خلافت پیش کر دیں کیونکہ یہی نظام ہر دور کے انسان کے دکھوں کا مداوا کر سکتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

علماءِ سوء اور جعلی پیر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

صدر گرامی قدر و معزز حاضرین کرام! السلام علیکم

یہ حضرتِ انسان بھی بڑی عجیب چیز ہے، کہنے والے کہتے ہیں انسان طبیعت کے لحاظ سے دو ضدوں کا مظہر ہے، یہ ظلماتی بھی ہے نورانی بھی ہے، یہ زمینی بھی ہے آسمانی بھی ہے، یہ ملکوتی بھی ہے ناسوتی بھی ہے، یہ رحمانی بھی ہے شیطانی بھی ہے، یہ عالم بھی ہے جاہل بھی ہے، یہ عادل بھی ہے ظالم بھی ہے، یہ فاسق بھی ہے متقی بھی ہے، یہ حریص بھی ہے قانع بھی ہے۔

غرض یہ کہ اس میں عیوب بھی ہیں کمالات بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مختلف صفات اور کمالات سے نوازا ہے اسے کئی صلاحیتیں اور استعدادیں دی ہیں یہ اپنی ان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عبدالشیطان بھی بن سکتا ہے اور بندۂ رحمن بھی۔ ان تمام صلاحیتوں میں سب سے قیمتی نعمت اور صلاحیت علم ہے۔ یہی وہ صلاحیت ہے جس کی وجہ سے انسان اور حیوان میں فرق ہوتا ہے۔ ورنہ معدہ اگر انسان کے پاس ہے تو حیوان کے پاس بھی ہے، کان آنکھیں اور ہاتھ پاؤں اگر انسان کے پاس ہیں تو حیوان کے پاس بھی ہیں۔

دیگر مخلوقات پر انسان کو جو فضیلت ہے وہ علم ہی کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی برتری فرشتوں پر اس علم ہی کی وجہ سے ثابت کی تھی آدم علیہ السلام کو جن چیزوں کا علم تھا فرشتوں کو ان چیزوں کا علم نہ تھا۔

مگر جس طرح انسان اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمتوں کے استعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی بن سکتا اور مغضوب بھی بن سکتا ہے اسی طرح سے علم کو بھی اگر صحیح جگہ پر، صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے تو انسان ملائکہ سے آگے بڑھ سکتا ہے لیکن اگر اسی علم کو غلط جگہ میں اور غلط طریقوں سے استعمال کیا جائے تو پھر انسان انسان نہیں رہتا انسانیت کے لبادے میں شیطان بن جاتا ہے اور خوب خوب گمراہی پھیلاتا ہے۔

دنیا میں پھیلنے والی اکثر گمراہیوں کے سرے پر آپ کو کوئی نہ کوئی مذہبی دوکاندار کوئی نہ کوئی علم فروش، کوئی نہ کوئی نقلی اور جعلی پیر دکھائی دے گا۔

ہر دور میں اسلام کو، مسلمانوں کو، مسلمانوں کے اقتدار کو، اسلامی عقائد و نظریات کو جتنا نقصان منافقوں، نقلی اور جعلی پیروں سے پہنچا ہے کسی اور سے نہیں پہنچا۔ علماءِ حق پر ہر زمانے میں جس قدر مصائب آئے انہیں اکثر ان نقلی مولویوں اور تاجرانہ ذہنیت رکھنے والے پیروں کا ہاتھ رہا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں مجرموں کی طرح پھرایا گیا تو اس میں نقلی ملاؤں کا ہاتھ تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو جیل میں ڈالا گیا تو اس میں پس پردہ ایسے ہی علماءِ سوء کی کارستانیوں کو دخل تھا، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی پیٹھ کو کوڑے مار مار کر لہولہان کیا گیا تو اس میں بھی علماءِ سوء ہی دخیل تھے، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ محبوس ہوئے تو یہ بھی علماءِ سوء کی شرارتوں اور سازشوں کا نتیجہ تھا۔

اس دور کے علماءِ سوء اور دوکاندار پیروں کو دیکھئے تو وہ بھی ہر تھالی کا بینگن بننے کے لئے اور ہر چڑھتے سورج کا پجاری بننے کے لئے تیار رہتے ہیں، ادھر اقتدار بدلتا ہے اور ادھر یہ شیراونی پہن کر قراقلی سجا کر، چشمے لگا کر، چہرے پر مکاری کی سیاہی مل کر، مقفع اور مسجع قصیدے تیار کر کے ان شاہوں کے دربار میں پہنچ جاتے ہیں جن کا دامن حسنات سے قطعاً عاری ہوتا ہے اور جن کے ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگے ہوتے ہیں اور یہ علم فروش ان

ظالموں اور ڈکٹیٹروں کے سامنے صف بنا کر دست بستہ ہو کر ایسے خشوع اور خضوع کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں کہ گویا رب کے دربار میں کھڑے ہیں یہ اپنے اوپر مصنوعی رِقت طاری کر لیتے ہیں اور جب وقت کا حاکم اور جابر ان سے ہمکلام ہوتا ہے تو اتنی پست آواز میں جواب دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے بول نہیں رہے بلکہ بھنبھنا رہے ہیں، صاحبِ اقتدار اگر رات کو دن کہے تو فوراً ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور کہتے ہیں جی ہاں وہ دیکھئے سورج کتنی آب و تاب سے چمک رہا ہے اور اگر جابر حکمران دن کو رات کہہ دے تو یہ ستارے گننے لگتے ہیں اور اگر کوئی گھسا پٹا فضول سا لطیفہ سنا دے تو یہ ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بن جاتے ہیں اور مصنوعی قہقہوں سے ان کے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں تھوک کے حساب سے پائے جانے والے ان پیروں نے پیری مریدی کو منافع بخش کاروبار بنا دیا ہے، خانقاہیں دوکانوں میں تبدیل ہو چکی ہیں، اسی لئے قبروں اور خانقاہوں پر قبضہ جمانے کے سلسلے میں اکثر و بیشتر جھگڑے ہوتے رہتے ہیں، دونوں جانب کے مرید اپنے اپنے ''حضرت'' کی حمایت میں مسلح ہو کر میدان میں آجاتے ہیں اور ایک دوسرے کا خون بہاتے ہیں، ان پیروں کے تعویذوں کے ریٹ مقرر ہوتے ہیں، یہ نوکری دلاتے ہیں، عشق کو ساحل تک پہنچاتے ہیں، ناکام محبت کو کامیاب بناتے ہیں، شادیاں کرواتے ہیں، کاروبار چمکاتے ہیں، افسروں کے پتھر جیسے دلوں کو موم بناتے ہیں، بیٹے اور بیٹیاں دلاتے ہیں اور یہ صرف دنیا ہی میں کام نہیں آتے بلکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان کے وہ مرید جو ان کو سالانہ اور ماہانہ بھتہ باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں خواہ وہ شرابی، زانی، چور، ڈاکو اور لٹیرے ہوں، ان کا ہاتھ پکڑ کر چپکے سے انہیں فردوس بریں میں پہنچا دیں گے اگر ان کے مریدوں کے ذمے کچھ حقوق ہوئے تو ان کو اپنے ذمے لے لیں گے، مریدوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، ان کے پیر صاحب بڑے پہنچے ہوئے ہیں وہ اپنے

مریدوں کی طرف سے نماز روزہ بھی ادا کر لیتے ہیں۔ یہی ہیں وہ پیر جن کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نشیمن

میرے ہم مکتب ساتھیو!

ہم پیری مریدی کے خلاف نہیں، ہم اس کو دوکانداری اور کاروبار بنانے کے خلاف ہیں۔ ہم علماءِ حق اور مرشدان باصفا کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں لیکن ہم حق بات کو چھپانے والوں، یتیموں، بیواؤں کو تعویذات کے نام پر لوٹنے اور ٹھگنے والوں، اہل حق پہ کیچڑ اچھالنے والوں اور نام نہاد گدی نشینوں کے خلاف ہیں۔ اہل حق ہمیشہ سے ایسے نام نہاد نقلی مولویوں اور جعلی پیروں کے خلاف جہاد کرتے رہے ہیں۔

آیئے عہد کریں کہ ہم بھی انشاء اللہ ان کے مصنوعی زہد و تقدس کا پردہ چاک کرنے کے لئے جہاد کرتے رہیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

موسیقی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

صدر گرامی قدر و معزز حاضرین کرام! السلام علیکم

کسی بھی بیماری کا خطرناک اور آخری درجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی بیمار شخص بیماری کو بیماری نہ سمجھے۔ اسی طرح گناہ کا آخری اور مہلک درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ تو کرے لیکن گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے بلکہ اُلٹا اس پر فخر کرے۔

ہمارے ہاں آج کل بعض اپ ٹو ڈیٹ اور جدت پسند طبقے موسیقی اور رقص و سرور کو گناہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ اسے فن لطیف، آرٹ، ثقافت اور روح کی غذا اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔

جبکہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ محصولِ مملکت کو اپنی دولت بنالیں گے اور امانت کو غنیمت اور زکوٰہ کو تاوان سمجھیں گے اور غیر دین کے لئے علم پڑھیں گے اور آدمی اپنی بیوی کا کہنا مانے گا اور ماں کی نافرمانی کرے گا، اپنے دوست کو آرام پہنچائے گا اور اپنے باپ کو ستائے گا اور لوگ مسجدوں میں شور مچائیں گے اور خاندان کا سردار فاسق شخص ہوگا اور قوم کا رئیس ایک رذیل آدمی ہوگا اور انسان کے شر فساد سے ڈر کر لوگ اس کی تعظیم کریں گے اور گانے بجانے والیاں اور گانے بجانے کی چیزیں عام طور پر ظاہر ہوں گی اور شرابیں پی جائیں گی اور اس امت کے پچھلے لوگ اپنے پہلے والوں پر لعنت بھیجیں گے، اس حالت میں لوگ منتظر رہیں کہ ایک سرخ

آندھی اٹھے گی، زلزلہ آئے گا، خسف واقع ہوگا، صورتیں مسخ ہو جائیں گی، آسمان سے پتھر برسیں گے اور ان کے علاوہ دیگر علامتیں بھی پے در پے ظاہر ہوں گی، جس طرح کسی ہار کا دھاگہ توڑ دیا جائے تو موتی لگاتار گرتے چلے جاتے ہیں۔

اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ ان علامتوں میں سے کونسی علامت ہے جو ہمارے معاشرے میں نہیں پائی جاتی۔

کیا حکمرانوں نے عوام کے محصولات کو ذاتی جاگیر نہیں سمجھ رکھا ہے؟

کیا والدین کو ستایا نہیں جا رہا؟

کیا قوم کے بدترین افراد لیڈر اور رہنما بنے ہوئے نہیں ہیں؟

کیا زکوٰۃ کو تاوان اور ٹیکس نہیں سمجھا جا رہا ہے؟

کیا ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر اور سینما کے ذریعے گانے بجانے کو عام نہیں کر دیا گیا؟

کیا گھر گھر میں رقص و سرور کی محفلیں برپا نہیں کی جا رہی ہیں؟

علامتیں تو پوری ہو چکی ہیں، اب عذاب کا انتظار کیجئے، بلکہ انتظار کیا معنی، عذابوں میں تو ہم مبتلا ہیں، بلاؤں اور آفتوں کا تو ہم شکار ہیں۔

کیا ظالم اور فاسق حکمران اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں؟

کیا بین الاقوامی تحقیر و تذلیل عذاب نہیں؟

کیا باہمی قتل و قتال اور نفاق و افتراق عذاب نہیں؟

کیا عدم تحفظ اور خوف و ڈر عذاب نہیں؟

کیا خونِ انسانی کی ارزانی عذاب نہیں؟

کیا دلوں کا اضطراب اور روحوں کی بے چینی عذاب نہیں؟

کیا یہ زلزلہ، یہ دھماکے، یہ سیلاب، یہ ایکسیڈنٹ اور یہ جنگیں عذاب نہیں؟

یہ سب بلائیں اور مصیبتیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن ہمیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی بلکہ ہم رات دن گانے بجانے اور لہو ولعب میں لگے ہوئے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے کبھی تو یوں فرمایا کہ گانے والوں کی نماز قبول نہیں، کبھی یہ فرمایا کہ جو کسی گانا گانے والے کا گانا سنے گا قیامت کے دن اس کے کانوں مین پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا، کبھی فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرگیا کہ اس کے پاس گانے والی ہو اس کی نماز جنازہ مت پڑھو، کبھی فرمایا کہ گانا، باجا سننا معصیت ہے، اس کے لئے بیٹھنا فسق ہے، اس سے لطف اندوزی کفر ہے۔

افسوس ہے کہ مسلمان یورپ کی تقلید میں اندھے راستوں پر بگٹٹ بھاگا جا رہا ہے، یورپ سے اٹھنے والی ہر برائی کو آسمانی تحفہ سمجھ کر قبول کرلیا جاتا ہے۔

ہماری یورپ کی اندھی تقلید پر ایک شاعر نے خوب تبصرہ کیا ہے:

طاقِ دِل میں چراغ انگریزی
سر کے اندر دماغ انگریزی
چال انگریزی، ڈھال انگریزی
جسم کا بال بال انگریزی
جسمِ ہندی میں جان انگریزی
منہ کے اندر زبان انگریزی
چھل رہا ہے گلا تو چھل جائے
لہجہ صاحب سے اپنا مل جائے

وقت وقت کی بات ہے کبھی تو غیرت کا یہ عالم تھا کہ قیامِ پاکستان سے قبل مسجد کے سامنے سے کوئی جلوس گاتے ہوئے اور ڈھول بجاتے ہوئے گزر جاتا تو اس پر مسلمان مشتعل ہو

جاتے اور غیرت مند نوجوان جان تک دینے سے گریز نہ کرتے، آج مسجدوں کے سائے میں فحش اور عریاں فلمیں چلتی ہیں مگر کسی نوجوان کی غیرت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔

پہلے گانے والوں کو میراثی، بھانڈ، کنجر اور ڈوم کہا جاتا تھا اور میراثیوں کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ معزز لوگوں کے ساتھ کسی چارپائی یا کرسی پر بیٹھیں بلکہ انہیں نیچے بیٹھنا پڑتا تھا، آج میراثیوں اور کنجروں کو فنکار اور گلوکار کہا جاتا ہے اور ان کی ایسی آؤ بھگت کی جاتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے عالمِ دین، محدث، مفسر بلکہ کسی وزیر کی بھی نہیں ہوتی۔

ہمارے ملک پاکستان میں اگر ہندوستان کا کوئی مشہور میراثی اور کنجر آجاتا ہے تو پوری قوم نیچے سے لے کر اوپر تک دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیتی ہے۔

بہت سے خوفِ خدا سے عاری لوگ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ جناب! موسیقی تو روح کی غذا ہے، مگر یہ کیسی غذا ہے؟

جسے رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا......

جس سے نفاق اور قساوت پیدا ہوتی ہے......

جس کی وجہ سے ذکر و تلاوت اور عبادت و اطاعت کی لذت ختم ہو جاتی ہے......

جو مسلمان بیٹیوں کو بے حجاب اور بے حیا بنا دیتی ہے......

میرے ہم مکتب ساتھیو!

یہ تو نشہ ہے جسے ہم غذا سمجھ بیٹھے ہیں، اگر بالفرض موسیقی غذا ہے تو جان لیجئے کہ یہ شیطان اور شیطان کے چیلے چانٹوں کی غذا ہے......

یہ قیصر و کسریٰ اور یہود و ہنود کی غذا ہے......

مسلمان کی روح کی غذا قرآن کی تلاوت ہے......

مسلمان کی روح کی غذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی حمد و ثناء ہے......

مسلمان کی روح کی غذا نماز اور ذکر و استغفار ہے......

وہ والدین جو گانے بجانے کا شوق رکھتے ہیں، جو ہر وقت عشقیہ غزلیں اور نغمے سنتے رہتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ان کی فحاشی اور بے حیائی کا اثر ان کی اولاد پر بھی پڑ سکتا ہے کیونکہ والدین جب نیک ہوں اور خدا سے ڈرنے والے ہوں، عابد، زاہد، نمازی، پرہیزگار ہوں، حلال روزی کمانے والے ہوں، حرام سے بچنے والے ہوں تو پھر اولاد محمد بن قاسم رحمہ اللہ جیسی ہوتی ہے، طارق بن زیادہ جیسی ہوتی ہے، مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسی ہوتی ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ جیسی ہوتی ہے، محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ جیسی ہوتی ہے، مفتی محمود رحمہ اللہ جیسی ہوتی ہے۔

اور جب معاملہ اس کے برعکس ہو، والدین فاسق و فاجر ہوں، حرام کھانے والے ہوں، گانے بجانے کے رسیا ہوں تو پھر اولاد گلوکار اور فنکار بنتی ہے، چور اور ڈاکو بنتی ہے، قاتل اور دیوث بنتی ہے، ظالم اور خونخوار بنتی ہے، نپولین اور ہٹلر بنتی ہے، چنگیز خان اور ہلاکو خان بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے دین کی سچی تڑپ نصیب فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

یکجہتی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر صدر و معزز حاضرین! السلام علیکم

میں آج کی نشست میں یکجہتی کے موضوع پر کچھ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ یہ بات تو کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ اس وقت بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی ہوا اکھڑ چکی ہے۔ نہ ان کی کہیں عزت و عظمت ہے، نہ رعب و دبدبہ۔ دنیا کا کوئی ملک ان سے نہیں ڈرتا اور وہ ہر کسی سے ڈرتے ہیں عالمی سطح پر ان کا مذاق اڑایا جاتا ہے، ان کو ایک کمزور امت تصور کیا جاتا ہے حد تو یہ ہے کہ ان کے محبوب رہبر و رہنما اور کائنات کے سردار ﷺ کے ساتھ تمسخر کیا جا رہا ہے، ازواجِ مطہرات کی بے حرمتی کی جا رہی ہے، اسلام کے پہلے جانثاروں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کتابیں لکھی جا رہی ہیں، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ اقوامِ عالم میں مسلمانوں کا رعب و دبدبہ اور وقار ختم ہو چکا ہے۔

جس مسلمان سے کبھی قیصر و کسریٰ جیسی سپر طاقتیں لرزہ براندام تھیں آج اس سے اسرائیل جیسا باؤلا درندہ بھی نہیں ڈرتا۔

مسلمانوں کو کمزور اور ذلیل کرنے والے جو مختلف اسباب ہیں ان میں سے سب سے بڑا سبب مسلمانوں کا باہمی جدل و نزاع اور اختلاف و افتراق ہے، مسلمان امت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں، فرقوں اور جماعتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد الگ

بنانے کی فکر میں ہے، کفر کے فتوے لگ رہے ہیں، ایک دوسرے کو ختم کرنے کی کوششیں جاری ہیں، مسلمان کا خون مسلمان بہا رہا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ وہ امت ہے جس کو حضور ﷺ نے مسلسل محنت اور تربیت کے بعد باہم شیر وشکر بنا دیا تھا، آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے، مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کی زبان اور رنگ بھی مختلف تھے مگر انہوں نے زبان، نسل اور قومیت کے تمام امتیازات مٹا دیئے تھے اور وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہتے تھے، آپ ﷺ کے دربار میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے، صہیب رومی رضی اللہ عنہ تھے، عداس نینوائی رضی اللہ عنہ تھے، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے، طفیل دوسی رضی اللہ عنہ تھے، ابوسفیان تھے، عدی طائی رضی اللہ عنہ تھے، ضماد ازدی تھے، سراقہ جعشمی تھے مگر جو بھی تھے بھائی بھائی تھے اور بھائی بھی ایسے کہ ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ کی عملی تفسیر نظر آتے تھے۔ خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو سیراب کرتے تھے بلکہ حد تو یہ ہے کہ پیاس کی وجہ سے جان سے گزرنا تو گوارہ کر لیتے تھے مگر دوسرے بھائی کو پیاسا دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

جب تک مسلمانوں میں اخوت ومحبت اور اتفاق واتحاد کا یہ رشتہ برقرار رہا وہ ساری دنیا پر چھائے رہے اور جب سے انہوں نے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور ایک دوسرے کو گرانے کا عمل شروع کیا ہے، وہ اقوامِ عالم میں ذلیل وخوار ہوتے جا رہے ہیں۔

افرادی اعتبار سے دیکھئے تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زائد ہے، وسائل کے اعتبار سے دیکھئے تو پیٹرول جیسے سیال سونے کے کنویں زیادہ تر مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، معدنیات کے ذخائر اور کانیں بھی اسلامی ممالک میں زیادہ ہیں، مالی اعتبار سے نظر ڈالیں تو اکثر اقوامِ عالم سے مسلمان قوم زیادہ مالدار ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مسلمان کمزور اور مغلوب ہیں، آخر کیوں؟

اس کی بڑی وجہ ایمانی کمزوری اور آپس کے لڑائی جھگڑے ہیں۔

پہلے مسلمانوں کے پاس سونے چاندی کی دولت نہیں تھی بلکہ ایمان کی دولت تھی۔

ان کے پاس پیٹرول اور معدنیات کے ذخائر نہیں تھے البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور اعتماد کا عظیم ذخیرہ ان کے پاس تھا۔

ان کے پاس جدید اسلحہ اور ساز و سامان کی طاقت نہیں تھی لیکن آپس کے اتفاق و اتحاد اور یکجہتی کی قوت ان کے پاس تھی۔

وہ نہتے تین سو تیرہ تھے مگر انہوں نے ایک ہزار کے مسلح اور تجربہ کار لشکر کو شکست دے دی اور ایسا بھی ہوا کہ تین ہزار کے لشکر نے دو لاکھ کے لشکر کو شکست دے دی۔

آپ نے کبھی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں سنا ہوگا کہ اتنے چھوٹے سے لشکر نے اپنے سے چودہ گنا بڑے مسلح لشکر کو شکست دی ہو۔

مگر مسلمانو! تمہیں اپنی تاریخ پر ناز ہونا چاہیے اور عبرت بھی حاصل کرنی چاہیے کہ جب تمہارے اکابر نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں شام کے میدانوں میں دو لاکھ رومیوں کو ان کے اپنے گھر میں جا کر شکستِ فاش دی۔

غفلت کی نیند سے جاگیے اور یاد رکھیے! آج ہماری کمزوری کی وجہ ساز و سامان کی کمی نہیں، ہماری کمزوری کی وجہ توپ و تفنگ اور گولہ بارود کا فقدان نہیں، ہماری کمزوری کی وجہ تربیت یافتہ فوجوں کی قلت نہیں، ہماری کمزوری کی وجہ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کا عدم حصول نہیں، ہماری کمزوری کی وجہ مال و دولت اور سیم و زر کی قلت نہیں۔

بلکہ! ہماری کمزوری کی وجہ ایمان و یقین اور یکجہتی کا فقدان ہے۔

کفر کی بڑی بڑی طاقتیں صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کے ساز و سامان اور اسلحہ کی وجہ سے نہیں ڈرتی تھیں بلکہ ان کے یقینِ محکم اور بے مثال یکجہتی کی وجہ سے ڈرتی تھیں۔

جب مسلمانوں میں یہ چیز باقی نہ رہی تو ان کا رعب ودبدبہ بھی باقی نہ رہا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارا قبلہ ایک ہے، اللہ تعالیٰ ایک ہے، نبی ایک ہے، کتاب ایک ہے، دین ایک ہے لیکن ہم ایک نہیں۔

حرم پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

آیئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں یکجہتی کی دولت سے نواز دے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

امانت

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

معزز صدر و گرامی قدر احباب! السلام علیکم

میں آپ کے سامنے "امانت" کے موضوع پر کچھ عرض کرنے کی جسارت کرنے لگا ہوں۔

عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ امانت صرف یہ ہے کہ کسی کے پاس کچھ سامان یا روپیہ پیسہ حفاظت کی خاطر رکھوا دیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صرف اسی بات کو امانت کہیں تو یہ امانت کے مفہوم کے ساتھ بہت بڑی خیانت ہوگی۔ امانت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر وہ چیز امانت ہے جس کے ساتھ کسی کا حق متعلق ہو اور جس کی حفاظت اور مالک کی طرف ادائیگی انسان پر لازم ہو۔

اس بناء پر کہا جا سکتا ہے:

عالم کے پاس علم کی امانت ہے......

متولی اور مہتمم کے پاس مسجد اور مدرسہ امانت ہے......

بادشاہ اور فرمانروا کے پاس اقتدار امانت ہے......

افسروں اور عہدیداروں کے پاس اقتدار امانت ہے......

استاد کے پاس شاگرد امانت ہیں......

والدین کے پاس اولاد امانت ہے......

بیوی کے پاس عزت وآبرو امانت ہے......

ہماری زندگی بلکہ زندگی کا ہر ہر لمحہ امانت ہے......

عالم کا فرض یہ ہے کہ وہ علم کی خوشبو کو عام کرے، فتویٰ فروشی کے جرم کا ارتکاب نہ کرے، حق گوئی کی صفت اپنے اندر پیدا کرے، علم کے مطابق عمل کرے، علم کو نبی کی وراثت سمجھے۔

مسجد اور مدرسہ کے متولی اور مہتمم پر لازم ہے کہ وہ ان کی تعمیر کے مقاصد کو سامنے رکھے، مسجد اور مدرسہ کو دین کی اشاعت اور حفاظت کا ذریعہ بنائے، ڈکٹیٹرشپ نافذ نہ کرے، مسجد اور مدرسہ کو ذاتی دکان اور کاروبار نہ بنادے۔

وقت کے فرمانروا پر فرض ہے کہ وہ خلفاءِ راشدین کے اندازِ حکمرانی کو اپنا آئیڈیل بنائے، ملک میں عدل وانصاف کو پانی اور ہوا کی طرح عام کردے، اقرباء پروری اور ظلم و تعدی نہ کرے، اس بات پر نظر رکھے کہ اس کی مملکت کی حدود میں کوئی مظلوم انصاف سے، کوئی بے روزگار روزگار سے، کوئی بھوکا دووقت کی روٹی سے، کوئی بیمار علاج معالجہ سے، کوئی یتیم سرپرستی سے، کوئی بیوہ دیکھ بھال سے محروم نہ رہے۔

افسران پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو رعایا کے خادم جانیں، رعایا کے امیر اور غریب میں فرق نہ کریں، قانون کی بالادستی قائم کریں، رشوت اور ناجائز سفارش کو حرام سمجھیں۔

استاذ پر واجب ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کے وقت کو، ان کی صلاحیت کو ضائع ہونے سے بچائے، ان میں بلاوجہ امتیاز نہ کرے، انہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھے۔

والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کی صحیح نہج پر تربیت کریں انہیں مثالی مسلمان اور بہترین انسان بنانے کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں کام میں لائیں، انہیں اخلاق بگاڑنے والی محفلوں اور برے دوستوں سے بچائیں، ان کے ساتھ شفقت ومحبت کا معاملہ رکھیں۔

بیوی کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرے، شوہر کی کمائی میں خیانت نہ کرے۔

ہمیں زندگی کی صورت میں جو بہت بڑی نعمت عطا کی گئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ ہم زندگی جیسی قیمتی متاع کو فضولیات میں ضائع نہ کریں، ایک ایک لمحہ کو محاسبہ کے ترازو میں تولتے رہیں، کوشش یہ کریں کہ ہماری ہر سانس اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ کے دین کے لئے وقف رہے۔

انسان کہتا تو یہی ہے کہ یہ سب کچھ میرا ہے لیکن حقیقت میں اس کا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ انسان تو صرف متولی ہے، نگران ہے، محافظ ہے، امین ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور اسی کی امانت ہے، ہاں یوں تو یہ سب کچھ امانت ہے مگر آیئے میں آپ کو سب سے بڑی امانت کے بارے میں بتلاؤں، جس امانت کا بوجھ زمین آسمان نہ اٹھا سکے، سر بفلک پہاڑ نہ اٹھا سکے لیکن انسان نے اس کو اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھا لیا مگر اس کا حق ادا نہ کر سکا۔

اور یہ وہ عظیم امانت ہے جس کی نسبت براہِ راست ربِ ذوالجلال کی طرف ہے۔

یہ وہ امانت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے حوالے ہوئی تھی تو آپ انتہائی ثقل اور بوجھ محسوس کرتے تھے، سخت سردی میں آپ کی مقدس پیشانی پر پسینے کی بوندیں موتی بن کر جھلملانے لگتی تھیں۔

یہ وہ امانت ہے جو ایک لاکھ سے زیادہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے حوالے وقتاً فوقتاً کی جاتی رہی۔

ہاں ہمارے پاس سب سے بڑی امانت قرآن ہے، سب سے بڑی امانت اللہ تعالیٰ کا دین ہے، سب سے بڑی امانت رسول اللہ ﷺ کی علمی اور عملی وراثت ہے۔

یہ امانت حضور ﷺ نے صحابہ تک پہنچائی اور تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس امانت کو دوسروں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

اب اس امانت کے وارث ہم بنے ہیں۔

میرے ہم مکتب ساتھیو!

آیئے! ٹھنڈے دِل ودماغ سے غور کریں کہ کہیں ہم سے اس امانت کی ادائیگی میں خیانت تو نہیں ہو رہی۔

اگر ہم تھوڑا سوچیں تو حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ ہم درحقیقت اس عظیم امانت پر خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں، نہ تو اس سے خود فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں تک اس کو پہنچاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس جرمِ عظیم کو معاف فرمائے اور ہم کو ہر طرح کی امانت میں خیانت سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

وقت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

میرے ہم نشین ساتھیو! وقت کی قدر کیجئے کیونکہ وقت دولت ہے، وقت زندگی ہے، وقت زمانے کی روح ہے، وقت تیز بہنے والا دریا ہے، وقت سیال سونا ہے، وقت سیفِ قاطع ہے، وقت علم ہے، وقت عمل ہے، وقت ہستی کا تانابانا ہے، وقت شام وسحر ہے۔

دنیا کی ہر چیز ضائع ہونے کے بعد مل سکتی ہے، گم شدہ دولت کا حصول دوبارہ ممکن ہے، زمین بوس مکان دوبارہ بنایا جاسکتا ہے، خزاں رسیدہ گلشن دوبارہ لگایا جاسکتا ہے لیکن ضائع شدہ وقت کا حصول دوبارہ ناممکن ہے اور یہ چیزیں بھی تب مل سکتی ہیں جب وقت ہوگا۔ اگر وقت ہی نہ رہا تو یہ چیزیں بھی ہاتھ نہ آسکیں گی۔ اسی لئے تو شاعر نے کہا ہے:

اے وقت! بگاڑ کا ہے سب کے چارا
پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہے یارا
ہو جائے اگر ایک تو ہمارا ساتھی
پھر غم نہیں، پھر جائے زمانہ سارا

وقت کڑکڑاتی دھوپ میں رکھی ہوئی برف کی سل ہے جس سے آپ نے فائدہ اٹھالیا تو فبہا ورنہ وہ تو پگھل ہی جائے گی، وقت وہ خشک لکڑی ہے جسے آگ دکھائی جاچکی ہو آپ اس کی حرارت کو کام میں لے آئے تو بہت اچھا ورنہ وہ تو جل ہی جائے گی، وقت دریا کا بہتا

ہوا پانی ہے اگر آپ نے اس کی موجوں سے توانائی حاصل کر لی تو بہت بہتر ورنہ وہ تو بہہ ہی جائے گا۔ وقت وہ تیز رفتار گاڑی ہے جس پر سوار ہو کر آپ نے منزل تک رسائی حاصل کر لی تو ٹھیک ہے ورنہ وہ تو آپ کا انتظار نہیں کرے گی۔ بسا اوقات چند لمحوں کی تاخیر انسانی زندگی کا فیصلہ کر دیتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک بے گناہ شخص صرف اس وجہ سے پھانسی پا گیا کہ اس کی رہائی کا پروانہ لے کر آنے والا قاصد پانچ منٹ دیر سے پہنچا تھا۔

ایک زخمی نے برلبِ سڑک اس لئے تڑپ تڑپ کر جان دے دی کہ ایمبولینس مہیا ہونے میں چند لمحوں کی تاخیر ہو گئی تھی۔

ایک شاندار مکان دیکھتے ہی دیکھتے صرف اس لئے راکھ کا ڈھیر بن گیا کہ فائر بریگیڈ کی گاڑیاں وقت پر نہ پہنچ سکیں۔

ایک شخص صرف اس لئے ٹانگوں سے محروم ہو گیا کہ اس نے سڑک عبور کرتے ہوئے قدم اٹھانے میں چند لمحوں کی تاخیر کر دی تھی اور یہ صرف افراد کا معاملہ نہیں ہے بلکہ جب قومیں وقت ضائع کر دیتی ہیں تو انہیں سالہا سال اس کی سزا بھگتی پڑتی ہے۔

تاریخ نے قوموں کے وہ دور بھی دیکھے ہیں
لمحوں نے خطا کی ہے صدیوں نے سزا پائی

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

جو قومیں وقت کا صحیح استعمال کرنا جانتی ہیں وہ صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کر سکتی ہیں، وہ ویرانوں کو آبادیوں میں بدل سکتی ہیں، وہ دریاؤں کو رُخ بدل دینے پر مجبور کر سکتی ہیں، وہ

فضاؤں پر قبضہ جما سکتی ہیں، وہ عناصر کو مسخر کر سکتی ہیں، وہ پہاڑوں کے جگر پاش کر سکتی ہیں، وہ ستاروں پر کمندیں ڈال سکتی ہیں، وہ زمانہ کی زمامِ قیادت سنبھال سکتی ہیں لیکن جو قومیں وقت کو ضائع کر دیتی ہیں وقت انہیں ضائع کر دیتا ہے۔ ایسی قومیں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں، وہ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے خسارے میں رہتی ہیں، وقت کا ضیاع ان کے ہاتھوں میں کشکولِ گدائی تھما دیتا ہے اور وہ انٹرنیشنل بھکاری کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں۔

اسی لئے بزرگوں کا کہنا ہے کہ وہ شخص جو دونوں ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال کر قیمتی وقت ضائع کرتا ہے اس پر ایسا وقت بہت جلد آ جائے گا جب وہ اپنا ہاتھ دوسروں کی جیب میں ڈالے گا۔

ہر صبح ہمارے پاس نئی نئی نعمتیں لے کر آتی ہے، ہر دن ہمیں کامیابی کی طرف قدم بڑھانے کی دعوت دیتا ہے، ہر لمحہ ہمارے لئے تلافیٔ مافات کا موقع فراہم کرتا ہے اگر ہم اس سے فائدہ اٹھا کر علم، دولت، مہارت حاصل نہیں کرتے تو ہمیں قسمت کا شکوہ کرنے کا کوئی حق نہیں، ہمیں تو اپنی بے حسی اور غفلت پر ماتم کرنا چاہیے۔

اگر فضول کاموں سے ہم روزانہ ایک گھنٹہ بچاتے تو کسی بھی سائنس کو اپنے قابو میں لا سکتے تھے، اگر روزانہ ایک گھنٹہ حصولِ علم کے لئے وقف کر لیتے تو دس سال میں ایک حد تک باخبر عالم بن سکتے تھے، اگر روزانہ ایک کتاب کے دس صفحات کا مطالعہ کرتے تو سال بھر میں ساڑھے سات ہزار صفحات پڑھ سکتے تھے لیکن ہم نے وقت کی قدر نہ کی ہم نے ناخلف اولاد کی طرح اس بیش بہا دولت کو اندھا دھند لٹایا چنانچہ اسے لٹاتے لٹاتے ہم خود لٹ گئے، ہماری صحت لٹ گئی، ہماری جوانی لٹ گئی، ہماری فراغت لٹ گئی، ہماری زندگی لٹ گئی۔

ہم نے لمحات کی قدر نہ کی تو ہمارے لئے منٹوں کا ضائع کرنا آسان ہو گیا، ہم نے منٹوں کی قدر نہ کی تو ہمارے لئے گھنٹوں کا ضائع کرنا آسان ہو گیا، ہم نے گھنٹوں کی قدر نہ کی تو

ہمارے لئے دنوں کا ضائع کرنا آسان ہو گیا، ہم نے دنوں کی قدر نہ کی تو ہمارے لئے ہفتوں کا ضائع کرنا آسان ہو گیا، ہم نے ہفتوں کی قدر نہ کی تو ہمارے لئے مہینوں کا ضائع کرنا آسان ہو گیا، ہم نے مہینوں کی قدر نہ کی تو ہمارے لئے سالوں کا ضائع کرنا آسان ہو گیا۔

اگر کوئی ماہر ڈاکٹر ہمیں بتا دے کہ آپ کی زندگی کے دس برس کم ہو گئے ہیں تو غم کے مارے ہمارا برا حال ہو جائے گا لیکن اگر ہم ان منٹوں، گھنٹوں اور دنوں کا حساب لگائیں جنہیں ہم نے فضولیات میں ضائع کر دیا تو ان کی مجموعی تعداد ممکن ہے دس برس سے بھی زیادہ ہو جائے۔

لیکن افسوس کہ ہمیں اس کا کوئی افسوس نہیں۔ ہم اپنی غفلت اور بے کاریوں کو ہمیشہ کل کا سہارا دیتے رہے لیکن اس کل کو آج بننا نصیب نہ ہوا، انسانی زبان میں شاید ہی کل کے لفظ سے بڑھ کر کوئی ایسا لفظ ہو جس کے ذریعے انسان نے اپنی حماقتوں، وعدہ خلافیوں، خشک امیدوں، غفلتوں، بے پروائیوں اور بے کاریوں کی پردہ پوشی کی ہو۔

عقلمندوں کے رجسٹر میں کل کا لفظ کہیں نہیں ملتا، البتہ احمقوں کی جنتریوں میں یہ لفظ بکثرت مل سکتا ہے، وہ کل اور فردا کے سہارے پر جیتے ہیں لیکن اس فردا کو امروز بننا کبھی نصیب نہیں ہوتا، ہر گناہ گار اور نشہ کا عادی یہی کہتا ہے کہ میں کل یہ گناہ اور نشہ چھوڑ دوں گا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترکِ ایں سودا کنم
بازچوں فردا شود امروز فردا کنم

آپ ضرور جانتے ہوں گے اسلام میں عبادت کی قضا بہت بڑا جرم ہے، حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے، جس شخص نے رمضان المبارک کا ایک روزہ بھی قضا کر دیا وہ اگر ساری زندگی بھی روزہ رکھے تو اس کی تلافی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح نماز کا قضا کرنا بھی شدید جرم و

گناہ ہے، آخر کیوں؟

اس لئے کہ اسلام اپنے پیروکاروں کو آج کا کام آج ہی کرنے کا عادی بنانا چاہتا ہے اور آج کو کل بنانا اسے گوارہ نہیں۔

نمازوں کے اوقات مخصوص کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کی زندگی نظام الاوقات کی پابند ہو اور ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ وقت کا ضیاع اسلام کی نظر میں بہت بڑا جرم ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ اسلام کی ساری تعلیمات کا خلاصہ تین احادیث میں آ گیا ہے ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: کسی بھی شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی اور فضول کاموں کو چھوڑ دے اور ان میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو قدم اٹھانے کی اجازت نہیں ہوگی جب تک وہ اس سوال کا جواب نہ دے کہ اس نے زندگی کے قیمتی لمحات کہاں صرف کیے۔

خود ربِ کریم نے قرآنِ کریم میں وقت اور زمانے کی قسم اٹھا کر اسے حرمت بخشی ہے اور بار بار ان لوگوں کی مذمت بیان کی ہے جو اپنی زندگیاں کسی مفید کام میں نہیں لگاتے اور انہیں لہویات اور فضولیات میں ضائع کر دیتے ہیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! اگر آپ ٹھنڈے دِل سے عالمی تناظر میں اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو آپ یقیناً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس وقت مسلمان دنیا بھر میں ضیاعِ وقت میں پیش پیش ہیں۔ وقت کی ہمارے ہاں کوئی قدر نہیں۔ ہم قہوہ خانوں میں وقت ضائع کرتے ہیں، ہم سینما ہالوں میں وقت ضائع کرتے ہیں، ہم نجی مجلسوں میں وقت ضائع کرتے ہیں، ہم ایک دوسرے پر نکتہ چینی میں وقت ضائع کرتے ہیں، ہم رقص و سرور کی محفلوں میں وقت ضائع کرتے ہیں، ہم سو سو کر وقت ضائع کرتے ہیں۔

ہمارے اسلاف نے وقت کے صحیح استعمال سے علوم وفنون کے جو روشن مینار تعمیر کیے تھے ہم نے اپنی کاہلی اور غفلت سے وہ زمین بوس کر دیئے ہیں چنانچہ آج ہم ہر شعبے میں پیچھے ہیں، اخلاق میں ہم پیچھے ہیں، فنون میں ہم پیچھے ہیں، ٹیکنالوجی میں ہم پیچھے ہیں، سائنس میں ہم پیچھے ہیں، معاشیات میں ہم پیچھے ہیں، تسخیرات میں ہم پیچھے ہیں، ایجادات میں ہم پیچھے ہیں۔

علامہ اقبال نے بالکل صحیح کہا ہے:

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
ہوں بجلیاں جس میں آسودہ وہ خرمن تم ہو
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

دِل

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

محترم سامعین! میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے: ''دِل''

یوں تو یہ گوشت کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے لیکن یہ ایک عجوبہ ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ سادہ بھی ہے عیار بھی، مغرور بھی ہے خاکسار بھی ہے، بے خبر بھی ہے محرمِ اسرار بھی ہے، بت کا بندہ بھی ہے خالق کا پرستار بھی ہے، مجلسِ عشق میں دیکھیے تو مدہوش ہوتا ہے عقل کی محفل میں دیکھیں تو ہوشیار بھی ہے، مسیحا بھی ہے بیمار بھی ہے، فرمانبردار بھی ہے گنہگار بھی ہے، بے خبر بھی خبردار بھی ہے، یہ بکتا بھی ہے خریدار بھی ہے، گل بھی ہے خار بھی ہے، امن کا مرکز بھی ہے برسرِ پیکار بھی ہے، برسرِ دار بھی ہے سردار بھی ہے، طاقتور بھی ہے لاچار بھی ہے، قتیل بھی ہے تلوار بھی ہے، مجبور بھی ہے مختار بھی ہے، مستحق خلد بھی ہے دوزخ کا سزاوار بھی ہے۔

ایک حکیم نے اسی دِل کے بارے میں کہا ہے کہ نادان لوگ دولت کے لئے دِل کا چین لٹا دیتے ہیں اور دانشمند دِل کے چین کی خاطر دولت لٹا دیتے ہیں۔

دوسرے حکیم کا کہنا ہے: دوسروں کا دِل جیتنے کے لئے اپنا دِل جیتنا ضروری ہے اگر تم نے اپنے دِل پر قابو پالیا تو دنیا تمہارے قبضے میں ہے۔

تیسرے حکیم کا خیال ہے: دِل کالا ہو تو گورے منہ پر اترانا بے وقوفی ہے۔

چوتھے حکیم کی رائے یہ ہے کہ بے وقوف کا دِل اس کی زبان میں ہوتا ہے اور عقل مند

کی زبان اس کے دِل میں ہوتی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ اسی دِل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ پانچ چیزیں دِل کے بگڑنے کی نشانی ہیں:

1. توبہ کی امید پر گناہ کرنا
2. علم سیکھنا اور عمل نہ کرنا
3. اخلاص نہ ہونا
4. رزق کھانا اور شکر نہ کرنا
5. مردوں کو دفن کرنا اور عبرت نہ پکڑنا

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دِل کو روشن کرنا ہو تو غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرو۔

امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حقیقی تقویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے دِل میں ہے اگر تم اس کو کھلے ہوئے طباق میں رکھ دو اور اس کو لے کر بازار کا گشت کرو تو اس میں ایک چیز بھی ایسی نہ ہو جس کو اس طرح ظاہر کرنے میں تمہیں شرم آئے یا کوئی حرف گیری کر سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غمِ دنیا دِل کو تاریک اور غمِ عقبیٰ دِل کو روشن کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے: دنیا میں دو چیزیں پسندیدہ ہیں: ایک سخنِ دِل پذیر، دوم دِلِ سخن پذیر۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قولِ اقدس ہے: تمہارے جسم میں گوشت کا ایک ٹکرا ہے جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، معلوم رہے کہ وہ دِل ہے۔

مسند احمد کی روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ دِل چار قسم کے ہوتے ہیں:

پہلا قلبِ اجرد: یعنی ایسا دِل جو صاف و شفاف ہو، فرمایا اس کی مثال روشن چراغ

جیسی ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نہ ہو۔ دوسرا قلبِ اغلف ہے: جو غلاف میں بند کر دیا گیا ہو اور پھر اوپر سے دھاگے کے ساتھ باندھ دیا گیا ہو۔ تیسرا قلبِ منکوس: یعنی اوندھا ہے، اس کا سر نیچے اور پیندا اوپر ہے۔ چوتھا قلبِ مصفح ہے یعنی دو پہلو والا دل۔

پہلی قسم کا دِل مؤمن کا ہے جس میں نورِ ایمان بالکل صاف اور واضح ہے اس میں کوئی خرابی یا کسی قسم کی ملاوٹ نہیں ہوتی۔ غلاف میں بند دِل کافر کا ہے۔ اوندھا دِل منافق کا ہے جس نے ایمان کو پہچان تو لیا ہے مگر قبول نہیں کیا وہ محض اپنے بچاؤ کی خاطر فریب کاری کرتا ہے۔ رہا پہلودار دِل تو وہ ایسا ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی یہ عملی منافق ہے جسے کسی حد تک یقین بھی ہوتا ہے اور کبھی وہ متردد بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراق بڑے پائے کے بزرگ ہوئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ قلب پر چھ قسم کی حالتیں وارد ہوتی ہیں۔ یعنی حیات اور موت، صحت اور بیماری، بیداری اور نیند۔ فرماتے ہیں قلب کی حیات ہدایت کی مرہونِ منت ہے اگر ہدایت نصیب ہو گئی تو سمجھ لیں کہ دِل زندہ ہے اور قلب کی موت گمراہی سے واقع ہوتی ہے۔ کسی قسم کی گمراہی دِل میں پیدا ہو جائے تو سمجھ لیں کہ دِل مردہ ہو گیا۔ قلب کی صحت، طہارت اور صفائی کی وجہ سے ہوتی ہے اور طہارت کا حصولِ ایمان اور توحید کی بدولت ہے کہ ایمان کے بغیر طہارت نصیب نہیں ہو سکتی۔ قلبِ سلیم وہی ہو گا جس میں پاکیزگی اور نورِ ایمان ہو گا اس کے برخلاف قلب میں بیماری گندے تعلقات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ دِل کی بیداری ذکرِ الٰہی میں ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہے تو سمجھ لو کہ اس کے دِل پر غفلت کی نیند طاری ہے۔

میرے دوستو! ہمیں کوئی جسمانی بیماری لاحق ہو جائے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں لیکن دِل کی بیماریوں کی طرف ہماری کوئی توجہ نہیں۔ رِیا کاری دِل کی بیماری ہے۔ جان

لیس کہ تکبر دِل کی بیماری ہے، ہوس دِل کی بیماری ہے، حرص دِل کی بیماری ہے، بخل دِل کی بیماری ہے، کینہ دِل کی بیماری ہے، حسد دِل کی بیماری ہے اور انبیاء علیہم السلام انہی بیماریوں سے دِل کو پاک کرنے کے لئے دنیا میں آتے رہے ہیں انہوں نے سب سے زیادہ محنت قلوب کے تزکیہ پر کی، سب سے زیادہ زور دلوں کی تطہیر پر دیا اس لئے کہ دِل پاک ہو جائے تو انسان پاک ہو جاتا ہے، دِل بدل جائے تو انسان بدل جاتا ہے، اس کی زندگی بدل جاتی ہے، مقصدِ حیات بدل جاتا ہے، دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے، محبت وعداوت کے پیمانے بدل جاتے ہیں، محنت اور تجارت کے ہدف بدل جاتے ہیں، گھر بدل جاتے ہیں، معاشرہ بدل جاتا ہے، زمانہ بدل جاتا ہے، تاریخ بدل جاتی ہے، اخلاق بدل جاتے ہیں، راتیں بدل جاتی ہیں، ساقی بدل جاتے ہیں، پیمانے بدل جاتے ہیں، مے خوار بدل جاتے ہیں، میخانے بدل جاتے ہیں ارے! اور تو اور پیرِ مغاں بدل جاتے ہیں۔

آیئے! ہم دِلوں کے بدلنے کی محنت کریں، آیئے! ہم قلوب کا تزکیہ کریں، آیئے! ہم ظاہر سے پہلے باطن کو بدلنے کی کوشش کریں۔ باری تعالیٰ ہماری کوشش کو ثمر بار کرے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

شکر

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر احباب! السلام علیکم

میں آج کی اس نشست میں ''شکر'' کے موضوع پر کچھ کہنے کی جسارت کرنے لگا ہوں۔

شکر کا جذبہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، وہ اپنے محسن کی قدر کرتا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہے، اس سے محبت کرتا ہے، اس کی بات مانتا ہے۔ اگر چھوٹے موٹے احسانات کا شکریہ ادا کرنا انسانی فطرت کا تقاضہ ہے تو پھر محسنِ حقیقی کا شکریہ ادا کرنا ہم پر کیوں لازم نہ ہوگا، جس کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں۔ اگر سمندر سیاہی بن جائیں، درخت قلم بن جائیں، ساری خشکی کاغذ بن جائے، سارے انسان کاتب بن جائیں تو بھی اس کی نعمتوں کا شمار نہیں کر سکتے۔ وہ محسنِ حقیقی جس نے کائنات کو تخلیق کیا، جس نے سورج، چاند اور ستاروں کو ہماری خدمت میں لگا دیا، زمین ہمارے لئے غلہ اگاتی ہے، سورج ہمارے لئے توانائی فراہم کرتا ہے، چاند کی کرنیں ہمارے لئے ہیں، ستاروں کی کہکشاں ہمارے لئے ہے، پھولوں کا حسن ہمارے لئے ہے، طیور کی خوش الحانیاں ہمارے لئے ہیں، فضاؤں کی وسعتیں ہمارے لئے ہیں، دریاؤں کا بہاؤ ہمارے لئے ہے، پہاڑوں کی بلندیاں ہمارے لئے ہیں، جانوروں کی پشت ہمارے لئے ہے، ان کا گوشت ہمارے لئے ہے، جس ذات نے ہمارے لئے اتنا کچھ پیدا کیا ہے اس کا شکریہ ادا کرنا کیا ہم پر واجب نہیں ہے؟

پھر یہ بھی سوچئے کہ آنکھوں کو بینائی کس نے دی، کانوں کو شنوائی کس نے عطا کی، زبان میں گویائی کس نے رکھی، ہاتھوں کا لمس، عقل کا نور، چلنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کے سوا کون دے سکتا ہے۔ آپ سوچتے جائیے، گنتے جائیے، لکھتے جائیے، آپ سوچتے سوچتے تھک جائیں گے، گنتے گنتے تھک جائیں گے، لکھتے لکھتے تھک جائیں گے مگر منعمِ حقیقی کی نعمتیں ختم ہونے میں نہیں آئیں گی۔

جب نعمتوں کا احساس ہوگا تو دِل میں شکر کا جذبہ پیدا ہوگا اور جب دِل میں جذبہ پیدا ہوگا تو زبان اس کا شکر ادا کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے گی اور جب دِل میں جذبہ پیدا ہوگا اور زبان شکر ادا کرے گی تو مزید نعمتوں کی بارش ہوگی۔

حقیقت میں شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر کے دائرے میں داخل ہے۔ ساری عبادتیں شکر ہیں، بندوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور نیک برتاؤ بھی حقیقت میں شکر ہے، دولت مند اپنی دولت کا کچھ حصہ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہے تو یہ دولت کا شکر ہے، صاحبِ علم اپنے علم سے بندگانِ الٰہی کو فائدہ پہنچاتا ہے تو یہ علم کی نعمت کا شکر ہے، طاقت ور کمزوروں کی امداد اور اعانت کرتا ہے تو یہ بھی قوت و طاقت کی نعمت کا شکرانہ ہے الغرض شریعت کی اکثر باتیں اسی ایک شکر کی تفصیلیں ہیں۔

شکر کے اس جذبے کو کبھی ہم زبان سے ادا کرتے ہیں، کبھی اپنے ہاتھ پاؤں سے پورا کرتے ہیں، کبھی اس کا بدلہ دے کر اس قرض کو اتارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے زبان سے اس فرض کے ادا کرنے کا نام حمد ہے اور اس کے مطالبہ سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سارے قرآن مجید کا نچوڑ سورۂ فاتحہ ہے۔ سورۂ فاتحہ کا نچوڑ اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اسی وجہ سے قرآنِ پاک کا آغاز الحمدللہ سے کیا گیا ہے۔

جہان اور جہان میں جو کچھ رنگ برنگ کی مخلوقات اور عجائبات ہیں، سب کی پرورش

اور زندگی اسی اللہ تعالیٰ کا کام ہے، اسی کے سہارے جی رہے ہیں اور نکھر رہے ہیں، اس لئے حمد اس ایک کی ہے، یہ تو دنیا کے نیرنگِ قدرت کا آغاز ہے لیکن دنیا جب اپنے تمام منازلِ حیات کو طے کر کے فنا ہو چکی ہوگی اور یہ موجودہ زمین و آسمان اپنا فرض ادا کر کے نئے آسمان اور زمین کے روپ میں ظاہر ہو چکے ہوں گے۔ اہل جنت جنت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں جا چکیں گے یہ وہ وقت ہوگا جب دنیا اپنے اس نظام یا دورہ کو پورا کر چکی ہوگی جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا تھا، اس وقت عالمِ امکان کے ہر گوشے سے یہ سریلی آواز بلند ہوگی۔ ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

حمد کا یہ ترانہ موجودہ دنیا کے ایک ایک ذرّہ سے آج بھی بلند ہو رہا ہے بس سننے والے کانوں اور سمجھنے والی عقلوں کی ضرورت ہے۔

عرصۂ وجود کی ہر چیز اسی کی حمد و تسبیح میں لگی ہوئی ہے۔ درخت جم کر اور جھوم کر اس کی حمد کرتے ہیں، پہاڑ ایستادہ رہ کر اس کی حمد کرتے ہیں، پرندے چہچہا کر اس کی حمد کرتے ہیں، سورج کرنیں بکھیر کر اس کی حمد کرتا ہے، چاند چاندنی پھیلا کر اس کی حمد کرتا ہے، ستارے چمک چمک کر اس کی حمد کرتے ہیں۔ ہر ایک چیز اپنے اپنے انداز میں حمد و تسبیح کر کے شکر ادا کر رہی ہے اسی طرح شکر کے ادا کرنے کا مطالبہ انسانوں سے بھی کیا گیا ہے اور طریقہ کار بھی بتا دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو جسمانی نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کا شکر یہ یہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ پاؤں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں لگا رکھیں اور ان سے ان کی خدمت کریں جو اس جسمانی نعمت کے کسی جزو سے محروم ہیں۔ مثلاً جو اپاہج اور معذور ہوں، بیمار ہوں، کسی جسمانی قوت سے محروم ہوں یا کسی عضو سے بیکار ہوں ہم ان کے دکھوں کو بانٹیں، ان سے تعاون کریں۔ مالی نعمتوں کا شکر یہ یہ ہے کہ جو اس نعمت سے بے نصیب ہوں ان کو اس سے حصہ دیا

جائے۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، پیاسوں کو پانی پلایا جائے، ننگوں کو کپڑا پہنایا جائے، بے سرمایوں کو سرمایہ دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی بہت ساری آیات میں اپنی قدرت کی نعمتوں کا ذکر کر کے شکر کی ہدایت کی ہے۔

یہ شکر اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ قدرت والے کی قدرت تسلیم کریں اور دن کی روشنی، چاند کے اُجالے اور رات کے سکون میں ہم وہ فرض ادا کریں جس کے لئے یہ چیزیں ہم کو بنا کر دی گئی ہیں۔

گرامی قدر حاضرین! قدر شناسی اور شکر کا جذبہ حیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے گھوڑا اور کتا تو اپنے محسن کے لئے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے جب حیوان بھی اس جذبہ سے خالی نہیں تو انسان اس جذبہ سے کیوں خالی ہو؟ ہم جس قدر شکر کریں گے نعمتوں کی بارش اسی قدر زیادہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مرتے دَم تک اس کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

منشیات

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

آج کی دنیا کو جو ایک انتہائی خطرناک اور تباہ کن مسئلہ درپیش ہے وہ منشیات کا مسئلہ ہے اگر چہ کچھ اور بھی مسائل ہیں جنہوں نے کئی مملکتوں کو، کئی لیڈروں کو، کئی سائنس دانوں کو، کئی حکیموں اور ڈاکٹروں کو پریشان کر رکھا ہے ان میں بے روزگاری کا مسئلہ ہے، ایڈز کا مسئلہ ہے، بڑھتی ہوئی آبادی اور وسائل کی کمیابی سے بھی اہل مغرب سراسیمہ ہیں، ایٹمی دور اور ترقی نے بھی کئی لوگوں کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں لیکن سب مسائل سے زیادہ تباہ کن اور پریشان کن مسئلہ منشیات کی کثرت کا ہے۔نئی نسل تیزی سے منشیات کے استعمال کی طرف راغب ہو رہی ہے اور دن بدن ان کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

ہر ملک میں استعمال ہونے والی منشیات کی قسم اور کوالٹی الگ ہے مگر وائن، شراب، ہیروئن، حشیش، افیون، مارفیا، چرس اور گانجا جیسی چند ایک منشیات ایسی ہیں جن کو دنیا بھر کے نشہ کرنے والے جانتے اور پہچانتے ہین اگر چہ ان کے مارکیٹ نام الگ الگ ہیں۔ کہیں ان کو راکٹ کہتے ہیں، کہیں ان کو فلائنگ ہارس کہتے ہیں، کہیں ان کو چمپئن اور گولی کہتے ہیں۔ان منشیات میں آج سرفہرست افیون اور اس سے بنائی جانے والی چیزیں ہیں۔ کیمیاوی طریقوں سے آج کل مارفین، کوڈین، ہیروئن اور پیتھیڈن وغیرہ افیون ہی

سے تیار کی جاتی ہیں اور دنیا بھر میں استعمال کی جاتی ہیں لیکن ہر قسم کی منشیات کے استعمال میں امریکہ سب سے آگے ہے۔ وہاں کے لڑکے اور لڑکیاں بالغ ہونے سے پہلے ہی منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ بارہ تیرہ سال کے بچے بھی اس لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور منشیات کا سب سے زیادہ استعمال وہیں ہوتا ہے بلکہ اعداد و شمار کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اگر تمام دنیا کے منشیات پسند ایک جگہ جمع کر لئے جائیں تو بھی USA کے اعداد و شمار سے کم ہوں گے۔

اس کے علاوہ برازیل، چلی، سلوے ڈار، ارجنٹائن، لبنان، اسپین سویڈن، سوئٹزرلینڈ، اسرائیل، ہانگ کانگ، کوریا، جاپان، لاؤس، سنگاپور اور فرانس وغیرہ میں بیس برس اور پندرہ برس کے لڑکے اور لڑکیاں منشیات کے عادی ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ وہ ممالک ہیں جو ترقی یافتہ ممالک کہلاتے ہیں۔

جہاں محنت مزدوری کا معقول معاوضہ اور مشاہرہ ملتا ہے۔

جہاں خوشحال طبقہ اکثریت میں ہے۔

جہاں عیاشی پر کسی قسم کی قدغن نہیں۔

جہاں ہر طرح کی مادر پدر آزادی حاصل ہے۔

جہاں ہر طرح کی طبی، معاشرتی اور معاشی آسانیاں حاصل ہیں۔

لیکن اس کے باوجود کیا وجہ ہے کہ وہاں منشیات پسندوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ وہاں کا انسان اندر سے ہل چکا ہے وہ باہر سے خوشحال اور مطمئن نظر آتا ہے لیکن اندر سے کھوکھلا ہے اس نے خوشیاں اور سکون حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دِل کو مطمئن رکھنے کے لئے ہزاروں جتن اختیار کیے لیکن اس کے سارے حربے ناکام گئے اس کی ساری تدبیریں الٹی ثابت ہوئی ہیں جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اسلام

میں ہر قسم کا نشہ حرام ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے شراب کو حرام قرار دیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوعِ حدیث میں ہے کہ جنت تین شخصوں پر حرام ہے: شراب کا عادی، ماں باپ کا نافرمان، دیوث، جو اپنے اہل مین گندی باتوں کو دیکھ کر چشم پوشی کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ اگر ان چالیس دنوں میں موت آگئی تو جاہلیت پر مرا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس نے دنیا کو نشے کی حالت میں چھوڑا وہ قبر میں بھی مدہوش رہے گا اور اس کا حشر بھی نشے کی حالت میں ہوگا پھر اس کو جہنم مین داخل ہونے کا حکم دیا جائے گا، جہنم میں ایک نہر ہے جس میں پیپ اور لہو بہتا ہے اس نہر سے اس شخص کو کھولتا ہوا کچ لہو پلایا جاتا رہے گا۔ یہ بات بھی یاد رکھیں اسلام نے اس وقت شراب کو حرام کیا تھا جب پوری دنیا میں جسمانی طاقت اور وقتی نشاط کے لئے اس کا استعمال عام تھا اور اسلام نے اپنے مخصوص انداز کے مطابق شراب نوشی پر وعیدیں بھی سنائیں اور اس کے لئے سزا بھی مقرر کر دی لیکن اس کے طبی نقصانات پر بحث نہیں کی لیکن وہ سوسائٹیاں اور وہ ممالک جو شراب کو پانی کی طرح استعمال کرتے ہیں ان ممالک کے ڈاکٹر، سائنس دان اور عام سماجی کارکن، شراب نوشی اور اس کے بڑھتے ہوئے مہلک نتائج اور نقصانات پر پریشان ہیں۔ کثرت سے جنسی جبر کے واقعات اور ڈرائیونگ کے حادثات نے ان کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اگر وہ اسی نہج پر چلتے رہے تو ہولناک نتائج سے بچنا ممکن نہیں ہوگا۔

وہاں کے ڈاکٹر طویل تحقیق کے بعد تسلیم کر رہے ہیں کہ شراب کے زیادہ استعمال سے معدہ کی جھلی متورم ہو جاتی ہے اور سوزش بڑھ جاتی ہے، جگر کے افعال میں کمزوری آجاتی

ہے، حرکتِ قلب میں اضافہ ہوجاتا ہے، خون کی نالیوں کا پھیلاؤ زیادہ ہوجاتا ہے، کبھی کبھی بول و براز اعصابی کنٹرول سے باہر ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے شرابی مستانے بعض اوقات شلوار اور پتلون ہی میں فارغ ہو جاتے ہیں۔ شراب نوشی کی وجہ سے پھیپھڑے اور زبان کا سرطان بھی لاحق ہوسکتا ہے۔ یہ سارے نقصانات آج تسلیم کئے جا رہے ہیں جبکہ میرے مدنی، ہاشمی اور امی آقا ﷺ نے بہت پہلے شراب کو بیماری قرار دیا تھا۔

حضرت وائل فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام سوید بن طارق تھا اس نے آپ ﷺ سے شراب کے بارے میں سوال کیا آپ ﷺ نے منع فرما دیا تو اس نے عرض کیا کہ میں تو اس کو دوا کے طور پر استعمال کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اِنَّھا دَاءٌ وَلَیْسَتْ بِدَوَاءٍ''

''وہ تو بیماری ہے دوا نہیں ہے۔'' شراب کے علاوہ بھی ہر قسم کا نشہ اسلام میں حرام ہے خواہ وہ ہیروئن ہو یا افیون ہو یا بھنگ ہو یا چرس ہو۔ ان منشیات میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ ان میں فضول خرچی ہوتی ہے اور فضول خرچی خود حرام ہے۔ قرآنِ کریم میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیاطین کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ حقیقت میں نشہ کرنے والے انسان اپنے والدین اپنے بھائی، بہنوں اور اپنے بیوی، بچوں کا حق دبا کر منشیات خریدتے ہیں۔

دعا کیجئے کہ باری تعالیٰ ہمارے ملکِ عزیز کو منشیات کی وبا سے پاک فرمائے اور ہمیں ہر قسم کے نشے سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

ہیروئن

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

میرے بزرگو اور دوستو! ایک اخباری اطلاع یہ ہے کہ اس وقت ہمارے غریب اور صاحبِ ثروت نشہ باز ہر سال منشیات کی خریداری پر مجموعی طور پر سالانہ تیس ارب روپے خرچ کر رہے ہیں اور پاکستان میں نشے بازوں کی تعداد چوبیس لاکھ ہے جس میں روز بروز اضافہ ہی ہوا جا رہا ہے۔ یہ اعداد و شمار رونگٹے کھڑے کر دینے والے ہیں پھر یہ اعداد و شمار تو صرف ہیروئن اور افیون وغیرہ استعمال کرنے والوں کے حوالے سے ہیں، اگر سگریٹ، حقہ، نسوار اور پان کے ذریعے تمباکو پینے اور کھانے والوں کے اعداد و شمار اکٹھے کئے جائیں تو بات کروڑوں افراد اور کھربوں روپے تک پہنچے گی۔ اندازہ لگایئے اس ملک کے باسیوں کی فضول خرچ اور چونچلے کتنے ہیں جہاں ساڑھے پانچ کروڑ افراد کو صحت، صفائی اور پینے کے لئے صاف پانی ایسی بنیادی سہولتیں میسر نہیں ہیں، دس کروڑ افراد گندے پانی کی نکاسی کی جدید سہولت سے محروم ہیں، تین کروڑ ستر لاکھ افراد غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ چار کروڑ چالیس لاکھ افراد ناخواندہ ہیں اور اس معاشرے میں پانچ سال سے کم عمر کے ایک کروڑ بیس لاکھ بچوں کو ناکافی غذا ملتی ہے جس کے 2 کھرب، 92 ارب 91 کروڑ 46 لاکھ روپے کے تازہ ترین بجٹ میں سماجی بہبود کے شعبے کے لئے صرف تین ارب

روپے مخصوص کئے گئے ہیں۔

ایک ایسے معاشرے میں جہاں معاشی تفاوت اتنا بھیانک ہے کہ ایک طرف دس اور بیس ہزار کے جوتے پہنے جاتے ہیں اور دوسری طرف بے شمار لوگوں کے پیر کبھی چپل کی آسائش سے آشنا نہیں ہوئے، جہاں چند افراد کی بیٹیوں کی شادی پر کئی لاکھ کی رقم خرچ ہوتی ہے اور ایک عام کسان یا مزدور اپنی بیٹی کی رخصتی کے وقت چند سوتی جوڑوں کے اہتمام کے لئے بھی کسی کی نظر کرم کا محتاج ہے۔

اس معاشرے کو کس لائن پر لگا دیا گیا ہے اور کیسی لعنتوں میں مبتلا کر دیا گیا ہے، یہ سب کچھ اس لئے تا کہ نوجوان نسل فکری اور عملی اعتبار سے تہی دست ہو جائے اور اس کے اندر سامراجی اور مشرک طاقتوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ باقی نہ رہے اور سرمایہ داروں کی تجوریاں بھرتی رہیں۔

یاد رکھیے! اسلام میں ہر قسم کا نشہ حرام ہے خواہ وہ کسی بھی شکل میں کیوں نہ ہو۔ حضورِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ کوئی نشہ آور چیز نہ پیو! کیونکہ میں نے ہر نشہ آور چیز کو تمہارے لئے حرام کر دیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی نشہ آور چیز کو حرمت کا حکم آجانے کے بعد حلال سمجھتے ہوئے پیا پھر نہ تو توبہ کی اور نہ باز آیا تو قیامت کے دن اس کا میرے ساتھ اور میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا۔

آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ نشہ آور چیز نہ تو پیو اور نہ اپنے مسلمان بھائی کو پلاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جو شخص نشے کی لذت حاصل کرنے کے لئے اسے پیئے گا قیامت کے دن وہ شراب سے محروم رہے گا۔

اس مضمون کی متعدد احادیث آپ ﷺ سے منقول ہیں جس میں آپ ﷺ نے ہر نشہ

اور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔

ہیروئن کے مسلسل استعمال سے انسان کا مدافعاتی نظام ختم ہو جاتا ہے اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ جاتا ہے اور بہت جلد موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ ان منشیات نے صرف افراد ہی کو تباہ نہیں کیا بلکہ گھرانوں اور خاندانوں کو تباہی سے دو چار کر دیا ہے۔ منشیات کا عادی انسان بوڑھے والدین اور بیوی بچوں تک کو چھوڑ جاتا ہے، وہ والدین جنہوں نے بڑی آرزوؤں سے اسے پالا تھا اور اس کی جوانی کے ساتھ ان کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں وہ نوجوان ہیروئن پی کر سرِ راہ پڑا رہتا ہے اور اس کے بوڑھے والدین دو وقت کی روٹی کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔

ہم اخبارات میں ایسے واقعات بھی پڑھتے ہیں کہ کسی ہیرونچی نے اپنے نشہ کی خاطر والدین کے کپڑے، کسی نے گھر کے برتن، کسی نے اپنی بیوی کی عزت و ناموس اور کسی نے اپنے بچے تک بیچ ڈالے۔

آپ کبھی ہسپتالوں کے آس پاس چکر لگائیں آپ دیکھیں گے کہ یہ اپنا خون بیچنے کے لئے منڈلاتے رہتے ہیں۔ مجھے باوثوق احباب نے بتایا کہ جب کبھی اخبار میں ضرورت گردہ وغیرہ کا اشتہار شائع ہوتا ہے تو سب سے پہلے ہیرونچی اپنا گردہ بیچنے کے لئے پہنچتے ہیں۔ نشے کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہیں کہ اپنا ہر عضو اور ہر قیمتی چیز بیچنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بیوی بچوں سے زیادہ قیمتی چیز کیا ہو گی لیکن یہ بدقسمت اور پتھر دِل انسان انہیں بھی بیچنے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں۔

خدارا! آپ ان کو کبھی فٹ پاتھوں، گلی کوچوں اور گندے نالوں کے کنارے کیڑے مکوڑوں اور حیوانوں کی طرح پڑے ہوئے دیکھیں یقیناً آپ کو ان کی قابل رحم زندگی پر ترس آئے گا، یہ مہینوں غسل نہیں کرتے، میل کچیل کی وجہ سے ان کے سر کے بال چپک

جاتے ہیں، ان کے کپڑوں سے تعفن اٹھتا ہے، ان کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ ان سے بات کرنا محال ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات آپ انہیں گندگی اور کوڑے کرکٹ کے ڈھیر سے قوت لایموت تلاش کرتے ہوئے پائیں گے، وہ ہوٹلوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور کھانا کھانے والوں کے نوالے گنتے رہتے ہیں اور ان کے منہ تکتے رہتے ہیں، وہ ہر شخص سے روٹی کا سوال کرتے ہیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! ان لوگوں کی زندگی انتہائی قابل رحم ہے اور ہمیں غور وفکر اور منشیات کے پورے کاروبار کے خلاف جہاد کی دعوت دیتی ہے۔ ان میں سے کئی اچھے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر نشے کی لعنت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ بحیثیت مسلمان ہمیں ان کی اس قابل رحم زندگی کا درد اپنے دل میں محسوس کرنا چاہیے اور ان کی اصلاح اور منشیات کے سدِباب کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

ہمارے لئے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ ہم دولت کی ہوس اور مال کی محبت میں اتنے اندھے ہو گئے ہیں کہ پوری دنیا میں منشیات فروشی میں ہم بدنام ہیں، دنیا کے ہر ائیر پورٹ پر ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور یہ شک بلا وجہ نہیں ہے بلکہ ہم خود جانتے ہیں کہ ہمارے اونچی سوسائٹی کے معزز تاجر اور اونچے عہدوں پر فائز افسران بالا بلکہ قوم کی نمائندگی کرنے والے وزراء تک اس کاروبار میں ملوث رہے ہیں اور بارہا ان کے اسکینڈل اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں لیکن قوم کا خون پی پی کر پلنے والے ان اژدھوں کو گرفتار نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ لاکھوں انسانوں کی بربادی کے یہ مجرم ہیں۔ بے شمار جوانیوں کی تباہی کے یہ مجرم ہیں۔ باپ کے زندہ ہوتے ہوئے یتیم ہو جانے والے بچوں کی بے کسی کے یہ مجرم ہیں۔ شوہر کی موجودگی میں بیواؤں سے بدتر زندگی بسر کرنے والی سہاگنوں کے یہ مجرم ہیں۔ والدین سے ان کے بڑھاپے کے سہارے چھیننے کے یہ مجرم ہیں۔ پاکستان کو انٹر

نیشنل اسٹیج پر بدنام کرنے کے یہ مجرم ہیں۔

ان کی سفاکی کی انتہاء یہ ہے کہ معصوم بچوں کو اغواء کرنے کے بعد ان کا پیٹ چیر کر اس میں ہیروئن بھر کر برآمد کرتے ہیں، زندہ انسانوں کو لالچ دے کر ان کے جسم میں ہیروئن داخل کر کے باہر بھیجتے ہیں۔ کلامِ مقدس کو اندر سے کھوکھلا کر کے منشیات سپلائی کرتے ہیں۔اے کاش! میرے نبی کا سپاہی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوتا تو ان سفاک درندوں کی لاشیں پاکستان کے ہر چوراہے پر لٹکتی نظر آتیں، چھوٹے بڑے کے امتیاز کے بغیر میزانِ عدل قائم ہوتی تو چمچماتی کاروں میں پھرنے والے عدالت کے کٹہرے میں دکھائی دیتے۔

مسلمانو! اسلام کے نظامِ عدل کے قیام کی کوشش کرو اس کے بغیر مجرموں کی سرکوبی نہیں ہوسکتی، صرف چہرے بدلنے سے کچھ نہیں ہوگا نظام بدلنے کی ضرورت ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

سگریٹ نوشی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

آج کل ہمارے ہاں سگریٹ نوشی کی وباء عام ہوتی جارہی ہے بعض لوگ فیشن کے طور پر سگریٹ پیتے ہیں، بعض نشے کے طور پر سگریٹ پیتے ہیں، بعض لوگ محض بڑوں کی نقالی کے طور پر سگریٹ پیتے ہیں، لیکن یادرکھیں کہ آپ کا سگریٹ پینے سے کچھ بھی مقصد کیوں نہ ہو بہر حال اسلامی، طبی اور معاشی نقطہ نظر سے سگریٹ پینا ناجائز ہے۔ سگریٹ میں بڑے بڑے نقصانات اور خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ سگریٹ نوشی میں سب سے پہلا نقصان تو یہ ہے کہ اس میں فضول خرچی ہے کیونکہ ایک غریب آدمی بھی جو سگریٹ نوشی کا عادی ہے وہ روزانہ کم ازکم چھ روپے کے سگریٹ پی جاتا ہے گویا وہ ہر ماہ ایک سو اسی روپے اور ایک سال میں بائیس سو روپے اور اپنی چالیس سال کی زندگی میں چھیانوے ہزار روپے اس شوقِ فضول کی نذر کردیتا ہے۔ یہ ان کا حال ہے جو صرف چھ روپے روزانہ خرچ کرتے ہیں اور جو پندرہ بیس روپے روزانہ اڑاتے ہیں ان کا حساب تو لاکھوں میں جائے گا، اگر اللہ تعالیٰ کے یہ بندے اس پیسے سے خود حج کر لیتے یا اپنے والدین کو حج کرا لیتے یا اس سے صدقہ جاریہ کا کوئی کام کرجاتے تو ان کے خون پسینے کی کمائی ٹھکانے لگ جاتی مگر اس سے انہیں کیا فائدہ حاصل ہوا۔ یہ تو ہم انفرادی نقصان کی بات کررہے ہیں اگر ہم اجتماعی سطح پر

سگریٹ نوشی

سوچیں تو اعداد وشمار ہمارے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں کہ ہم کتنے بڑے جرم کا ارتکاب کر رہے ہیں بہت پہلے یعنی 1965ء تک باوثوق ماہرین کا خیال تھا کہ پاکستان میں روزانہ 30 لاکھ 12 ہزار روپے اور ہر گھنٹے میں ایک لاکھ 25 ہزار روپے کے سگریٹ استعمال ہوتے ہیں جبکہ اس رقم سے "17" لڑاکا سپر سانک جیٹ طیارے یا 500 ٹینک یا 10 بحری جہاز خریدے جاسکتے تھے۔ یہ تو 1965ء کی صورت حال تھی اب تو صورتِ حال مزید خراب ہو چکی ہے اور مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین میں بھی یہ مرض سرایت کر گیا ہے۔

ایک سال میں دنیا میں جتنے سگریٹ تیار ہوتے ہیں ان سے زمین سے لے کر چاند تک سات فٹ چوڑا اور ایک سگریٹ کے برابر موٹا فرش بچھایا جا سکتا ہے جبکہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ دنیا میں سگریٹ نوشی کی وباء کس قدر عام ہوگئی ہے انسان گویا اپنے اپنے ملک کی کرنسی منہ میں دبا کر بڑے شوق سے اس کا دھواں اڑا رہا ہے۔ یہی حال ہمارے پان خور بھائیوں کا بھی ہے اور وہ اسراف کے ساتھ ساتھ گندگی بھی پھیلاتے ہیں۔ جہاں دِل چاہتا ہے پان کی پیک پھینک دیتے ہیں۔ چنانچہ کوئی اسٹیشن، کوئی بس اسٹاپ، کوئی اہم عمارت یہاں تک کہ مسجد تک ان کی پچکاریوں سے محفوظ نہیں رہتی۔ سگریٹ نوشی میں دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس میں بے شمار بیماریاں ہیں۔ جدید تحقیقات نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تمباکو میں پایا جانے والا زہر جسے نکوٹین کہتے ہیں اگر اس زہر کے بیس قطرے سانپ جیسے زہریلے جانور کو کھلا دیئے جائیں تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے مگر انسان بڑا سخت جان اور ڈھیٹ ہے کہ زہر پیتا ہے اور پھر بھی زندہ رہتا ہے مگر ایسی بھی کیا زندگی کہ انسان بیماریوں کی پوٹ بن کر رہ جائے۔

اللہ کے بندو! جس امریکہ کی نقالی کو تم اپنے لئے قابل فخر سمجھتے ہو اور جہاں سے درآمد کی جانے والی ہر چیز کو آسمانی تحفہ سمجھ کر سینے سے لگاتے ہو اسی امریکہ کی امریکن کینسر سوسائٹی،

امریکن ہیلتھ سروس، امریکن میڈیکل ایسوسی ایشن اور برٹش میڈیکل ریسرچ کونسل نے طویل تحقیق کے بعد اعتراف کیا ہے کہ دِل اور پھیپھڑے کے سرطان کا سب سے بڑا سبب تمباکو اور سگریٹ نوشی ہے اور انہوں نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ اگر سرطان موجودہ شرح کے مطابق پھیلتا رہا تو ہر دو منٹ کے بعد ایک امریکی سرطان کی بیماری سے مر جائے گا۔ اب بھی ہر سال دنیا میں دس لاکھ انسان تمباکو نوشی کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔

فیلسوف اسلام امام غزالی رحمہ اللہ نے بہت پہلے لکھا تھا کہ حشیش اور تمباکو سے ستر مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج کی جدید طبی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ واقعی تمباکو نوشی سے پیدا ہونے والے امراض کی تعداد ان امراض سے کم نہیں جو امام غزالی رحمہ اللہ نے بیان کئے تھے۔

دنیا بھر کے ڈاکٹر تسلیم کرتے ہیں کہ سگریٹ کے زہریلے جز و ٹار اور نکوٹین سے خون کی ارگیں سکڑ جاتی ہیں، دِل کی رگیں تنگ ہو جاتی ہیں، دماغ کی کارکردگی کم ہو جاتی ہے، مزاج میں ضد، خوف، بد مزاجی اور چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا ہے، معدہ صحیح کام نہیں کرتا اور بھوک اڑ جاتی ہے۔ یہ سارے امراض تمباکو نوشی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ لوگ اپنا پیسہ خرچ کر کے یہ بیماریاں خریدتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔

سگریٹ نوشی میں تیسری خرابی اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے منہ میں سخت بد بو پیدا ہو جاتی ہے اور ہمیں حکم یہ ہے کہ بد بو دار چیز کھا کر مسجد میں نہ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”لہسن یا پیاز استعمال کرنے والے کو چاہیے کہ وہ مسجد میں نہ آئے۔“ یہ ممانعت اس لئے ہے تا کہ اس کی بد بو سے دوسرے لوگ پریشان نہ ہوں حالانکہ کوئی شخص اگر لہسن یا پیاز کھانے کے بعد سنگترہ یا کھیرا استعمال کر لے تو بد بو ختم ہو سکتی ہے جبکہ تمباکو اور نسوار کی بو ختم نہیں ہوتی۔ بعض لوگ کلی کرنے کے بعد سمجھتے ہیں کہ بو ختم ہو

گئی حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور ایک حساس شخص کو ان کے ساتھ بات کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ یوں بھی شاعر کا کہنا تو یہ ہے:

اگر ہزار بشویم دہن بہ عطر و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اگر ہزار بار بھی ہم اپنے منہ کو عطر و گلاب کے ساتھ دھولیں تو بھی ہمارا منہ اس قابل نہیں کہ ہم اس منہ سے تیرا نام لے سکیں۔ پھر کس قدر بے ادب ہے وہ شخص جس کے منہ سے بدبو کے بھبھکے اٹھتے ہوں اور وہ نماز بھی پڑھے، قرآن مجید کی تلاوت بھی کرے اور درود شریف کا ورد بھی کرتا رہے حالانکہ بدبو کی وجہ سے فرشتے بھاگ جاتے ہیں۔ ان تمام نقصانات اور خرابیوں کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم فوری طور پر سگریٹ نوشی سے تائب ہو جائیں۔ اس طرح ہم آنے والی نسل کو بھی اس خبیث شے سے محفوظ رکھ سکیں گے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

رِشوت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

میرے بزرگواور دوستو! یوں تو مملکت عزیز پاکستان میں مختلف قسم کے حرام خور پائے جاتے ہیں اور مختلف طریقوں سے حرام خوری ہو رہی ہے، چوری، ڈکیتی اور اغواء برائے تاوان کا کاروبار کر رہے ہیں، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی ناپ تول میں کمی، کام چوری اور گدا گری عام ہے، جھوٹی قسمیں کھا کر اور اعلیٰ مال دکھا کر گھٹیا مال چلانے کی عادت ہے مزدوروں سے کام پورا لے کر معاوضہ کم دینے کی عادت ہے لیکن میری حقیر نظر میں سب سے زیادہ خطرناک حرام خور جو ہے وہ رشوت خور ہے جس نے ملک عزیز کو دنیا بھر میں بدنام کر دیا ہے۔ ماتم کا مقام ہے کہ وہ مملکت جس کے حصول کا مقصد و مطلب لا الہ الا اللہ قرار دیا گیا ہے، وہ مملکت جس کی بناء پر لاکھوں نے قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، وہ مملکت جس کی بناء میں ہزاروں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزت و ناموس کا خون شامل ہے، وہ مملکت جس کی خاطر لاکھوں بچوں کو یتیم اور سہاگنوں کو بیوہ کرانا برداشت کیا گیا، وہ مملکت جس میں عدل و انصاب کے قیام اور قانون کی حکمرانی کے وعدے کئے گئے تھے آج اسی مملکت میں رشوت خوری کی وبا کی وجہ سے قانون چند ٹکوں کے بدلے بکتا ہے اور اس کی سر عام بولی لگتی ہے، بے گناہ غریب مجرم اور قاتل ٹھہرتا ہے اور صاحبِ ثروت سرمایہ دار رشوت کے جادو سے بے گناہ اور پاکباز بن جاتا ہے، قاتل اور منشیات فروش رشوت کے دم قدم سے سوسائٹی کا معزز ممبر شمار

ہوتا ہے، اس پر کسی کو ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی گویا رشوت دے کر آپ انسانوں کا خون ناحق بہا سکتے ہیں، ان کے مستقبل سے کھیل سکتے ہیں، ان کی صلاحیتوں کو تباہ کر سکتے ہیں، رشوت دے کر آپ قانون خرید سکتے ہیں، جھوٹے گواہوں کا انتظام کر سکتے ہیں، زمینوں اور مکانوں پر ناجائز قبضہ کر سکتے ہیں، من گھڑت میڈیکل رپورٹس حاصل کر سکتے ہیں، امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہو سکتے ہیں، ٹیلیفون لگوا سکتے ہیں، پرمٹ حاصل کر سکتے ہیں، پانی اور بجلی کے کنکشن لے سکتے ہیں، شاہراہوں پر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیاں کر سکتے ہیں، انتخابی نتائج کو تبدیل کروا سکتے ہیں، مملکت کے قیام کو داؤ پر لگا سکتے ہیں، غداری کر سکتے ہیں، ملک کا سودا کر سکتے ہیں، دشمن ممالک کے لئے جاسوسی کر سکتے ہیں۔

یہ سب کچھ آپ رشوت کے بل پر کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ رشوت دینے کی سکت اور حوصلہ نہیں رکھتے، آپ قانون کے دائرے میں رہنا چاہتے ہیں، آپ خوفِ خدا میں مبتلا ہیں، آپ غریبی اور افلاس کے مجرم ہیں، آپ کی جیب آپ کو آفیسران کرام کی ڈیمانڈ پوری کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو پھر سن لیجئے کہ آپ قانون کی پاسداری کرتے ہوئے بھی جیل کی کال کوٹھڑی کے حوالے ہو سکتے ہیں۔ ابھی کل کے اخبار ہی میں میں نے خبر پڑھی کہ ایک بے گناہ شخص پینتالیس سال جیل میں گلتا سڑتا رہا اس کا کوئی جرم نہیں تھا اسے آوارہ گردی کے محض الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا وہ چونکہ رشوت دینے کی سکت نہیں رکھتا تھا اسے اپنی زندگی کے قیمتی پینتالیس سالوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ وہ جیل میں گیا تھا تو نوعمر تھا اب ایک رفاہی ادارے کی کوشش سے رہا ہوا ہے تو اس کی کمر خم ہو چکی ہے، اس کے بال سفید ہو چکے ہیں، وہ اپنا ماضی کھو چکا ہے اور اب اس بے چارے کا مستقبل ہی کیا ہوگا؟ ہائے افسوس! بڑے بڑے قاتل اور منشیات فروش بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھ کر ہماری قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں اور ایک نوعمر بچے کو محض آوارہ گردی کے جرم میں پینتالیس سال کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

لعنت ہو رشوت خورو! تمہاری سوچ پر، تمہارے کردار پر، تمہارے طرزِ عمل پر، تمہاری بڑی بڑی کوٹھیوں اور کاروں پر، تمہاری پھیلی ہوئی توندوں پر کہ تم نے نامعلوم کتنی بہنوں سے ان کے بھائی چھین لئے، کتنی ماؤں سے ان کے گبھرو جوان بیٹوں کو دور کر دیا، کتنے شیر جوانوں کی جوانیوں کو تباہ کر دیا۔ تم نے محض اپنی ہوس کاری کی خاطر کتنے بے گناہوں کو مجرم بنا دیا۔ تم نے اس ملکِ عزیز میں غیر اعلان کردہ ایسا نظام نافذ کر رکھا ہے کہ کوئی محنتی اور صاحبِ صلاحیت طالب علم نمایاں پوزیشن حاصل نہیں کر سکتا، کوئی فریادی انصاف نہیں پا سکتا۔

میرے ساتھیو! اگر آپ غور کریں تو آپ کو شیطان اور راشی میں کئی اعتبار سے مشابہت دکھائی دے گی بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ راشی کی ہر ادا، راشی کا ہر طریقہ، راشی کا مزاج شیطان سے ملتا جلتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ راشی شخص شیطان کا جڑواں بھائی ہے۔

شیطان انسانیت کا دشمن ہے، راشی شخص بھی انسانیت کا، ملک کا، ملت کا، مذہب کا، اجتماعی مفاد کا دشمن ہوتا ہے اسے محض اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے۔

شیطان لوگوں میں فساد ڈالتا ہے، راشی بھی یہی کام کرتا ہے، وہ حقداروں کو حق سے محروم کر کے بے گناہوں کو مجرم بنا کر قاتلوں اور ڈاکوؤں کو من مانی کے پروانے دے کر معاشرہ میں فساد کا بیج ڈالتا ہے، شیطان کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر یقین نہیں اور وہ انسان کو فقر و فاقہ سے ڈراتا رہتا ہے تاکہ وہ ہر وقت دولت جمع کرنے کی فکر میں لگا رہے اسی طرح راشی کو بھی رب کی ربوبیت اور رزاقیت پر مطلق یقین نہیں وہ اللہ تعالیٰ کو مسبب الاسباب نہیں سمجھتا بلکہ روپے پیسے کو مسبب الاسباب سمجھتا ہے، اس کا خیال ہے کہ اگر یہ حرام کمائی رک گئی تو میں بھوکا مر جاؤں گا، میرے بچوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا، مجھے سر چھپانے کے لئے مکان میسر نہیں رہے گا، اسی لئے وہ مرتے دم تک نجاست خوری میں مبتلا رہتا ہے۔

شیطان بے غیرتی اور فحاشی کے اڈے قائم کرتا ہے اور انہیں آباد کرنے کی دعوت دیتا

ہے۔آپ دیکھیں گے کہ راشی ان اڈوں کو آباد کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔قمار خانوں میں دیکھ لیجئے،قحبہ خانوں میں دیکھ لیجئے،شراب خانوں میں اور ناچ گھروں میں دیکھ لیجئے، کلبوں اور سینماؤں میں دیکھ لیجئے،آپ کو ہر جگہ راشی اور اس جیسے دوسرے حرام خور پیش پیش نظر آئیں گے۔ یہ بد بخت اتنے سنگدل ہیں کہ یتیموں، غریبوں، کمزوروں اور مظلوموں کے خون پسینے کی کمائی سے رقص وسرور کی محفلیں بپا کرتے ہیں اور بڑی بے دردی سے رشوت کی کمائی کو ناؤنوش میں اڑادیتے ہیں۔

شیطان کے بارے میں ربِ کریم فرماتے ہیں کہ وہ فضولیات میں دولت اڑادینے والوں کا بھائی ہے اور راشی سے زیادہ فضول خرچ تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر جائز و ناجائز مصرف پر خرچ کرنے کے لئے وہ ہر وقت آمادہ رہتا ہے۔

ان تمام دلائل اور احوال سے یہ دعویٰ قطعی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ راشی شیطان کا بھائی ہے اس کا انسانوں سے کوئی رشتہ نہیں بلکہ اس کا اصل رشتہ اور تعلق شیطان کے ساتھ قائم ہے اسے ہم زیادہ سے زیادہ انسان نما شیطان کہہ سکتے ہیں۔

میرے ہم مکتب ساتھیو! آیئے ہم عہد کریں کہ ہم اپنی عملی زندگی میں کبھی رشوت نہیں لیں گے۔

آیئے ہم عہد کریں کہ ہم رشوت کا ظالمانہ نظام ختم کر کے اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کی کوششیں کریں گے۔

آیئے ہم عہد کریں کہ ہم اپنے سر پرستوں کو، اپنے عزیز رشتہ داروں کو، اپنے پڑوسیوں کو رشوت کے نقصانات بتا کر رشوت خوری سے منع کریں گے۔

اگر ہم اپنے عہد پر قائم رہے تو انشاء اللہ چند سالوں میں ملکِ عزیز سے رشوت کا کلی طور پر خاتمہ ہوجائے گا۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

خدمتِ خلق

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہ اَمَّا بَعْدُ:

اے دوست دِل میں گرد کدورت نہ چاہیے
اچھے تو کیا بروں سے بھی نفرت نہ چاہیے
کہتا ہے کون پھول سے رغبت نہ چاہیے
کانٹے سے بھی مگر تجھے وحشت نہ چاہیے
دگرگوں ہیں اہل ایمان کے حالات دوستو!
کیوں عام شیوہ خدمت و محبت نہ چاہیے

میرے ہم سفر ساتھیو! خدمتِ خلق وقت کی ضرورت بھی ہے اور بہت بڑی عبادت بھی، کسی انسان کے دکھ درد کو بانٹنا حصولِ جنت کا پروانہ ہے، کسی زخمی دِل پر محبت کا مرہم رکھنا اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے، کسی مقروض کے ساتھ تعاون کرنا اللہ کی رحمتوں او ر برکتوں کے متوجہ کرنے کا سبب ہے، کسی بیمار کی عیادت سنتِ رسول ﷺ بھی ہے اور سنتِ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، کسی بھوکے کو کھانا کھلانا ایمان کی علامت ہے۔ آپ کلام اللہ اور احادیث رسول ﷺ کا مطالعہ کیجئے اور دیکھیے کہ دوسروں کے کام آنے والوں کی کتنی تعریف کی گئی ہے انہیں کیسی بشارتیں سنائی گئی ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث ہے: ایک شخص سے مرتے وقت فرشتوں نے دریافت کیا

تو نے کوئی نیک کام کیا ہے؟ اس نے کہا مجھے تو یاد نہیں، پھر ملائکہ نے یاد کرایا، یاد کر شاید کوئی اچھا کام کیا ہو؟ اس نے کہا میں لوگوں سے لین دین کیا کرتا تھا، میں نے اپنے کارندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تنگدست مقروض کو مہلت دینا اور مالدار مقروض سے سختی نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس بندے سے تم بھی نرمی کرو اور قبض روح میں کوئی سختی کا برتاؤ نہ کرو۔

ترمذی شریف میں ہے جس نے کسی مفلس مقروض کو مہلت دی یا اس کا قرض معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''جب تک تم رحم نہ کرو تمہارا ایمان صحیح نہیں ہوسکتا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم سب رحیم ہیں۔ فرمایا: یہ رحم نہیں کہ تم کسی ایک کے ساتھ اچھا سلوک کرو یا ایک پر رحم کرو بلکہ رحمت عام ہونی چاہیے۔

آپ نے فرمایا: رحم کرنے والوں پر رحمن رحم کرتا ہے، تم زمین پر رہنے والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جن کو اس نے اپنی خاص نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے تاکہ وہ خدا کے بندوں کو نفع پہنچائیں جب تک یہ بندے اپنے مال سے یا اپنے اثر سے دوسروں کو نفع پہنچاتے رہیں گے خدا تعالیٰ بھی ان کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کرتا رہے گا۔ ان میں سے کوئی شخص اپنی کسی نعمت کو خدا کے بندوں سے روک دیتا ہے تو اللہ بھی اس سے اپنی نعمتوں کو سلب کر لیتا ہے اور کسی دوسرے اہل کو وہ نعمت عطا کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہ کی، بندہ عرض کرے گا میں تیری عیادت کس طرح کرتا تو رب العالمین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھے خبر نہیں فلاں شخص بیمار تھا۔ اگر تو اس کی

عیادت کرتا تو مجھ کو وہیں پاتا۔ بھوکے اور پیاسے کے متعلق اسی طرح سوال ہوگا فلاں شخص بھوکا تھا فلاں شخص پیاسا تھا اگر تو اس کو کھلاتا پلاتا تو مجھ کو وہیں پاتا۔

میرے مکی مدنی آقا ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی کسی بیمار کی عیادت کو جاتا ہے تو ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے تو اچھا، تیرا چلنا اچھا۔ تو نے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔''

میں کہاں تک عرض کروں خدمتِ خلق کے بارے میں میرے آقا ﷺ کے فرمودات بے شمار ہیں، میرے آقا ﷺ نے جو عظیم جماعت تیار کی تھی اس جماعت کا ہر فرد ان فرمودات پر عمل کرنے والا تھا۔ وہ خود دکھ اٹھا کر دوسروں کو سکھ دیتے تھے، وہ اپنے اوپر بوجھ لاد کر دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے تھے، وہ خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے، وہ خود پیاسے رہ کر دوسروں کو سیراب کرتے تھے، وہ اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر دوسروں کی جان بچاتے تھے، وہ بیماروں کی عیادت کرتے تھے، زخموں پر مرہم رکھتے تھے، وہ یتیموں کا سودا بازار سے خرید کر لاتے تھے۔ وہ بیواؤں کا پانی بھرتے تھے، وہ معذوروں کی مدد کرتے تھے۔

میرے ساتھیو! خود خوش رہنا کمال نہیں، کمال تو یہ ہے کہ دوسروں میں خوشیاں تقسیم کرے، خود کھانا کمال نہیں دوسروں کو کھلانا کمال ہے، اپنے مسائل کے حل کے لئے راتوں کو جاگنا کمال نہیں ہے بلکہ کمال تو یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے تڑپتے ہوئے رات گزار دے۔ اگر دنیا کے کسی خطے میں بھی مسلمان پریشان حال ہوں تو اس کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھے۔

میرے دوستو! اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائیے، کچی آبادیوں پر ایک نظر ڈالیے، وہاں کا دورہ کیجئے آپ کو بے شمار فاقہ کش انسان دکھائی دیں گے، آپ کو علاج سے محروم بیمار نظر آئیں گے، آپ کو تعلیم سے محروم ایسے معصوم بچے ملیں گے جو غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر مزدوری کر رہے ہیں، آپ کو ہسپتالوں میں ایسے بیمار اور زخمی ملیں گے جو ہمدردی کے دو

بولوں کے لئے ترس رہے ہیں۔ کیا ان لوگوں کے دکھ درد بانٹنا ہماری ذمہ داری نہیں ہے؟ کیا ان کی مالی اور اخلاقی امداد کرنا ہمارا مذہبی فریضہ نہیں ہے۔

قادیانیوں، عیسائیوں اور آغا خانیوں نے رفاہی اداروں، ہسپتالوں اور خیراتی اداروں کا ایک جال بچھا رکھا ہے اور وہ ہر سال اربوں روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ ہر مرزائی زندگی میں اپنی آمدنی کا دس فیصد اور وفات کے بعد کل مال کا پندرہ فیصد دیتا ہے۔ عیسائی اپنی بڑی بڑی جائیدادیں اس مد کے لئے وقف کر دیتے ہیں اور اس طرح یہ لوگ غریب مسلمانوں کو مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ آپ خاموش ہیں؟ کیوں دولت کو سینے سے لگا رکھا ہے؟ کیوں غافل بیٹھے ہیں؟ اٹھیے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مخلوقِ خدا کے خادم بن جایئے، خدمت کے ذریعے پوری دنیا پر چھا جایئے، مخدوم بننے کا خیال دِل سے نکال دیجئے، خادم بننے میں مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے، جب آپ اپنی خدمت کے نتیجے میں کسی زخمی اور بیمار کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھیں گے، کسی یتیم کے لبوں پر تبسم دیکھیں گے، کسی بیوہ اور بوڑھے کے منہ سے دعائیں سنیں گے تو آپ کو وہ خوشی نصیب ہوگی جو ہفت اِقلیم کی بادشاہت سے بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔

میں ربِ کریم سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم سب کو خدام بنائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

رزقِ حلال

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَه اَمَّا بَعْدُ:

گرامی قدر حاضرین! السلام علیکم

کتاب وسنت میں رزقِ حلال اختیار کرنے اور پاکیزہ غذا کھانے پر زور دیا گیا ہے کیونکہ غذا کا اثر انسان کے قلب ودماغ پر پڑتا ہے، غذا کا اثر انسان کے جذبات وخیالات پر پڑتا ہے، غذا کا اثر انسان کے اعمال وافعال پر پڑتا ہے۔ اگر غذا حرام اور ناپاک ہوگی تو دِل سیاہ ہوگا، اس میں قساوت اور ظلمت آجائے گی، قبولِ ہدایت کی صلاحیت اور استعداد ختم ہوجائے گی، دماغ میں ناپاک خیالات پرورش پائیں گے، جذبات کا رُخ شیطان اور شہوات کی طرف بدل جائے گا، اعمال خیر کی توفیق سلب ہوجائے گی، نیکی کا کرنا مشکل اور بدی کا کرنا آسان معلوم ہوگا، اولاد نافرمان ہوگی، وہ چوری چکاری اور دنگا فساد کی عادی ہو جائے گی، لیکن اگر رزقِ حلال میسر ہوتو دِل میں رقت اور لطافت پیدا ہوتی ہے، دِل خوف و خشیت سے لبریز ہوجاتا ہے، ہدایت کی باتیں سن کر اس میں نور پیدا ہوتا ہے، کلام اللہ کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث سن کر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے، شکر و صبر اور اِستغناء کے جذبات اس میں پرورش پاتے ہیں، دماغ میں پاکیزہ خیالات آتے ہیں، انوارِ ربانی کی بارش برستی محسوس ہوتی ہے، اعمالِ صالحہ کی توفیق ہوتی ہے، عبادت کا کرنا بڑا آسان اور معصیت کا کرنا بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے، اولاد فرمانبردار اور نیک ہوتی

ہے، دِل میں ایک عجیب سا سکون اور کیف محسوس ہوتا ہے، نہ کسی حاکم کی ناراضگی کا اندیشہ ستاتا ہے، نہ پکڑے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

جو شخص چالیس روز رزقِ حلال کھائے جس میں ذرہ بھر بھی حرام کی آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دِل کو منور کر دیتا ہے اور اس کی زبان سے حکمت کے چشمے جاری کر دیتا ہے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حلال روزی تلاش کرنے والا مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر ہے۔ اکل حلال کا اس دنیا میں نقد صلہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو منور فرما دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی زبانوں سے حکمت کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم ''جاوید نامہ'' میں فرماتے ہیں:

سرِ دیں صدق مقام اکل حلال
خلوت و جلوت تماشائے جمال
علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و رقت آید از نان حلال

رزقِ حلال کی اسی اہمیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے رزقِ حلال کی طلب کو فرض قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''حلال کو طلب کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''نماز، روزہ جیسے فرائض کے بعد کسبِ حلال کا طلب کرنا بھی فرض ہے۔''

جہاں حضور ﷺ نے رزقِ حلال کی طلب کو فرض قرار دیا ہے اور اس کی نورانیت اور برکات کو بیان فرمایا ہے وہیں آپ ﷺ نے حرام روزی سے بچنے کی تلقین کی ہے اور اس کی نحوست اور مکروہ اثرات بیان فرمائے ہیں۔ حرام کھانے والا ایسا بد بخت اور بدنصیب ہے کہ اس کی نہ نماز قبول ہوتی ہے، نہ نیک اعمال اور نہ صدقہ وخیرات قبول ہوتا ہے، نہ اس کی

دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ سب کچھ میں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں بلکہ یہ تمام وعیدیں سرورِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: ''جو حرام کا ایک لقمہ بھی کھائے گا اس کی چالیس راتوں کی نماز قبول نہ ہوگی۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے موقع پر یوں فرمایا: ''جو شخص دس درہم کا کوئی کپڑا خریدے اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہ فرمائیں گے، جب تک وہ کپڑا اس کے اوپر رہے گا۔ جو بندہ حرام لقمہ اپنے پیٹ میں ڈال لیتا ہے تو اس کے چالیس دنوں کا کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام اور غذا حرام ہو تو ان کی وجہ سے اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟'' جو شخص مال گناہ سے کماتا ہے پھر وہ اس سے عزیزوں کی امداد یا صدقے کرتا ہے یا خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے یہ سب قیامت کے دن جمع کیا جائے گا اور اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے شعب الایمان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں وہ جسم نہ جائے گا جس نے حرام غذا سے پرورش پائی۔''

قرآنِ حکیم میں بھی حرام کھانے والوں کو شدید وعید سنائی گئی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ اور جو کوئی سرکشی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا تو ہم عنقریب اس کو آگ میں ڈالیں گے اور اس طرح کرنا اللہ رب العزت کے لئے آسان ہے۔''

یہ ساری وعیدیں اپنی جگہ مگر صورتِ حال یہ ہے کہ جن لوگوں کو حرام کا چسکا لگ جاتا ہے انہیں حلال میں تو مزہ ہی نہیں آتا بلکہ انہیں حرام ہی میں لذت آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا ذوق بگڑ جاتا ہے، ان کا مزاج خراب ہو جاتا ہے۔

میرے دوستو! اپنی زندگی کے اس ابتدائی دور میں عہد کیجئے کہ ہم کبھی بھی رزقِ حرام کے قریب نہیں جائیں گے۔ ہم بھوکا رہنا گوارا کر لیں گے لیکن حرام روزی نہیں چکھیں گے، ہم زندگی کے سفر میں علامہ اقبال کے اس شعر کو سامنے رکھیں گے:

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

داعیِ قرآن مولانا محمد اسلم شیخوپوری شہید رحمہ اللہ

سو تقریریں

2

الناشر المنہل

بلاک A-1، گلستان جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی

021-34612901 | 0321-2000870

almanhalpublisher@gmail.com

almanhalpublisher@hotmail.com

web.facebook.com/almanhal.publisher

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مدعا

آج سے کوئی آٹھ نو سال قبل ''پچاس تقریریں'' جلد اوّل شائع ہوئی تھی بالکل خلاف توقع یہ کتاب طلبا میں بے حد مقبول ہوئی اور اس کی مقبولیت میں اس کے مرتب کا کوئی کمال نہ تھا بلکہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان تھا کہ اس نے اپنے ایک انتہائی کمزور بندے کی کمزور سی کاوش کو اہل علم و طلب کی نظر میں پسندیدہ بنا دیا۔

جلد اوّل کے آخر میں ''مزید پچاس تقریریں'' کا اشتہار دے بیٹھا تھا یہ اشتہار میرے لیے دردِ سر بن گیا، ہوا یہ کہ بالمشافہ اور بذریعہ خطوط جلد ثانی کے اس قدر تقاضے ہوئے کہ میں خجل ہو کر رہ گیا۔

کیا کروں میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں اور یہ مجبوریاں نہ سب کو معلوم ہیں نہ سب کی سمجھ میں آسکتی ہیں۔

- جسمانی عذر کی وجہ سے جہاں صحت متاثر ہوتی ہے وہیں کتب خانوں کا طواف کرنے اور کتابوں تک رسائی حاصل کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔
- طبیعت کچھ ایسی ہے کہ فراغت و وسعت کی زندگی بھی گزارنا چاہتا ہوں اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا بھی گوارا نہیں، اسی لئے معاشی جدو جہد کو بھی کچھ وقت دینا پڑتا ہے۔
- چھوٹے چھوٹے معصوم بچے بھی کچھ نہ کچھ وقت مانگتے ہیں۔

❁ اصل میں تو ایک مدرس ہوں یوں نصابی کتب کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

❁ ماہنامہ جریدہ الاشرف کی اداراتی ذمہ داریوں کے بھی کچھ تقاضے ہیں جو سلسلۂ روز و شب میں اپنا حصہ لے کر رہتی ہیں بالخصوص جب سے ''قرآن نمبر'' کا سلسلہ شروع کیا ہے الاشرف کو بہت سنجیدگی سے لینا پڑتا ہے، قرآن نمبر کی تین جلدیں آ چکی ہیں اور ہر جلد مستقل کتاب ہے اور ارادہ ہے کہ ہر چار پانچ ماہ کے بعد اس کی نئی جلد منظر عام پر آ جائے۔

❁ اب تک جو کتاب بھی آئی ہے وہ نامکمل ہے اور اس کی اگلی جلد کا آنا ضروری ہے، یوں ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری جلد کے ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہوں۔

تقریروں کی ترتیب و تالیف کا کام بظاہر بالکل سطحی سا ہے، پھر جب ایسا شخص اس کام کی ذمہ داری اپنے سر لے جسے اتفاق سے اللہ تعالیٰ نے دورہ حدیث تک کے اسباق کی تدریس کا موقع دے رکھا ہو تو ان کے ہاتھوں ایسے کاموں کی تکمیل ہمارے ہاں عجوبہ سے کم نہیں سمجھی جاتی۔

لیکن ان تقریرں کو اللہ تعالیٰ نے جو شرف قبول بخشا اور ان کے جو نتائج و ثمرات سامنے آئے ہیں انہوں نے اس سلسلہ کو آگے بڑھانے پر مجبور کر دیا ہے۔

وہ طلبا اور خطبا جو غیر علمی اور غیر سنجیدہ تقریروں کے عادی ہو چکے ہیں، انہیں ان تقاریر کی صورت میں کتاب و سنت کے ٹھوس حقائق پر مشتمل ایک علمی ذخیرہ ہاتھ آ گیا ہے جس کی وجہ سے اِدھر اُدھر کی موضوع روایات اور کمزور حکایات سے مستغنی ہو گئے ہیں کیونکہ اس ناچیز کی مرتب کردہ تقاریر میں جو کچھ ہے وہ معتمد علما کی تالیفات سے ماخوذ ہے۔

دوسری بات یہ محسوس کی گئی ہے کہ ان تقاریر کے واسطہ سے علماء حق کے جذبات و خیالات کی بازگشت ہر مدرسہ اور ہر مسجد سے سنائی دینے لگی ہے، جو بات ایک خطیب، ایک

مسجد کے منبر سے کہہ سکتا تھا وہی بات ہزار خطیب ہزاروں منبر ومحراب سے لاکھوں افراد کے سامنے کہہ رہے ہیں۔

بعض ایسے ساتھیوں سے بھی تعارف ہوا جو ہمارے مسلک سے بہت بعد رکھتے ہیں لیکن ان کے مدارس اور مساجد میں ان تقریروں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔

اگر میں اپنے عزائم کے مطابق ساری جلدیں مرتب کرنے میں کامیاب ہوگیا تو انشاء اللہ کسی سنجیدہ خطیب کو علمی تقریروں کے لئے کسی دوسرے مجموعہ خطبات کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

آپ زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ مولوی صاحب کوئی علمی کام کرو یہ بچوں والا کام لے کر کیوں بیٹھ گئے۔

تو اے میرے ہمدرد ناصح! سچی بات تو یہ ہے کہ تیرے اس مخاطب میں علمی اور تحقیقی کام کی صلاحیت ہی کہاں ہے وہ تو بس ایسے بچگانہ کام ہی کرسکتا ہے پھر جب وہ اپنے ان بزرگوں کو دیکھتا ہے جنہوں نے باوجود جبال علم ہونے کے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے آسان فہم کتابیں لکھیں تو اس کی سہل پسند طبیعت کو بھی اسی قسم کے کام کا بہانہ مل جاتا ہے۔

اگر حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد میاں صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہم جیسے حضرات بچوں کے لئے تعلیم الاسلام، اردو قاعدے اور سیرت وتاریخ کی کتابیں لکھ سکتے ہیں تو آنجناب جو کہ ان اکابر کی خاک پا کی حیثیت رکھتے ہیں وہ بچوں اور نوجوانوں کے لئے لکھنے میں کیوں عار محسوس کریں۔

اگر توفیق باری شامل حال رہی تو نہ صرف یہ کہ ''پچاس تقریریں'' کی تیسری اور چوتھی جلد ترتیب دی جائے گی بلکہ بچوں کے لئے دوسرے موضوعات پر بھی کچھ نہ کچھ لکھنے کی ضرور کوشش کروں گا۔

فی الوقت ''پچاس تقریریں'' کی جلد ثانی کے بعد ندائے منبر ومحراب کی جلد سادس اور ''درس صحیح مسلم'' کی جلد ثانی شائع کرنے کا ارادہ ہے اور ان سے فارغ ہو کر قرآن کریم کے حوالے سے ایک خالص علمی کام اہل علم کے سامنے پیش کرنے کا پروگرام ہے۔

یہ ساری تفصیل ان کرم فرماؤں کے لئے عرض کر دی ہے جو ہر ملاقات پر یہ سوال کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ کیوں بھائی کوئی نئی کتاب آئی ہے یا نہیں؟ اور جواب میں یہ ناچیز تعبیر سے ناآشنا خوابوں اور نامکمل حسرتوں کا تلخ گھونٹ بھر کر رہ جاتا ہے۔

آخر میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کی اکثر تقاریر ندائے منبر ومحراب، خطباتِ مدراس، نبی رحمت ﷺ اور علماءِ حق کی دوسری تالیفات سے ماخوذ ہیں، میں نے صرف یہ کیا ہے کہ بعض تحریروں کو تقریروں کی شکل دے دی ہے۔

دست بستہ درخواست صرف یہ ہے کہ اس کمزور انسان کو اپنی مخصوص دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں تا کہ اس کی زندگی کارآمد ثابت ہو جائے اور وہ بھی روز حشر اپنے خالق و مالک کے حضور کوئی ٹوٹی پھوٹی نیکی پیش کرنے کے قابل ہو سکے۔

محتاجِ دعا
محمد اسلم شیخوپوری

محبوبِ حقیقی

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّا بَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

تمہید: عزیز ساتھیو! یوں تو دنیا میں لوگوں نے کئی محبوب بنا رکھے ہیں، کسی کا محبوب دولت ہے، کسی کا محبوب کرسی ہے، کسی کا محبوب اقتدار ہے، کسی کا محبوب انسان ہے، کسی کا محبوب خواہشات ہیں۔

لیکن جو واقعی بندہ مومن ہوگا اس کا محبوب حقیقی صرف اللہ ہوگا:

میں اُن کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے

لا مجھ کو دکھا اُن کی طرح کوئی اگر ہے

اللہ تعالیٰ کے محبوب حقیقی ہونے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دنیا میں کسی سے محبت کی جاتی ہے تو اس کے کمالات اور حسن و جمال کی وجہ سے کی جاتی ہے مگر سارے کمالات کا خالق بھی اللہ ہے اور حسن و جمال کا خالق بھی اللہ ہے۔

علما کو علم ملا تو اللہ نے دیا،

اتقیا کو تقویٰ ملا تو اللہ نے دیا،

صحابہ کو شرف صحابیت ملا تو اللہ نے دیا،

انبیا کو نبوت ملی تو اللہ نے دی،
خاتم النبین ﷺ کو ختم نبوت کا اعزاز ملا تو اللہ نے دیا،
یونہی اگر کسی کے اندر شجاعت، سخاوت، امانت و دیانت، ایثار و محبت، قوت و طاقت، ذکاوت و ذہانت اور فصاحت و بلاغت ہے تو یہ اللہ ہی کی دین ہے۔
ارے! ہمارا تو کچھ بھی نہیں آنکھوں میں بصارت اسی کے فضل سے،
کانوں میں سماعت اسی کے فضل سے،
زبان میں فصاحت اسی کے فضل سے،
دماغ میں ذکاوت اسی کے فضل سے،
جو کچھ بھی ہے سب اسی کے فضل سے ہے، لہٰذا حقیقی محبت بھی اسی اللہ سے ہونی چاہئے یا ان سے ہونی چاہئے جن سے اللہ محبت کرنے کا حکم دے۔
اللہ تعالیٰ سے محبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ خود اللہ بھی ہم سے محبت کرتا ہے انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ محبت کا جواب محبت ہی سے دیا جائے۔
اگر بندوں سے اللہ کی محبت دیکھنا چاہتے ہو تو اس کی صفات کا مطالعہ کرو۔
جب آپ اس کی صفات کے معنی اور مفہوم کو سامنے رکھ کر غور کرو گے تو آپ کا دل اس کی محبت سے بھر جائے گا۔
وہ المؤمن ہے یعنی امن دینے والا۔ وہ اپنے ماننے والوں کو امن دیتا ہے دنیا کی مصیبتوں سے اور آخرت کے عذاب سے۔
وہ المہیمن ہے یعنی حفاظت کرنے والا وہ اپنے بندوں کی جب تک چاہتا ہے اسی طرح حفاظت فرماتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔
وہ الغفار ہے یعنی بہت زیادہ بخشنے والا، جتنا اور جیسے وہ بخشتا ہے اتنا کوئی دوسرا

نہیں بخش سکتا۔

وہ الوہاب ہے یعنی بلاعوض دینے والا،

وہ الرزاق ہے یعنی ساری مخلوق کورزق دینے والا،

وہ الفتاح ہے یعنی اپنی رحمت اور علم کے دروازے کھولنے والا،

وہ العدل ہے یعنی بہت انصاف کرنے والا،

وہ الغفور ہے یعنی بہت زیادہ مغفرت کرنے والا،

وہ الشکور ہے یعنی قدر کرنے والا،

وہ الکریم ہے یعنی بہت کرم کرنے والا،

وہ الرحمٰن یعنی بے حد مہربان ہے،

وہ الرحیم ہے یعنی رحم کرنے والا،

وہ الودود ہے یعنی بہت محبت کرنے والا،

وہ الوکیل ہے یعنی کام بنانے والا،

وہ الولی ہے یعنی مدد کرنے والا،

وہ البر ہے یعنی احسان کرنے والا،

وہ التواب ہے یعنی بہت توبہ قبول کرنے والا،

وہ العفو ہے یعنی بہت معاف کرنے والا،

وہ الرؤف ہے یعنی بہت شفقت کرنے والا،

وہ الہادی ہے یعنی ہدایت کرنے والا،

وہ الرشید ہے یعنی مصلحت بتانے والا،

وہ الصبور ہے یعنی بہت تحمل والا،

یہ ساری صفات اس مالک کے کرم کو، اس کی شفقت کو، اس کی کارسازی کو اور اس کے محسن ہونے کو بتاتی ہیں اور جب ایک بندہ مومن ان صفات کی روشنی میں ذاتِ باری تعالیٰ کا مراقبہ کرتا ہے تو اس کا دل اپنے مالک حقیقی کی محبت سے بھر جاتا ہے اور اس کے دل سے آواز اُٹھتی ہے کہ ارے ظالم اور جاہل! جھک جا اس ہستی کے سامنے جو تیرے بگڑے کاموں کو سنوارتی ہے، تیرے سامنے علم وحکمت کے دروازے کھولتی ہے، تیری توبہ کے آنسو اپنے دامن رحمت سے صاف کرتی ہے، جو تیری گستاخیوں پر تحمل سے کام لیتی ہے، جس کے احسانات اور نوازشوں کی کوئی حد ہی نہیں۔

ارے!

چھوڑ دو ان مجازی محبوبوں کو جن کے نہ تو قول و اقرار کا اعتبار نہ ان کے وعدوں کا کوئی بھروسہ۔

محبت کرنی ہے تو اس حقیقی محبوب سے کر جو کبھی بے وفائی نہیں کرتا۔

اس اللہ سے کر جس کے احسانات کے نیچے تیری گردن دبی ہوئی ہے۔

جس کی محبت آخرت کی فلاح کی ضامن ہے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جنت کی سب سے بڑی نعمت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

محترم سامعین! جنت انبیا کا مسکن ہے، صحابہ کا مقام ہے، جنت اولیا کا آشیاں ہے، جنت صلحا کا گھر ہے۔

جنت میں کوئی تکلیف ہوگی نہ غم، نہ بیماری ہوگی نہ بڑھاپا ہوگا، نہ سیاپا ہوگا نہ موت ہوگی۔ نہ زوال کا اندیشہ ہوگا نہ اخراج کا ڈر ہوگا، نہ بادسموم کی تپش ہوگی نہ بادصرصر کے تھپیڑے ہوں گے، نہ آندھیاں ہوں گی نہ طوفان ہوں گے نہ وڈیروں اور ساہوکاروں کے مظالم ہوں گے وہاں عیش ہی عیش ہوگی آرام ہی آرام ہوگا۔

اوراصل عیش تو آخرت کی عیش ہے اسی لئے تو کائنات کے آقا ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْآخِرَۃِ."

"اصل خوشی تو آخرت کی خوشی ہے۔"

دنیا کہ ہر خوشی کے ساتھ غم ہے اور ہر زندگی کے ساتھ موت بھی ہے۔

جہاں کل خوشی کے شادیانے بجتے ہیں وہاں آج نوحہ وماتم کی آوازیں اٹھتی ہیں۔

جہاں شادی ہوتی ہے وہاں ایک نہ ایک دن بربادی بھی ہوتی ہے۔

لیکن جنت میں ایسا نہیں ہوگا وہاں ایسی نعمتیں ہوں گی جن کا دنیا میں رہتے ہوئے صحیح

تصور بھی نہیں ہوسکتا وہاں پاکیزہ اور صاف ستھرے مکان ہوں گے۔

﴿ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ﴾

''وہاں تخت ہوں گے جن پر اہلِ جنت اپنی بیویوں کے ساتھ بیٹھے ہوں گے۔''

﴿ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴾

''اہل جنت ایسے بالا خانوں میں ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔''

﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾

''دودھ، شراب اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔''

﴿ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴾

''جنت میں ہر جانب سے سلام سلام کی آوازیں آئیں گی جنتیوں کو اللہ تعالیٰ سلام کہلائے گا۔''

﴿ سَلٰمٌ ۟ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴾

''فرشتے بھی جنت والوں کو سلام کہنے کے لئے حاضر ہوں گے۔''

﴿ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ﴾

میرے دوستو! یوں تو جنت کی ہر نعمت ایسی ہوگی کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی لیکن ایک نعمت ایسی ہوگی کہ خود جنت کی بھی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

نہ حور و غلمان اس کا مقابلہ کرسکیں گے،

نہ دودھ اور شہد کی نہریں اس کا مقابلہ کرسکیں گی،

نہ ماکولات اور فواکہ اس کا مقابلہ کرسکیں گے اور وہ نعمت ہوگی، اللہ کی رضا مندی کی نعمت۔

﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾

اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا مندی سب سے بڑی چیز ہے جب اللہ تعالیٰ خود فرمائیں گے کہ میں تم سے راضی ہوں تو وہ لمحہ مؤمنوں کے لئے حسین ترین لمحہ ہوگا۔

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ﴾ اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں دنیا میں بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کو ہر وقت خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزرد نہ ہو جائے جس سے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے اور احکم الحاکمین ہم سے ناراض ہو جائے لیکن جنت میں جانے کے بعد یہ وسوسہ اور خیال ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا اس دن اللہ اپنے بندوں کو اپنی رضا کی لازوال دولت عطا فرمائے گا اور ان سے پھر کبھی ناراض نہ ہوگا۔

ان کے بعد اہل جنت کو مقام قرب حاصل ہوگا اور وہ جنت کی سب سے بڑی نعمت سے سرفراز ہوں گے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نظارہ کریں گے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل سے ہمیں بھی یہ عظیم ترین نعمت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

قرآن کی تعظیم

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

فاش گویم آنچہ دردل مضمر است
این کنا بے نیست چزے دیگر است

معزز حاضرین مجلس! میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے: ''قرآن کی تعظیم''

یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ جب کسی بڑے کا خط ہمارے پاس آتا ہے تو ہم جذبہ احسان کے ساتھ اسے وصول کرتے ہیں، ادب کے ساتھ کھولتے ہیں، ادب کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس کے معنی میں غور فکر کرتے ہیں اور پھر اپنی طاقت کے مطابق اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اگر ہم اپنے جیسے انسانوں کے مکتوب کی قدر کر سکتے ہیں تو قرآن تو رب العالمین کا مکتوب ہے اور یہ وہ عظمت والا مکتوب ہے کہ اللہ کہتا ہے اگر میں اسے پہاڑ پر نازل کر دیتا تو وہ اللہ کے خوف سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

یہ وہ عظمت والا کلام ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوتا تو سخت سردی میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو جاتے تھے۔

قرآن اس اللہ کا کلام ہے جو سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہے جو زمین وآسمان کا خالق ہے، جو عزت وذلت کا مالک ہے، جو قدرت وطاقت والا ہے، جو عظمت وجلال والا ہے، جو جاہ وجمال والا ہے، جو صفات وکمال والا ہے جو عطا اور منال والا ہے۔

یہ قرآن اس کا کلام ہے اور اس کی صفت بھی ہے اور ہمارے جیسے ناقص اور گنہگار اس کی صفات کی گہرائی تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی اس کے کلام کی تاب نہ لا سکے اور غش کھا کر گر پڑے، اگر اللہ تعالیٰ انہیں ثابت قدم نہ رکھتا تو شاید وہ اللہ کا کلام سن بھی نہ سکتے اور وہ بھی کوہ طور کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔

صوفیا نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ جو ہمیں اس جہان میں چھوٹے چھوٹے دکھائی دیتے ہیں، لوح محفوظ میں ان میں کا ایک ایک حرف کوہ قاف سے بھی بڑا ہے حتیٰ کہ اگر تمام فرشتے بھی مل کر ایک حرف کو اٹھانا چاہیں تو اٹھا نہیں سکتے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ ابوجہل کے بیٹے تھے جو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا لیکن جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو یہ حال ہو گیا کہ جب قرآن مجید کھولتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی اور فرماتے کلام ربی کتاب ربی یہ میرے رب کا کلام ہے یہ میرے رب کی کتاب ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ پر غشی کیوں طاری ہوتی تھی؟

اس لئے غشی طاری ہوتی تھی کہ میں کہاں، اللہ کا کلام کہاں،

این سعادت بزور باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ کی قسم اگر اللہ توفیق نہ دے تو ہم اس قابل کہاں کہ اس کی مقدس کتاب کو ہاتھ

بھی لگا سکیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ قرآن کو ہاتھ میں لیتے تو چومتے تھے اور فرماتے تھے:

''عهد ربي و منشور ربي عزوجل''

یہ میرے رب کا عہد ہے یہ میرے رب کا منشور ہے یہ میرے رب کے قوانین کا مجموعہ ہے۔

آپ بھی جب قرآن کریم کی تلاوت کرو تو اسے آنکھوں سے لگاؤ۔

سر پر رکھو، سینے سے چمٹاؤ اور چومتے ہوئے کہا کرو:

''عهد ربي و منشور ربي عزوجل''

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے شب و روز ڈاکہ زنی میں گذرتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی تو ایسی زندگی بدلی کہ ساری مجلس چھوڑ کر گھر میں خلوت گزیں ہو گئے، کسی سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے تھے، کوئی گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگتا تو اجازت نہ دیتے لیکن لوگوں کو معلوم تھا کہ ان کا دل قرآن اور قرآن والوں کی عظمت سے لبریز ہے اس لئے بعض لوگوں نے ان سے ملاقات کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا کہ ان کے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے، جب حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے کانوں میں قرآن کے الفاظ پڑتے تو وہ بے تاب ہو کر باہر آ جاتے۔

اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو قرآن والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اللہ کے بندو! ان اوراق کی تعظیم کرو جن میں قرآن کے الفاظ لکھے ہیں، اس کپڑے کی تعظیم کرو جسے قرآن کا غلاف بننے کا شرف حاصل ہوا ہے، اس تپائی کی تعظیم کرو جس پر

قرآن رکھ کر پڑھا جاتا ہے، اس مدرسہ کی تعظیم کرو جس میں قرآن پڑھایا جاتا ہے، اس انسان کی تعظیم کرو جس کے سینے میں قرآن کریم محفوظ ہے، اس استاد کی تعظیم کرو جو دن رات قرآن کی تعلیم وتدریس میں لگا ہوا ہے۔

اللہ کے بندو! تم قرآن کو اور قرآن والوں کو دنیا میں عزت دو گے تو قرآن نازل کرنے والا اللہ آخرت میں تمہیں عزت دے گا۔

قرآن کی تعظیم ہمارے ایمان کا حصہ ہے جس کے دل میں قرآن کی تعظیم نہیں اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔

قرآن کو دیکھو تو تعظیم کے ساتھ دیکھو۔

قرآن کو ہاتھ میں لو تو بھی تعظیم کو ملحوظ خاطر رکھو۔

قرآن کی تلاوت کرو تو بھی تعظیم کے ساتھ تلاوت کرو۔

تلاوت کرتے وقت یہ احساس ہو کہ یہ بادشاہوں کے بادشاہ کا کلام ہے،

تلاوت کرتے وقت خیالات اِدھر اُدھر نہ جائیں صرف اللہ اور کلام اللہ کی طرف متوجہ رہیں۔

ایک بزرگ سے کسی نے دریافت کیا کہ جب قرآن پڑھتے ہیں تو اس وقت دل میں دوسرے خیالات بھی آتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا اللہ کے بندو! کیا دنیا میں اللہ کے کلام سے زیادہ محبوب چیز بھی کوئی ہے؟

جب کلام اللہ سے زیادہ محبوب چیز ہی کوئی نہیں تو قرآن کو چھوڑ کر اس کی طرف خیال کیوں جائے۔

سبحان اللہ! کیسے لوگ تھے کہ اللہ کا کلام پڑھنے میں ایسا محو ہو جاتے تھے کہ دنیا و مافیہا

کی کچھ خبر نہیں رہتی تھی۔

یہ کیفیت ہمارے اندر بھی پیدا ہوسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ہمارے دل میں اللہ کی بھی عظمت ہو اور اللہ کے کلام کی بھی عظمت ہو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اور آپ کے دلوں کو اپنی اور اپنے کلام کی عظمت سے بھر دے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حفظِ قرآن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّانَحْنُ نَزَّلْنَاالذِّکْرَ وَ اِنَّالَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

نہ ہو ممتاز کیوں اسلام دنیا بھر کے دینوں میں
وہاں مذہب کتابوں میں یہاں قرآں سینوں میں

گرامی قدر سامعین! آج ہم حفظ قرآن کی ایک پر وقار تقریب میں جمع ہیں وہ لاکھوں بچے جن کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس اور مبارک کتاب کا مخزن بنایا ہے ان بچوں میں آج ایک اور بچے کا اضافہ ہو گیا ہے۔

مبارک ہیں وہ والدین جن کے بچے کو اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کی سعادت بخشی ہے۔

مبارک ہے وہ خاندان جس خاندان کا یہ چشم و چراغ ہے۔

مبارک ہے وہ بچہ جس نے قرآن جیسی عظیم اور بے مثال دولت اپنے سینے میں محفوظ کر لی ہے۔

مبارک ہیں وہ آنکھیں جو قرآن کریم کو شب و روز دیکھتی ہیں۔

مبارک ہیں وہ لب جو قرآن کریم کے الفاظ ادا کرتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ ہاتھ جو قرآن کریم کو چھوتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ دماغ جو قرآنی نکات وحقائق کی تلاش میں لگے رہتے ہیں۔

مبارک ہیں وہ اساتذہ جن کی زندگیاں قرآن کے درس وتدریس میں لگ گئی ہیں۔

مبارک ہیں وہ مدارس اور وہ مقامات جہاں قرآن پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔

مبارک ہیں وہ صفحات جن پر قرآن لکھا جاتا ہے۔

مبارک ہے وہ کپڑا جو قرآن کریم کا غلاف بنتا ہے۔

مبارک ہے وہ لکڑی کی رحل اور تپائی جس پر قرآن کریم رکھا جاتا ہے۔

ہاں میرے بزرگو اور دوستو یہ بڑی مبارک کتاب ہے، یہ برکتیں اور رحمتیں تقسیم کرتی ہے، جس کا بھی قرآن سے تعلق ہو جائے اسے برکت حاصل ہو جاتی ہے۔

کتنا خوش قسمت ہے وہ بچہ جس نے اس بے مثال کتاب کو محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے سینے میں محفوظ کر لیا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہیں تو اور کیا ہے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اس بچے نے اتنی بڑی کتاب اپنے سینے میں محفوظ کر لی ہے اور اتنی نزاکتوں اور باریکیوں کے ساتھ کہ اس بچے کو پتہ ہے کہ آیت کہاں ختم ہوگی؟ وقف کہاں کہاں کرنا ہے؟ زبر کہاں پڑھنی ہے؟ زیر کہاں پڑھنی ہے؟ پیش کہاں پڑھنی ہے؟ قلقلہ کہاں کرنا ہے؟ ادغام کہاں کرنا ہے؟ غنہ کہاں کرنا ہے؟

کونسی آیت کس سورۃ کی ہے؟ کس پارہ کی ہے؟

آپ کو ایسے حافظ مل جائیں گے جو یہ بتا سکیں کہ فلاح صفحہ کا آخری لفظ کونسا ہے اور پہلا لفظ کونسا ہے۔

میں نے ایسا حافظ بچہ بھی دیکھا ہے جسے پورا قرآن الٹا بھی یاد تھا، میں نے ایسے بچے بھی دیکھے ہیں جو صرف پانچ اور چھ سال کی عمر میں پورے قرآن کریم کے حافظ ہو گئے۔

لوگ فخر کرتے ہیں ک ہمارے پانچ سالہ بچے کو کئی گانے یاد ہیں اور اسے اے بی سی

بھی آتی ہے۔

وہ بچہ جب ابا جان کو ڈیڈی اور امی جان کو ممی کہتا ہے تو ماں باپ فخر سے پھولے نہیں سماتے۔

اللہ کے بندو! فخر کے قابل تو وہ بچے ہیں جو اپنی توتلی زبان سے قرآن کریم کی مقدس آیات پڑھتے ہیں۔

آپ کو فخر ہے کہ میرا لڑکا بی ٹی ہے، لڑکی سی ٹی ہے۔ یہ گریجویٹ ہے، ایم ایس سی ہے، پی ایچ ڈی ہے اور باپ کا جنازہ سامنے رکھا ہوتا ہے مگر وہ شریک نہیں ہوتا کیونکہ اس بیچارے کو ڈیڈی نے بہت کچھ سکھایا بہت کچھ پڑھایا اگر نہیں پڑھایا تو قرآن نہیں پڑھایا۔

کام آنے والا بچہ تو وہ ہے جو صبح سے شام تک قرآن کریم کے پڑھنے میں لگا ہوا ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کا ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں مل جاتی ہیں اور زبان نبوت نے یہ بھی سمجھا دیا کہ الم ایک حرف نہیں ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام دوسرا حرف ہے اور میم تیسرا حرف ہے۔ گویا صرف الم کے پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بلکہ بعض علما تو کہتے ہیں کہ الف تین حروف پر مشتمل ہے اسی طرح لام اور میم بھی تین حروف پر مشتمل ہے گویا الم پڑھنے سے تیس نیکیاں نہیں بلکہ نوے نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔

اور یہ معصوم بچہ جب صبح سے شام تک تلاوت کرتا ہوگا تو حساب لگا کر بتلایئے کہ اسے کتنے لاکھ، کتنے کروڑ، کتنے ارب، کتنے کھرب، کتنے پدم، اور کتنے نیل نیکیاں صرف ایک دن میں حاصل ہوتی ہوں گی، آپ کا کیلکولیٹر جواب دے جائے گا نیکیوں کا عدد پورا نہیں ہو سکے گا۔

جب والدین کے انتقال کے بعد یہ بچہ قرآن کریم پڑھ کر انہیں روزانہ ثواب

سپلائی کرے گا تو ان کی قبروں پر کتنی رحمتیں نازل ہوں گی، فرشتے ان کی قسمت پر کتنا رشک کریں گے۔

یہ چھوٹی سی عمر جس میں اپنی مادری زبان میں بچے کے لئے چھوٹا سا قاعدہ یاد کرنا مشکل ہوتا ہے، اس عمر میں ﴿ اَلْحَمْدُ ﴾ سے لیکر ﴿ وَالنَّاسِ ﴾ تک ہزاروں الفاظ کو ایک خاص ترتیب اور تجوید کے قواعد کے ساتھ یاد کر لینا اللہ کا خاص فضل و قرآن کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے اور بعض بچے تو اتنی کم مدت میں قرآن کریم حفظ کر لیتے ہیں کہ ان کا نام تاریخ کا حصہ بن جاتا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ کا نام آپ نے ضرور سنا ہوگا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہم درس تھے، امام شافعی رحمہ اللہ کے استاد تھے۔ انہوں نے ایک ہزار کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ ایک یہودی نے ان کی صرف ایک کتاب مبسوط کا مطالعہ کیا تو وہ مسلمان ہو گیا کہنے لگا چھوٹے محمد رحمہ اللہ کا یہ حال ہے تو بڑے محمد ﷺ کا کیا حال ہوگا۔

امام محمد رحمہ اللہ کے والد جب انہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی درسگاہ میں داخلے کے لئے لائے تو انہوں نے والد سے پوچھا کہ کیا بچے نے قرآن حفظ کیا ہے؟

والد صاحب نے جواب دیا کہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے بچے کو قرآن حفظ کراؤ تب داخلہ ملے گا۔

وجہ یہ تھی کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے ہاں شب و روز فقہی مسائل کی تخریج اور استنباط کا کام ہوتا تھا اور فقہ کا پہلا ماخذ قرآن ہے، اگر قرآن میں مسئلہ نہ ملے تو حدیث کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اگر حدیث میں بھی مسئلہ نہ ہو تو اجماع امت کو دیکھا جاتا ہے اور اگر اجماع امت میں بھی مسئلہ کا حل نہ ہو تو قیاس اور اجتہاد سے کام لیا جاتا ہے۔

آج بعض لوگوں نے فقہ کے لفظ کو گالی بنا دیا ہے، میرے محترم دوست فقہ گالی نہیں

ہے یہ تو کتاب وسنت کا نچوڑ ہے اور یہ نچوڑ نکالنے میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا سب سے بڑا حصہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کو داخلہ نہیں دیا فرمایا جاؤ قرآن حفظ کر کے آؤ امام محمد رحمہ اللہ چلے گئے مگر ساتویں دن پھر واپس آ گئے، امام صاحب رحمہ اللہ نے پوچھا کیوں آئے؟ عرض کیا حضرت! میں نے ان سات دنوں میں قرآن کریم حفظ کر لیا ہے۔

ہمارے بزرگوں میں سے کئی ایسے ہیں جنہوں نے ایک مہینے میں قرآن کریم حفظ کر لیا۔

اس سلسلہ میں حضرت نانوتوی اور حضرت مدنی رحمہ اللہ سے لیکر حضرت مولانا سلیم اللہ صاحب زید مجدہ تک کئی بزرگوں کے نام لیے جاسکتے ہیں۔

بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ اس نے اس معصوم بچے کے سینے کو حفظ قرآن کریم کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جیسے اس نے بچے کو حفظ قرآن کی سعادت بخشی ہے وہ ہم سب کی اولاد کو یہ سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دولتِ کونین، قرآن

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۝۵۷ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے دوستو! انسان حریص بھی ہے اور کم عقل بھی، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اسے ظلوم اور جھول قرار دیا ہے۔

حریص تو ایسا ہے کہ دو پیسے کے نفع کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار رہتا ہے اور کم عقل ایسا ہے کہ بعض اوقات موتی کو سنگریزہ سمجھ لیتا ہے اور سنگریزے کو موتی سمجھ لیتا ہے۔

نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع جان لیتا ہے،

کتنے ہی لوگ ہیں جن کے بچوں کو ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنی آجائے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے اگرچہ ان کو قرآن کا ایک حرف نہ آتا ہو۔

میں انگریزی پڑھنے اور سیکھنے کی مخالفت نہیں کرتا، انگریزی بھی دوسری زبانوں کی طرح ایک زبان ہے اور دنیا کی کسی بھی زبان میں بذاتِ خود کوئی خرابی نہیں ہے خواہ وہ ہندوؤں کی زبان ہو یا یہودیوں اور سکھوں کی زبان ہو۔

جیسے ہندی میں، سنسکرت میں اور سریانی میں گالیاں دی جاسکتی ہیں، اردو اور عربی میں

بھی گالیاں دی جاسکتی ہیں۔ جیسے انگریزی میں فلموں کے ڈائیلاگ بولے جاسکتے ہیں اور گانے گائے جاسکتے ہیں اسی طرح عربی میں بھی یہ سب کچھ ہوسکتا ہے۔

توخودانگریزی زبان میں کوئی خرابی نہیں۔

اگر کوئی شخص انگریزی زبان اس لئے سیکھتا ہے تاکہ وہ انگریزوں کو اسلام کی تبلیغ کرے، تاکہ وہ انگریزی زبان میں اسلام کے خلاف لکھی گئی کتابوں کا جواب دے تو ایسے شخص کوانگریزی زبان سیکھنے پر بھی ثواب ملے گا۔

ہم صرف ان لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں جوانگریزی زبان سیکھنے کے لئے مرعوبیت کا شکار ہوجاتے ہیں۔

وہ صرف انگریزوں کی زبان ہی نہیں اپناتے بلکہ ان کی معاشرت بھی اپنالیتے ہیں۔

ان کے اخلاق اوران کی عادات بھی اپنالیتے ہیں،

ان کے باطل نظریات اورافکارکوبھی سینے سے لگالیتے ہیں۔

پھر انتہائی دکھ کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولادکوانگریزی توسکھاتے ہین لیکن قرآن نہیں سکھاتے۔

حالانکہ قرآن ایسانور ہے جوظاہری اور باطنی ہرقسم کی ظلمتوں سے نجات دیتا ہے۔

قرآن ھدایت ہے جس کاماننے والاکبھی گمراہ نہیں ہوسکتا۔

قرآن ایسی دواہے جوجسمانی اورروحانی بیماریوں کے لئے شفاہے۔

قرآن رحمت ہے جس کی وجہ سے ہزاروں زحمتوں سے چھٹکاراحاصل ہوجاتا ہے۔

قرآن موعظت ہے جس کے لفظ لفظ میں نصیحتیں اورعبرتیں بھری ہوئی ہیں۔

قرآن دولت کونین ہے۔

سونے چاندی کا ڈھیر، زروجواہر کا انبار اور تمول کا کوئی بھی انداز اس کا

مقابلہ نہیں کر سکتا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک عجیب واقعہ کتابوں میں آتا ہے، ان کے زمانے میں ایک صاحب کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی تھی اور اسے اولاد کی بڑی حسرت تھی، دعائیں کرتا رہا، اللہ سے مانگتا رہا، بالآخر اس کی دعا قبول ہوئی اور اس کے ہاں بچی پیدا ہوئی، اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، خوشی میں ایسا دیوانہ ہوا کہ اس نے قسم کھالی کہ میں اپنی بچی کو شادی کے موقع پر جہیز میں دونوں جہاں کی دولت دوں گا اور اگر ایسا نہ کر سکا تو میری بیوی کو طلاق! جب بچی جوان ہوگئی اور قسم پورا کرنے کا وقت سر پر آپہنچا تو پریشان ہو گیا اس لئے کہ اگر چہ اس کے پاس زمین تھی، کاروبار تھا، مال مویشی تھا، سونا چاندی تھا لیکن بہر حال دونوں جہانوں کی دولت دینا یہ تو ذوالقرنین اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بس کی بھی بات نہ تھی،

کئی علما سے مسئلہ پوچھا سب نے یہی جواب دیا کہ تم اپنی قسم پوری نہیں کر پاؤ گے لہٰذا طلاق واقع ہو کر رہے گی، بڑا پریشان ہوا، اسے بیوی سے محبت بھی بہت تھی سوچا کہ وائف گئی تو لائف گئی، وائف کے بغیر لائف کا کیا مزہ۔

کسی نے امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں بتایا اس نے حضرت الامام کی خدمت میں حاضر ہو کر صورت مسئلہ عرض کی تو آپ نے فرمایا تم اپنی قسم پوری کر سکتے ہو لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوگی۔

اس نے پوچھا حضرت وہ کیسے میں اپنی بچی کو دونوں جہان کی دولت کیسے دے سکتا ہوں۔

امام رحمہ اللہ نے فرمایا جس دن بچی کو گھر سے رخصت کرو، اسے قرآن پاک دے دینا، جب تم نے اپنی بچی کو قرآن دے دیا تو گویا اسے دونوں جہاں کی دولت دے دی۔

واقعی میرے دوستو! قرآن کونین کی دولت ہے اس میں دین بھی ہے دنیا بھی ہے،

صاحب قرآن دنیا میں بھی معزز ہے آخرت میں بھی معزز ہوگا۔

اگر میں اور آپ قرآن کے حافظ اور قرآن کے عالم کی عزت کر سکتے ہیں تو وہ جو قرآن کو نازل کرنے والا ہے وہ تو بہت زیادہ غیور ہے وہ بھی یقیناً میدانِ حشر میں صاحب قرآن کو عزت دے گا اور ایسی عزت دے گا کہ حافظ قرآن سے کہا جائے گا کہ دوسرے جنتیوں کا مقام اور مرتبہ میں نے متعین کر دیا ہے مگر تم اپنا مقام اور مرتبہ خود متعین کرلو، قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجات پر چڑھتے جاؤ، جہاں تم قرآن کی آخری آیت پڑھو گے وہیں تمہارا ٹھکانہ ہوگا، گویا وہی صورت ہوگی کہ:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ایسا حافظ قرآن جو عامل قرآن بھی ہو اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تم خود ہی بتادو کہ تمہارا کیا مقام ہونا چاہیے۔

میرے بزرگو اور دوستو! جسے واقعی قرآن کی دولت مل گئی اسے کونین کی دولت مل گئی، اسے بے مثال نعمت مل گئی، اسے اللہ کی رحمت مل گئی، اسے دنیا اور آخرت کی عزت مل گئی، اسے زمانے کی سیادت مل گئی، اسے دل کی راحت مل گئی۔

آپ اپنے بچوں کو ڈاکٹر بنایئے، پروفیسر بنایئے، پائلٹ بنایئے، سائنسدان بنایئے، تاجر بنایئے، انہیں دنیا بھر کے علوم وفنون پڑھایئے اردو پڑھایئے، فارسی پڑھایئے، انگریزی پڑھایئے، لیکن سب سے پہلے قرآن ضرور پڑھایئے۔

اگر آپ کے بیٹے کے پاس دس بیس پچاس ڈگریاں ہیں لیکن اس کے پاس قرآن کی ڈگری نہیں ہے تو سب ڈگریاں بیکار ہیں اور اگر اس کے پاس صرف قرآن کی ڈگری ہے دوسری کوئی ڈگری اس کے پاس نہیں ہے تو انشاء اللہ وہ کبھی ناکام نہیں ہوگا۔

قرآن جس ذات کا کلام ہے وہ ذات اسے ناکام ہونے نہیں دے گی بس شرط صرف یہ ہے کہ قرآن سے واقعی سچا تعلق ہو، قرآن پر ایمان بھی ہو، قرآن کی تلاوت بھی ہو اور قرآن پر عمل بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کے پڑھنے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

۴۳

تلاوتِ قرآن

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ؕ ﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

بزرگو اور دوستو! میں آج کے اجلاس میں اپنی ناقص معلومات کے مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں تلاوت قرآن کی اہمیت بیان کرنا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو زیادہ سے زیادہ تلاوت کی توفیق نصیب فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر حضور اکرم ﷺ کی بعثت ورسالت کے جو مقاصد بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک مقصد تلاوت کتاب بھی ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 151 میں ہے:

﴿ کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَکِّیْکُمْ وَ یُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾

اللہ کہتا ہے کہ ہم نے تمہارے اندر جو رسول بھیجا ہے وہ تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارے دلوں کو باطنی بیماریوں سے پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی تلاوت کرتے ہوئے گزری خصوصاً آپ کی راتیں

تلاوت قرآن سے زندہ ہوتی تھیں۔

تہجد میں ایسا طویل قیام فرماتے کہ قدم مبارک سوج جاتے، اور اس طویل قیام میں آپ تلاوت ہی تو کیا کرتے تھے اور تلاوت بھی ایسے کہ شمائل ترمذی میں حضرت عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ سوزش سے ایسا جوش مارتا تھا جیسے دیگچی ابلتی ہے علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک شعر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گریہ وزاری کا ذکر کیا ہے:

روز ہیجا تیغ او آہن گداز

دیدۂ او اشکبار اندر نماز

لڑائی کے وقت تو آپ شجاع کے روپ میں نظر آتے تھے اور آپ کی تلوار لوہے کو بھی پگھلا دیتی تھی، اور نماز کے دوران آپ کی آنکھیں بارش برساتی تھیں۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا بھی یہی حال تھا صحیح بخاری کی ایک طویل روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی تھی، اس مسجد میں آپ نفل نماز ادا فرماتے اور قرآن کی تلاوت کرتے، تلاوت قرآن کے وقت ان کو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا، ان کی تلاوت سننے کے لئے مشرکوں کی عورتیں اور بچے جمع ہوجاتے اور مشرک ڈرنے لگتے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچے ابوبکر کی تلاوت سے متاثر ہوکر مسلمان نہ ہوجائیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تو ایمان ہی لائے تھے قرآن کو سن کر اور پھر جب وہ ایمان لے آئے تو ان کی ایسی حالت ہوگئی کہ انہیں تلاوت کے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا، زبانی بھی قرآن کی تلاوت کرتے اور موقع ملتا تو مصحف کھول کر بیٹھ جاتے اور دیکھ کر تلاوت کرتے۔

تلاوت کے دوران روتے تو ان کی ہچکیوں کی آواز دور تک سنائی دیتی۔

میں کس کس صحابی کا تذکرہ کروں آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سوانح کا مطالعہ کیجئے،

آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات پر نظر ڈالیے۔

آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم وغیرہ کے شب و روز کا جائزہ لیجئے ان سب کی راتیں اور خلوتیں آپ کو تلاوت قرآن سے آباد نظر آئیں گی، ان کا سب سے بڑا ذکر قرآن کی تلاوت تھا۔

آخر ایسا کیوں نہ ہوتا وہ اپنے کانوں سے سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے قرآن کے فضائل سن چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''فَضَلُ كَلَامِ اللهِ عَلىٰ سَائِرِ الْخَلْقِ كَفَضْلِ اللهِ عَلىٰ خَلْقِهِ.''

''اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔''

جیسے اللہ کی ذات بے مثال ہے اسی طرح اللہ کا کلام بے مثال ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیسے پانی لگنے سے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے اسی طرح دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے، سوال کیا گیا کہ اللہ کے رسول! دلوں کے رنگ کی صفائی کا کیا طریقہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کو کثرت سے یاد کرنے اور قرآن کی تلاوت کرنے سے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قرآن میں اور میرے ذکر میں اس قدر مشغول ہو کہ اسے دعا کا موقع نہ ملے تو میں دعا کرنے والوں کو جو کچھ عطا کرتا ہوں ان سب سے بہتر چیز اسے عطا کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قرآن پڑھنے والا قیامت کے دن آئے گا تو قرآن بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا: اے پروردگار!

اس کو جوڑا پہنا دیجئے چنانچہ اس کو عزت کا تاج پہنا دیا جائے گا، پھر قرآن کہے گا: اے پروردگار! اور زیادہ پہنا دیجئے تو اسے عزت کا جوڑا پہنا دیا جائے گا، پھر قرآن کہے گا: اے پروردگار! اس سے خوش ہو جایئے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہو جائے گا، پھر اس سے کہا جائے گا: قرآن پڑھتا جا اور (اور جنت کے درجات پر) چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلے ایک ایک نیکی بڑھتی جائے گی۔"

میرے دوستو! کوئی حد ہے صاحبِ قرآن کے مقام اور مرتبہ کی!

حشر کا میدان جہاں ہر زبان پر نفسی نفسی ہوگا، بڑے بڑے صلحا بھی لرزہ براندام ہوں گے گنہگاروں کو کسی سفارشی کی تلاش ہوگی وہاں صاحب قرآن کے لئے خود قرآن سفارش بن کر آئے گا اور اس کی سفارش رد نہیں کی جائے گی، اس کی سفارش کیسے رد ہوسکتی ہے قرآن تو اللہ کا کلام ہے قرآن اللہ کی صفت ہے، وہ عظیم ذات والا اللہ اپنی صفت کی سفارش ہرگز رد نہیں کرے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سارے فضائل جانتے تھے اس لئے ان کا کوئی دن اور کوئی رات قرآن کے ذکر سے اور قرآن کے فکر سے خالی نہیں تھی۔

میرے دوستو! کیا آج گناہوں کی وجہ سے ہمارے دل زنگ آلود نہیں ہو چکے؟

ہماری آنکھیں خشک نہیں ہوگئیں؟

ہم جنازے اٹھتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر ہمیں موت یاد نہیں آتی؟

ہم قبرستان سے گزرتے ہیں مگر ہمیں خیال نہیں آتا کہ ایک دن ہمیں بھی یہیں آنا ہے۔

ہم بڑے بڑے گناہ کرتے ہیں مگر ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم نے کیا کیا۔

تو اگر آپ کے دل کی اس قساوت کا علاج کرنا چاہتے ہیں تو آیئے کائنات کے سب سے بڑے حکیم اور دو جہاں کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا علاج معلوم کیجئے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! جب گناہوں کی وجہ سے تمہارے دل زنگ آلود ہوجائیں تو پھر قرآن کی تلاوت کرو اور موت کو کثرت سے یاد کرو جب ایسا کروگے تو تمہارے دل نور سے بھر جائیں گے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوجائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَمَرَاتِبُ الْقُرْبِ اِلَى اللهِ مَنُوْطٌ بِتَلَاوَةِ الْقُرْآنِ."

یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب کے مراتب قرآن کی تلاوت سے حاصل ہوتے ہیں۔ جو شخص محبت وعظمت کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرے تو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اللہ کا محبوب اور پیارا نہ بن جائے اور اس کے دل میں ایمان کا نور پیدا نہ ہوجائے۔

ہم میں سے ہر شخص خاتمہ بالایمان چاہتا ہے میں اپنے ناقص مطالعہ اور تجربہ کی روشنی میں اس کا طریقہ آپ کو بتاتا ہوں، قرآن کی تلاوت میں دل لگایئے اور قرآن سے سچی محبت کیجئے۔ انشاء اللہ خاتمہ بالایمان نصیب ہوگا۔

صاحبِ قرآن جب دنیا سے جارہا ہوگا اس وقت بھی قرآن اس کے ساتھ ہوگا قبر میں بھی قرآن ساتھ ہوگا، حشر میں بھی قرآن ساتھ ہوگا اور جسے قرآن کا چسکا لگ جائے اسے جنت میں بھی قرآن کے بغیر مزہ نہیں آئے گا۔

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی فرمایا کرتے تھے کہ جب جنت میں حوریں آئیں گی تو ہم ان سے یہی کہیں گے کہ تم ہمیں قرآن سناؤ۔

آج کئی کم عقل بلکہ بدعقل کہہ دیتے ہیں کہ جناب موسیقی روح کی غذا ہے، میں صاف صاف کہتا ہوں کہ یہودی کی روح کی غذا موسیقی ہوسکتی ہے۔

عیسائی، ہندو اور سکھ کی روح کی غذا موسیقی ہوسکتی ہے، اس لئے کہ گندگی کے کیڑوں کی غذا گندگی ہوسکتی ہے لیکن کسی صحیح مسلمان کی روح کی غذا موسیقی نہیں ہوسکتی بلکہ مسلمان کی

روح کی غذا اللہ کا ذکر ہے قرآن کی تلاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو ساری زندگی قرآن کریم کی تلاوت کی توفیق نصیب فرمائے اور جب ہم دنیا سے جا رہے ہوں تو ہمارے لبوں پر قرآنی آیات مچل رہی ہوں۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تلاوت سے ایمان کیوں نہیں بنتا؟

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

میرے بزرگو اور دوستو! میں آج کی نشست میں اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں کہ بہت سے لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ان کا ایمان نہیں بنتا اور انہیں ایمانی کیفیات نصیب نہیں ہوتیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی نشانی یہ بتائی ہے کہ جب انہیں قرآنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں۔

ہم جھوٹے ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کا کلام جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ تلاوت کرنے اور تلاوت سننے سے ایمان بڑھ جاتا ہے تو یہ وعدہ برحق ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ہم وہ تلاوت نہیں کرتے جس تلاوت کے کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ایمان بڑھنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

ہم تلاوت کے ان آداب کو ملحوظ نہیں رکھتے جن آداب کا لحاظ کرتے ہوئے تلاوت کرنے سے دل دہل جاتے ہیں، جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو برسنے لگتے ہیں۔

تلاوت کا سب سے پہلا ادب یہ ہے کہ دل میں ایمان وتصدیق اور تعظیم وتوقیر ہو اگر دل میں تصدیق وتعظیم نہیں ہوگی ظاہر کا کچھ بھی اعتبار نہیں ہوگا مثلاً ایک شخص قرآن پاک کو چومتا ہے، آنکھوں سے لگاتا ہے، ریشمی جزدان میں اسے رکھتا ہے اور کبھی جوش میں آتا ہے تو تلاوت بھی کر لیتا ہے، صرف اس کی اس ظاہری تعظیم کو دیکھ کر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے دل میں بھی قرآن کی تعظیم موجود ہے۔

ہم دیکھ رہے ہیں لوگ قرآن خوانیاں کرتے بھی ہیں اور کراتے بھی ہیں لیکن جھوٹ بول رہے ہیں، سودی کاروبار کر رہے ہیں، حرام بھی کھا رہے ہیں، رشوت بھی لے رہے ہیں، ناپ تول میں گڑبڑ بھی کر رہے ہیں، ظلم کے مرتکب بھی ہو رہے ہیں، بے پردگی اور فحاشی میں بھی مبتلا ہیں، فحش فلمیں اور گانے بھی چل رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور قرآن خوانی بھی ہو رہی ہے، اب بتلایئے ایمان بنے تو کیسے بنے،

دوا بھی کھا رہے ہیں زہر بھی کھا رہے ہیں۔

زندگی بچے گی تو کیسے بچے گی۔

بلکہ قرآن خوانی کو پیشہ بنانے والوں نے تو قرآن کی جتنی بے توقیری کی ہے اور کسی نے نہیں کی۔

ان کے کھانے پینے کا جہاں بھی انتظام کر دو یہ قرآن خوانی کیلئے تیار رہتے ہیں ویڈیوں اور گانے بجانے کی دوکان کا افتتاح قرآن خوانی سے ہو رہا ہے۔

۱۰ سینما کا افتتاح قرآن خوانی سے ہو رہا ہے۔

ان پیشہ وروں کو حلال حرام سے کوئی غرض نہیں، انہیں تو بس کھانے پینے سے غرض ہے۔

اور قرآن خوانی کرانے والوں کو بھی جائز ناجائز، حق اور باطل سے غرض نہیں بلکہ انہیں

اپنے کاروبار کو ترقی دینے سے غرض ہے، انہوں نے مولوی صاحب سے سن رکھا ہے کہ قرآن خوانی سے کاروبار میں برکت ہوتی ہے اور برکت کا مطلب ان کے خیال میں یہ ہے کہ دو سے چار ہو جاتے ہیں اور چار سے آٹھ ہو جاتے ہیں وہ قرآن خوانی اسی قسم کی برکت کے لئے کراتے ہیں ورنہ انہیں قرآن کے احکام سے کوئی سروکار نہیں۔

علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے تفسیر کشاف میں یہود کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ تورات کو حریر اور دیباج کے جزدانوں میں رکھتے تھے اسے سونے سے مزین کرتے تھے لیکن نہ تو اس کے حلال کو حلال سمجھتے تھے اور نہ اس کے حرام کو حرام سمجھتے تھے۔

سوچیے اور خوب سوچیے! کیا ہمارا بھی یہی حال نہیں ہے؟

قرآن کو ریشمی غلافوں میں لپیٹا جا رہا ہے، چوما چاٹی بھی ہو رہی ہے، لیکن عمل کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں،

بعض پڑھنے والے ایسی خوبصورت آواز اور پرکشش لہجے میں پڑھتے ہیں کہ سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے وہ سننے والوں میں بھی نہیں اور بعض پڑھنے والوں میں بھی نہیں اور یہ بہت بڑی شقاوت اور بدبختی ہے۔

علما کہتے ہیں کہ تین چیزیں بدبختی کی علامت ہیں: پہلی یہ کہ علم تو ہو مگر عمل نہ ہو، دوسری یہ کہ عمل ہو مگر اخلاص نہ ہو اور تیسری یہ کہ نیک لوگوں کی صحبت میسر ہو مگر دل میں ان کا احترام نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ ضروری نہیں کہ جس کے پاس علم ہو وہ عمل بھی کرتا ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو عمل کرتا ہو اس کے دل میں اخلاص بھی ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو نیک لوگوں کی خدمت میں رہتا ہو وہ دل سے ان کا احترام بھی کرتا ہو۔

حضور اکرم ﷺ کے زمانے کے جو منافق تھے وہ تلاوت بھی کرتے تھے، نماز روزے کے بھی پابند تھے، حضور ﷺ کی صحبت بھی انہیں حاصل تھی لیکن پھر بھی وہ ایمان کی برکات سے محروم تھے۔

تو میرے دوستو! قرآن کی تلاوت سے یقیناً ایمان بنتا ہے لیکن یہ جان لیجئے کہ وہ کونسی تلاوت ہے جس سے ایمان بنتا ہے۔

یہ وہ تلاوت ہے جو تصدیق اور تعظیم کے ساتھ کی جائے۔

اور اگر دل میں تعظیم اور اخلاص نہ ہو تو تلاوت کے باوجود ایمان میں زیادتی نہیں ہوگی۔

ایسی تلاوت جس میں اخلاص نہ ہو تو رسمی اور نفاقی تلاوت ہے اور ایسی تلاوت کی مثال حضور اکرم ﷺ نے ریحانہ سے دی ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہے مگر اس کا مزا انتہائی تلخ ہوتا ہے اور جو شخص اخلاص اور ایمان کے ساتھ تلاوت کرے، اس کی مثال حضور ﷺ نے نارنگی سے دی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے، رنگ بھی اچھا ہوتا ہے اور مزہ بھی بڑا خوشگوار ہوتا ہے۔

وہ کون لوگ ہیں جن کی تلاوت ریحانہ یعنی تلسی کی طرح ہے کہ خوشبو بہت ہے مگر مزہ نہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو صرف رسمی تلاوت کرتے ہیں، نفاقی تلاوت کرتے ہیں، کاروباری تلاوت کرتے ہیں، صرف دنیا کمانے کے لئے کرتے ہیں۔

یہ لوگ تلاوت کرتے ہیں تو قرآن ان پر لعنت کرتا ہے کیونکہ وہ ظلم بھی کرتے ہیں اور پھر یہ بھی پڑھتے ہیں:

﴿ لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝۱۸ ﴾

جھوٹ بھی بولتے ہیں اور قرآن کے یہ الفاظ بھی پڑھتے ہیں:

﴿ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ۝٦١ ﴾

کافروں والے طریقے بھی اختیار کرتے ہیں اور یہ بھی پڑھتے ہیں:

﴿ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٨٩ ﴾

ایسے لوگ پورا پورا قرآن پڑھ جاتے ہیں لیکن ان کی زندگی میں اس پڑھنے کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، نہ دِل بدلتا ہے نہ زندگی کا رخ بدلتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے جب کوئی شخص رات میں قرآن پڑھتا تھا تو گریہ وزاری کی وجہ سے اس تلاوت کا اثر اس کے چہرے میں محسوس ہوتا تھا اور اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ ایک شخص رات میں پورا قرآن پڑھ جاتا ہے مگر صبح کے وقت اس کے چہرے پر اس کا کوئی اثر دکھائی دیتا نہیں ہے اور اس کا قرآن پڑھنا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ چادر اٹھالینا۔

میرے دوستو! حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اس ارشاد کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے گردوپیش پر ایک نظر ڈال لو آپ یہ ماننے پر مجبور ہوجائیں گے واقعی آج لوگ تلاوت کرتے ہیں لیکن اس کا کوئی اثر ان کے چہرے پر دکھائی نہیں دیتا۔

شبینہ ہوتا ہے، پوری رات قرآن پڑھتے اور سنتے ہیں اسی طرح قرآن خوانی ہوتی ہے کئی کئی قرآن ختم ہوجاتے ہیں لیکن زندگیاں نہیں بدلتی، چہروں پر کوئی اثر نظر نہیں آتا۔

جھوٹ نہیں چھوڑتے، ملاوٹ نہیں چھوڑتے، دھوکہ اور فراڈ نہیں چھوڑتے، بے پردگی اور فحاشی سے باز نہیں آتے، رشوت اور حرام کاروبار سے باز نہیں آتے۔

جھوٹ اور فراڈ بھی چلتا رہتا ہے اور قرآن خوانی بھی چلتی رہتی ہے، شبینے بھی چلتے ہیں بے پردگی اور فحاشی بھی چلتی ہے۔

آپ خود فیصلہ کریں کہ ہم کس قسم کی تلاوت کرتے ہیں نفاقی اور رسمی تلاوت یا ایمانی اور حقیقی تلاوت!

اگر ہم ایمانی اور حقیقی تلاوت کریں تو انشاء اللہ دل میں ایمانی کیفیات ضرور پیدا ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی ہی تلاوت کی توفیق نصیب فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عشاقِ قرآن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

میرے ہم سفر ساتھیو! میری آج کی تقریر کا موضوع ہے عشاق قرآن! میں آپ کو ان لوگوں کی ایک جھلک دکھانا چاہتا ہوں جن کی زبانیں قرآن کی تلاوت سے تر رہتی تھیں، جن کے دلوں کی غذا تلاوت تھی۔ جنہیں تلاوت کے بغیر سکون نہیں ملتا تھا، وہ صحیح معنوں میں قرآن کے عاشق تھے۔

آج کا مسلمان جو طاؤس ورباب کا عادی ہو چکا ہے۔

جس کے شب وروز رقص وسرور اور ڈھول ڈھمکے میں بسر ہوتے ہیں۔

اس بگڑے ہوئے مسلمان کو کیسے یقین آئے گا کہ اس کے اسلاف میں ایسے لوگ بھی تھے جن کے شب وروز کا سب سے بڑا مشغلہ ہی قرآن کی تلاوت تھا ان کے حالات کے مطالعہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تلاوت کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتے تھے۔

پھر ان کی تلاوت ہماری طرح رسمی اور زبانی تلاوت نہیں ہوتی تھی بلکہ جب وہ قرآنی آیات پڑھتے یا سنتے تھے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے اور ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات تلاوت کے دوران روتے روتے وہ زمین پر گر پڑتے اور دو دن بستر پر پڑے رہتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ رات بھر جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن کریم ختم فرمادیتے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ میری زندگی میں کوئی ایسا دن گذرے جس میں دیکھ کر قرآن کی تلاوت نہ کروں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سچے جذبے کی اِس طرح قدر کی کہ جب ظالم دشمن نے ان پر وار کیا تو اس وقت بھی قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا اور خون کا پہلا قطرہ اس آیت پر گرا۔

﴿ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾

واہ قرآن کے سچے عاشق! تیرے عشق اور تیری خوش قسمتی پر قربان جاؤں کہ زندگی بھر تیری آنکھیں قرآن کو دیکھے بغیر سیر نہ ہوتی تھیں اور تیری زبان تلاوت کے بغیر پیاسی رہتی تھی، قرآن والے اللہ نے شہادت کے وقت بھی تیری پاک تمنا کی لاج رکھ لی۔

تیری آنکھوں نے آخری دیدار کیا تو قرآن کا کیا اور تیری زبان سے جو آخری الفاظ نکلے تو وہ قرآن کے الفاظ نکلے۔

دنیا میں کوئی گالیاں بکتے ہوئے مرجاتا ہے،

کوئی گانے گاتا ہوا چل بستا ہے، کوئی شراب یا ہیروئن کے نشے میں مدہوش جان دے دیتا ہے، لیکن جو قرآن کا سچا عاشق ہوتا ہے وہ جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کی زبان پر قرآنی آیات مچل رہی ہوتی ہیں۔ اور فرشتے اس کے نامۂ اعمال میں جو سب سے آخری عمل لکھتے ہیں وہ تلاوت قرآن کا عمل ہوتا ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو یہ وہ لوگ تھے کہ جب سارے لوگ سو رہے ہوتے تھے تو یہ تلاوت میں مشغول ہوتے تھے۔

جب لوگ گپ شپ اور فلم ڈرامے سے دل بہلا رہے ہوتے تھے یہ قرآن کے نور سے اپنے دلوں کو منور کر رہے ہوتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جو عالم اسلام کی بہت بڑی اکثریت کے مقتدا اور رہنما ہیں ان کے بارے میں اسد بن عمرو رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ رات کی نماز میں ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے، ان کے رونے کی آواز سن کر پڑوسیوں کو رحم آنے لگتا تھا، ایک روات یہ بھی ہے کہ جس مقام پر انہوں نے وفات پائی وہاں سات ہزار کلام مجید ختم کیے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ حق گوئی کی پاداش میں کئی بار محبوس ہوئے آخری بارہ دو سال تک جیل میں رہے، اس عرصے میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، علمی سوالات کے جوابات بھی دیتے رہے اور قرآن کریم کے اسی دور بھی کر لیے، جب اکیاسیواں دور شروع کیا تو زندگی کے دن پورے ہو گئے اور قرآن کا یہ سچا عاشق دنیا سے رخصت ہو گیا۔

زیادہ دور نہ جایئے میں آپ کو قریب کے دور کا واقعہ سناتا ہوں اور واقعہ بھی مرد کا نہیں عورت کا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ نے اپنی کتاب ''اکابر کا رمضان'' میں لکھا ہے کہ میری دادی صاحبہ نور اللہ مرقدھا حافظہ تھیں اور روزانہ ایک منزل پڑھنا تو ان کا مستقل معمول تھا لیکن رمضان المبارک میں وہ روزانہ ایک قرآن ختم کر کے دس پارے مزید پڑھ لیا کرتی تھیں اور اس کے علاوہ ستر ہزار تسبیحیں بھی پڑھتی تھیں۔

اللہ اکبر! یہ کیسے لوگ تھے جن کی رگ رگ میں قرآن رچ بس چکا تھا مرد تو مرد عورتوں کا یہ حال تھا کہ ایک ایک دن میں اکتالیس پاروں کی تلاوت!

ہم میں کتنے ہی ایسے بدقسمت ہوں گے جنہیں پورے سال میں بھی اکتالیس پارے پڑھنے کی توفیق نہ ہوتی ہوگی اور اللہ کی یہ بندیاں نسوانی کمزوریوں کے باوجود ایک ایک دن میں اکتالیس پاروں کی تلاوت کر لیتی تھیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! اگر ہمارے دلوں میں بھی تلاوت کی عظمت اور تلاوت کی اہمیت پیدا ہو جائے تو ہمارے لیے بھی تلاوت کرنا آسان ہو جائے، مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں الابلا چیزوں کی عظمت تو ہے لیکن قرآن کی عظمت دلوں سے نکل گئی ہے۔

اللہ کے وہ نیک بندے جن کے تذکرے کتابوں ہی میں رہ گئے وہ جب تلاوت کرتے ہوئے یہ سوچتے تھے کہ ہم رب العلمین کا کلام رب العلمین کو سنا رہے ہیں تو ان کی روح خوشی سے جھوم اٹھتی تھی۔

چھوٹے چھوٹے مصنفین کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص محبت اور محویت کے ساتھ ان کی کتاب پڑھے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں جب اللہ کا کوئی بندہ رب العلمین کی کتاب عظمت و احترام اور محبت اور محویت کے ساتھ پڑھتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کتنا خوش ہوتا ہوگا وہ یقینا فرشتوں سے کہتا ہوگا کہ دیکھ لو میرا وہ بندہ جس کے بارہ میں تم کہتے تھے:

﴿يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾

یہ زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا' دیکھ لو میرا یہ بندہ کتنی محبت کے ساتھ، کتنی عظمت کے ساتھ اور کتنی محویت کے ساتھ میری کتاب کی تلاوت کر رہا ہے۔

آیئے! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو زندگی کی آخری سانس تک اپنی مقدس اور محترم کتاب کی تلاوت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

نبوت انسانیت کی ضرورت

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

محترم حاضرین جلسہ! دنیا کی تاریخ میں لاکھوں نامور لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے آدم کے بیٹوں کو اپنی طرف متوجہ کیا، ان میں حکما اور فلاسفر بھی تھے، فاتح اور کشور کشا بھی تھے، صف شکن بہادر اور پہلوان بھی تھے، خطبا اور شعرا بھی تھے، دولت اور خزانوں کے مالک بھی تھے، حسن و جمال کی سلطنت کے بے تاج بادشاہ بھی تھے۔

مقدونیہ کا سکندر ہو یا روم کا سیزر ہو، ایران کا دارا ہو یا یورپ کا نپولین ہو، یونان کا سقراط اور افلاطون ہو یا مصر کا فرعون اور قارون ہو۔ ان سب نے اپنے اپنے انداز میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا، ان کے قصیدے بھی کہے گئے، ان سے محبت بھی کی گئی اور ان میں سے بعض کے سامنے سجدے بھی کیے گئے۔

لیکن سچ سچ بتاؤ کہ ان میں سے کون ایسا ہے جس کی زندگی ساری انسانیت کیلئے نمونہ بن سکے۔

کیا مقدونیہ کے سکندر یا یورپ کے نپولین کی زندگی مختلف اصناف انسانی کیلئے نمونہ بن سکتی ہے۔

کیا سقراط افلاطون اور ارسطو کی ہر شعبۂ زندگی میں تقلید کی جاسکتی ہے۔

کیا فرعون اور قارون کو مقتدا اور رہنما بنایا جاسکتا ہے،

یقیناً آپ کا دل پوری قوت سے جواب دے گا کہ نہیں ہر گز نہیں۔

ان لوگوں کی شہرت اپنی جگہ لیکن شہرت اور بعض کمالات کے باوجود انہیں نوع انسانی کے لئے آئیڈیل نہیں بنایا جاسکتا۔

فاتحین اور کشور کشاؤں نے اپنی تلواوں کی نوک سے شہروں کے شہر پلٹ دیئے لیکن انسانیت کی ہدایت کے لئے انہوں نے کوئی نمونہ نہیں چھوڑا۔

شعرا اور خطبا خیالی اور جذباتی دنیا کے یقیناً بادشاہ تھے لیکن وہ عملی نیا میں بالکل بیکار ثابت ہوئے۔

حکیموں اور فلسفیوں نے حیرت انگیز نظریئے پیش کیے لیکن انسانیت کے نظام ہدایت کے لیے کوئی عمل وہ بھی پیش نہ کرسکے۔

آپ ایک ترتیب سے تاریخ کے تمام سربرآوردہ انسانوں پر نظر ڈالتے آئیں۔

آپ ان کی ذہانتوں کا بھی انکار نہ کریں۔

ان کے لسانی کمالات کو بھی تسلیم کرلیں۔

ان کی شجاعت اور تلواروں کی دھاک کی بھی نفی نہ کریں۔

اس کے باوجود آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی نیکی کی روشنی ہے، اچھائی کا نور ہے، اخلاق کی خوشبو اور دلوں کی صفائی کا اجالا ہے تو یہ فلسفیوں کے فلسفیانہ افکار کی وجہ سے نہیں۔

یہ امراؤالقیس اور ہومر کے اشعار کی وجہ سے نہیں۔

یہ سکندر اور نپولن کی کشور کشائی کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان بزرگوں کی تعلیم کا نتیجہ ہے جنہیں ہم انبیائے کرام کے نام سے جانتے ہیں۔

پہاڑوں کے غار میں، جنگلوں کے جھنڈ میں اور شہروں کی آبادیوں میں جہاں بھی نیک اعمال اور اچھے اخلاق کا سراغ ملتا ہے وہ اسی ربانی جماعت کے کسی نہ کسی فرد کی دعوت کا اثر ہے۔

انبیا کی حکومت جسموں پر نہیں بلکہ دلوں پر تھی یہی وجہ ہے کہ تیر و تفنگ سے آبادیوں کو پلٹ دینے والے بادشاہوں کا نام لیوا کوئی نہیں انبیائے کرام علیہم السلام کا نام آج بھی باقی ہے۔

نمرود اور اس کا تاج و تخت خاک میں مل چکا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم آج بھی موجود ہے۔

فرعون اور قارون کا رعب و داب قصہ پارینہ بن گیا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال کے آثار آج بھی زندہ ہیں۔

رومن لامعدوم ہو چکا مگر حضرت عیسیٰ کی تعلیمات آج بھی زندہ ہیں۔

مکہ کے ابوجہل، ایران کے کسریٰ اور روم کے قیصر کی حکومتیں مٹ گئیں مگر شہنشاہ مدینہ کی فرماں روائی آج بھی قائم ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ حکما نے چیزوں کے خواص ظاہر کئے، طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے، مہندسوں نے عمارتوں کا فن نکالا، صناعوں نے ہنر پیدا کئے۔

اور ان سب کی کوششوں کے نتیجے میں یہ دنیا تکمیل کو پہنچی اور اسی لیے ہم ان سب کے شکر گذار ہیں۔

مگر ہمارے اوپر سب سے زیادہ احسانات ان بزرگوں کے ہیں جنہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا۔

جنہوں نے ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے۔

جنہوں نے ہمارے جذبات اور احساسات کے نقشے درست کیے۔

جنہوں نے خالق ومخلوق کا رشتہ مضبوط کیا۔

جنہوں نے ہمیں روز الست کا بھولا ہوا وعدہ یاد دلایا۔

حضرات! یہ نفوس قدسیہ اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔

اس فانی جہاں کی کوئی چیز ابدی نہیں۔

لیکن ان نفوس قدسیہ کی روشن تعلیمات اور زریں ارشادات آج بھی زندہ ہیں اور یہ جان لیجئے کہ یہ دنیا شاعروں، فلسفیوں اور حکیموں کے بغیر باقی رہ سکتی ہے لیکن انبیا کی تعلیمات کے بغیر یہ دنیا قائم نہیں رہ سکتی۔

نبوت انسانیت کی اولین ضرورت ہے۔

اسی روشنی سے جہالت کی ظلمتیں دور ہوسکتی ہیں۔

اسی آب حیات سے مردہ روحوں میں جان پڑسکتی ہے۔

اسی اکسیر سے اخلاقی بیماریوں کا علاج ہوسکتا ہے۔

آیئے! عزم کریں کہ زندگی کے ہر شعبے میں ہم نبوت کی ابدی تعلیمات کو مشعل راہ بنائیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

میرے آقا ﷺ کی ولادت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

معراج میں جبرئیل سے پوچھتے تھے شاہِ اُمم
تم نے تو دیکھا ہے جہاں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
کہنے لگے روح الامین اے مہ جبین حق کی قسم
آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

میرے ہم مکتب ساتھیو! چھٹی صدی عیسوی جاہلیت کے عروج اور غلبے کی صدی تھی۔

کفر و شرک اور جور و جفا کے عالمگیر تسلط کی صدی تھی۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب ناکام ہو گئے تھے، ان میں اتنی تحریف ہو چکی تھی کہ ان کی اصل شکل پہچاننا ناممکن ہو گیا تھا۔

یہودی مذہب چند بے جان رسموں کا نام بن گیا تھا، عیسائیت میں تثلیث داخل ہو گئی تھی، ایران کے مجوسی آگ اور دوسرے عناصر کی پرستش کرتے تھے، بدھ مذہب ایک بت پرست مذہب میں تبدیل ہو گیا تھا، ہندو تینتیس کروڑ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور

عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ کعبہ جسے ان کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا تھا خود اس کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔

ان کے اخلاق تباہ ہو چکے تھے۔

وہ شراب اور جوا کے رسیا تھے، بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، قافلوں کو لوٹ لیتے تھے، بے گناہوں کو تہہ تیغ کر دیتے تھے، عورت کی کوئی عزت نہ تھی، وہ مویشیوں اور دوسرے سامان کی طرح وراثت میں منتقل ہوتی تھی، جنگ عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بعض جنگوں کا سلسلہ چالیس چالیس سال چلا اور ہزاروں آدمی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

غرضیکہ پورا عالم انسانی نزع کے عالم میں تھا اللہ تعالیٰ کو سسکتی ہوئی انسانیت پر ترس آ گیا اور اس نے ایک عظیم نجات دہندہ کو بھیجنے کا فیصلہ فرما لیا، اسی زمانے میں ابرہہ کا واقعہ پیش آیا جس کے ہاتھیوں کے لشکر کو اللہ تعالیٰ نے چھوٹی چھوٹی چڑیوں سے ہلاک کر ڈالا۔

اس واقعہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں کو خیال ہوا کہ مستقبل قریب میں کوئی بڑا واقعہ پیش آنے والا ہے، یہ واقعہ اس بات کی کھلی ہوئی نشانی تھا کہ کعبہ کا پاسبان آنے والا ہے جو اللہ کے گھر کو بتوں کی نجاست سے پاک کر دے گا اور کعبہ کی شان بلند ہو گی۔

جیسے بہار سے پہلے خزاں رسیدہ درختوں کی سبز کونپلیں بہار کی آمد کی خبر دیتی ہیں۔ یا جیسے رات کے بعد صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو افق پر شفق کی سرخی پھیل جاتی ہے۔

یا جیسے بارش ہونے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتی ہیں ایسے ہی دو جہاں کے آقا ﷺ کی ولادت سے پہلے ہوا۔ ایسے واقعات پیش آ رہے تھے جو دنیا والوں کو بتا رہے تھے کہ ظلم کی خزاں کا دور ختم ہونے والا ہے۔

کچھ ایسی نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں جنہیں دیکھ کر عقل والے جان گئے تھے کہ جہالت

کی طویل شب رخصت ہونے والی ہے۔

چند ایسی علامات نظر آ رہی تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ رحمت کی بارش ہونے والی ہے۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا اب تو وہ بہار جاوداں آنے والی تھی جس کے لئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے دعائیں کی تھیں۔

وہ صبح ہونے والی تھی جس کے طلوع کی بشارت حضرت موسیٰ، حضرت یسع، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے دی تھی۔

رحمت کی وہ بارش برسنے والی تھی جس کا انتظار یہود کو بھی تھا اور نصاریٰ کو بھی۔

میں تو آگے بڑھ کر کہوں گا کہ اس بارانِ رحمت کا انتظار ان یتیموں کو تھا جن کے سر پر دست شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

ان بیواؤں کو تھا جنہیں بنیادی انسانی حقوق کا بھی حقدار نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اس بہار جاوداں کا انتظار ان بچیوں کو تھا جنہیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا، اس صبح تاباں کا انتظار ان مظلوموں کو تھا جن کی دست گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس کا انتظار بحر و بر کو تھا جو فساد سے بھر چکے تھے۔

اس کا انتظار آسمان کو تھا جس کی آنکھیں توحیدی سجدوں کو ترس گئی تھیں اس کا انتظار ان فرشتوں کو تھا جو صبح و شام نامہ اعمال میں گناہوں کا اندراج کرتے کرتے تھک گئے تھے۔

اس کا انتظار شمس و قمر کو تھا جس کی روشنی سے استفادہ کرنے والوں میں کوئی مؤمن شامل نہ تھا۔

جی ہاں انتظار ہی انتظار تھا۔

انسانوں کو انتظار......

جنوں کو انتظار......

فرشتوں کو انتظار......

مظلوموں اور یتیموں کو انتظار......

بیواؤں اور ستم رسیدہ بچیوں کو انتظار......

اور یہ انتظار تھا کہ ایک مصلح کا، ایک نجات دہندہ کا، ایک شفیق مربی کا۔

اور نہ معلوم کتنے ہی لوگ یہ انتظار کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

بالآخر 570ء عیسویں 23 اپریل کو انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں اور 12 ربیع الاول کو پیر کے دن آمنہ کے گھر وہ شخصیت آ گئی جس کا سب کو انتظار تھا۔

وہ بشر آ گیا جو وجہ عظمت بشر تھا۔

وہ انسان آ گیا جس پر انسانیت کی معراج ختم ہو جاتی تھی۔

وہ نبی آ گیا جو اولین اور آخرین کا سردار تھا۔

وہ آقا آ گیا جس کی غلامی پر ہزاروں آقا قربان کیے جا سکتے تھے وہ مسیحا آ گیا جو ظاہری اور باطنی بیماریوں سے نجات دینے والا تھا ہاں ہاں دعائے خلیل علیہ السلام آ گیا، نوید مسیح علیہ السلام آ گیا، بشارتِ انبیا آ گیا، آیئے! ہم بھی اس عظیم آقا کے غلام بن جائیں تا کہ مختلف غلامیوں سے ہمیں نجات مل جائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

میرے آقا ﷺ کا بچپن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ۝ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

محترم حاضرین! آج کی محفل میں انتہائی اختصار کے ساتھ اپنے آقا ﷺ کے بچپن پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔

میرے ہم عمر اور ہم سفر ساتھیو! سارے انبیا کی سیرتوں کا مطالعہ کر لیجیے آپ کو ان کے بچپن اور جوانی کے تفصیلی حالات نہیں ملیں گے لیکن یہ میرے آقا کی خصوصیت ہے کہ ہمیں آپ کے ولادت و رضاعت سے لیکر وفات تک کے تفصیلی حالات معلوم ہیں۔

میرے آقا ﷺ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، چھ سال عمر ہوئی تو والدہ بھی فوت ہو گئیں، آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے نکتہ وروں نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اولاد میں کوئی کمال نظر آئے تو لوگ اسے والدین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شاگرد میں کوئی کمال نظر آئے تو استاد کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

مرید میں کوئی کمال نظر آئے تو پیر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تعلیم و تربیت کے ظاہری سہاروں سے محروم فرما کر براہِ راست اپنا سہارا عطا کر دیا تا کہ آپ ﷺ کے عملی اور اخلاقی کمالات دیکھ کر کوئی یہ نہ کہے

کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

یہ دادا کی تربیت کا ثمرہ ہے۔

یہ فلاں استاد اور شیخ کی صحبت کا اثر ہے۔

اور یہ صرف آپ ﷺ کی تخصیص نہ تھی بلکہ سارے انبیا کا یہی حال تھا۔

میں سوال کرتا ہوں آپ جواب دیجئے حضرت نوح علیہ السلام کو شجاعت کا سبق کس نے دیا۔ کہہ دیجئے اللہ نے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے مقام تک کس نے پہنچایا؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تسلیم و رضا کا درس کہاں سے لیا؟

حضرت صالح علیہ السلام نے فصاحت کہاں سے سیکھی؟

حضرت لوط علیہ السلام کو حکمت کس نے عطا کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ و جلال کس کی تربیت کا ثمرہ تھا؟

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر کس کی محنت کا نتیجہ تھا؟

حضرت یونس علیہ السلام کو توبہ و انابت کا راستہ کس نے بتایا؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زہد و قناعت کا سبق کہاں سے پڑھا؟

اگر آپ کہتے ہیں اور بجا کہتے ہیں کہ سارے انبیا کو علمی و عملی اور اخلاقی کمالات مربی حقیقی رب تعالیٰ نے عطا کیے تھے تو میں بھی سچ کہتا ہوں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو نوح علیہ السلام کی شجاعت، حضرت ابراہیم کی خلت، حضرت اسماعیل علیہ السلام کا جذبہ تسلیم و رضا حضرت صالح علیہ السلام کی فصاحت، حضرت لوط علیہ السلام کی حکمت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جاہ و جلال، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت یونس علیہ السلام کی توبہ و انابت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد و قناعت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ نے عطا کیا، آپ ﷺ کے کمالات نہ والدین کی تربیت کا

ثمرہ تھے نہ کسی استاد کی محنت کا نتیجہ تھے۔
اسی لیے تو یہ ممکن ہوا کہ ایک زندگی میں کئی زندگیاں اور ایک سیرت میں کئی سیرتیں سمٹ کر سما گئیں۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ میرے آقا ولادت سے پہلے ہی یتیم ہو چکے تھے۔
ولادت کے بعد آپ کی رضاعت کا مسئلہ پیش آیا، عربوں میں یہ رواج تھا کہ وہ رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے۔
جب آپ پیدا ہوئے تو کئی خواتین رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں شہر مکہ آئیں لیکن سب نے مالدار گھرانوں کے بچوں کو ترجیح دی، محمد ﷺ کو کسی نے لینا قبول نہ کیا وہ یہی سوچتی رہیں کہ اس یتیم بچے کی ماں ہمیں کیا دے سکے گی۔
انہیں کیا معلوم تھا کی جس بچے کو وہ یتیم سمجھ کر چھوڑ رہی ہیں وہ تو در یتیم ہے، وہ تو نوید مسیح ہے، وہ تو دعائے خلیل ہے۔ وہ تو فخر انسانیت ہے، وہ تو سرمایہ کونین ہے، وہ تو محبوب الٰہی ہے۔
انسان بھی کتنا جاہل اور احمق ہے کتنی آسانی سے دھوکہ کھا جاتا ہے کبھی سنگریزوں کو موتی اور کبھی موتیوں کو سنگریزے سمجھ لیتا ہے۔

زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر جان لیتا ہے،
دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست یقین کر لیتا ہے۔

جس بچے کو وہ خواتین اس لئے چھوڑ گئی تھیں کہ اس کی والدہ سے سرمایہ حاصل ہونے کی امید نہ تھی انہیں کیا خبر تھی کہ بچہ خود بہت بڑا سرمایہ ہے۔
مگر وہ خواتین بھی کیا کر سکتی تھیں، اللہ تعالیٰ نے ازل سے یہ سعادت حلیمہ سعدیہ کے مقدر میں لکھ دی تھی، محترمہ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں بچے کو گھر میں لائی تو گھر میں خوشگوار

تبدیلیاں محسوس ہونے لگیں۔

کہاں تو یہ حال تھا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ میرا بیٹا عبداللہ ابن حارث سیر ہو کر پی سکتا اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ اتر آیا کہ محمد ﷺ نے بھی سیر ہو کر پیا اور عبداللہ نے بھی یہی نہیں بلکہ اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب شکم سیر ہو کر پیا۔

مکہ سے واپس چلے تو ہماری لاغری اونٹنی سارے قافلے سے آگے نکل گئی، ہم سفر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو وہ اونٹنی تھی جو سب سے پیچھے رہتی تھی آج آگے کیسے نکل گئی، انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ سواری اگرچہ وہی ہے مگر سوار، بدل گیا ہے اور جب سوار بدل جایا کرتے ہیں تو سواریوں کے انداز بھی بدل جایا کرتے ہیں۔

جب امام بدل جائیں تو مقتدیوں کا حال بدل جاتا ہے۔

جب قائد بدل جائے تو پیروکار کا مزاج بھی بدل جاتا ہے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ محمد ﷺ کی وجہ سے مجھے ہر چیز میں برکت محسوس ہونے لگی سواری میں بھی برکت، بکریوں میں بھی برکت، چراگاہ میں بھی برکت ہر طرف برکت ہی برکت۔

میرے بزرگو اور دوستو! یقین کر لو کہ ہمارے آقا ﷺ کی ولادت بھی برکت تھی۔

آقا ﷺ کی تعلیمات بھی برکت ہیں۔

آقا ﷺ کی غلامی بھی برکت ہے۔

آج آپ ہمارے درمیان بذات خود تو موجود نہیں لیکن اگر ہم آقا کے سچے غلام بن جائیں تو ہماری بنجر زمینیں سونا اگلیں گی۔

ہمارے جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔

ہمارا آسمان رحمت کی بارش برسائے گا اور ہمارے کھیت ہریالی سے لہلہا اٹھیں گے۔

میرے دوستو! ہمارے آقا کا بچپن مثالی تھا وہ ماحول جس میں شراب نوشی اور بدکاری عام تھی، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا دور دورہ تھا۔

اس ماحول میں بھی آپ ﷺ نے ایسا بچپن گزارا اور صداقت و امانت میں ایسا نام پیدا کیا کہ آپ ﷺ کا لقب ہی صدیق اور امین مشہور گیا۔

جناب ابو طالب کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو بچپن میں بھی غلط بیانی یا کسی کی غیبت کرتے ہوئے اور لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آقا کے بچپن، آقا کی جوانی اور آقا کی ساری زندگی کو نمونہ بنانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ایمان بالرسول ﷺ کے تقاضے

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ ؕ وَتُسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا ۝﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

ہم سفر ساتھیو! ربیع الاول کا مہینہ ہے ہر طرف سیرت النبی ﷺ کے جلسے ہو رہے ہیں آج کا یہ جلسہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ میں اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں ایمان بالرسول ﷺ کے تقاضے بیان کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ایمان تو ہم سب رکھتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس ایمان کے تقاضے بھی پورے کر رہے ہیں یا نہیں؟

حضور اکرم ﷺ پر ایمان کا پہلا تقاضا یہ ہے ہم آپ ﷺ سے محبت رکھیں اور اتنی محبت کہ خواہ والدین ہوں، خواہ اولاد ہو، خواہ خاندان اور قبیلہ ہو، خواہ مال و دولت ہو، خواہ وسیع و عریض مکانات ہوں، ان سب سے زیادہ محبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ہونا لازم ہے۔

اللہ کہتا ہے اگر ایسا نہیں ہوگا تو اللہ کا عذاب بھی آسکتا ہے۔

خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ."

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے والدین، اپنی اولاد اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت نہ کرے۔‘‘

محبتِ رسول، ایمان بالرسول کی بنیاد ہے اگر محبت نہیں تو کچھ بھی نہیں شاعر کہتا ہے:

محبت خود آداب محبت سکھا دیتی ہے

جب حضور ﷺ سے محبت ہوگی تو ہر اس چیز سے محبت ہوگی جس کا حضور سے تعلق ہوگا، آپ ﷺ کے صحابہ سے محبت ہوگی، آپ کے اہل بیت سے محبت ہوگی، آپ ﷺ کے شہر سے محبت ہوگی، آپ کی صورت اور سیرت سے محبت ہوگی، آپ ﷺ کی سنتوں سے محبت ہوگی۔

جس شخص کو محبت کا یہ اعلیٰ مقام نصیب ہوجائے گا اسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوجائے گی اور جسے ایمان کی حلاوت نصیب ہوجائے گی اسے جنت میں آقائے دوجہاں کی معیت نصیب ہوجائے گی۔

ایمان بالرسول ﷺ کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم اور ادب واحترام کیا جائے۔

سورہ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے تعظیم کے کئی پہلو بیان فرمائے ہیں۔ ایک پہلو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے پہل نہ کرو بلکہ پیچھے پیچھے چلو، اقتدا اور اتباع کرو جو لوگ بدعات اختیار کرتے ہیں وہ حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول سے آگے چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ کہ تم رسول اللہ ﷺ کو اس طرح نہ پکارو جس طرح ایک دوسرے کو آپس میں پکارتے ہو۔

میرے ساتھیو! اللہ مالک ہے حضور مملوک ہیں، اللہ تعالیٰ خالق ہے، حضور مخلوق

ہیں، اللہ رازق ہے، حضور مرزوق ہیں، اللہ معبود ہیں حضور عابد ہیں، اللہ مسجود ہے حضور ساجد ہیں، اللہ بندہ نواز ہے حضور بندہ ہیں، اللہ اپنے بندے کو جیسے چاہے پکار سکتا ہے لیکن اس کے باوجود آپ کلام اللہ اٹھا کر دیکھیے اللہ نے کیسے پیارے پیارے خطابات اپنے نبی کے لیے استعمال کیے ہیں کہیں ﴿ یَاَیُّهَا النَّبِیُّ ﴾ کہہ کر پکارا، کہیں ﴿ یَاَیُّهَا الرَّسُوْلُ ﴾ کہہ کر پکارا، کہیں ﴿ یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴾ کہہ کر پکارا، کہیں ﴿ یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴾ کہہ کر پکارا، کہیں ''یٰسین'' اور کہیں ''طٰہٰ'' کہہ کر پکارا۔

سورہ حجرات میں تعظیم کا تیسرا پہلو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے بلند نہ کرو اور ان سے اس طرح اونچی آواز میں بات نہ کیا کرو جیسے تم آپس میں باتیں کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا کرنے سے تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں۔

اللہ اکبر! کوئی حد ہے نبی ﷺ کے ادب اور احترام کی!

اعمال یا تو کفر و شرک سے ضائع ہوتے ہیں یا ارتداد کی وجہ سے ضائع ہوتے ہیں لیکن یہاں اللہ بتا رہا ہے کہ نبی کی بے ادبی اور بے احترامی کی وجہ سے بھی اعمال ضائع ہو سکتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ نبی کی بے ادبی کفر ہے۔

ایمان بالرسول ﷺ کا تیسرا تقاضا جو اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نصرت کی جائے۔

اللہ نے نبی ﷺ کو دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ دین کو سارے دینوں پر غالب کر دیا جائے چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لئے ساری زندگی لگا دی۔

آپ ﷺ کا بائیکاٹ کیا گیا، آپ ﷺ کو گالیاں دی گئیں، آپ ﷺ کے جسم اطہر پر پتھر برسائے گئے، آپ ﷺ کو شاعر، ساحر، اور کاہن کہا گیا۔

آپ کو وطن سے بے وطن کیا گیا لیکن آپ ﷺ اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹے۔
اگر ہم واقعی آپ ﷺ پر دل و جان سے ایمان رکھتے ہیں اور آپ ﷺ کی محبت ہمارے دل میں ہے تو ہمیں بھی اس مقصد کے لئے جسم اور جاں کی صلاحیتوں کو لگانا ہوگا، اگر ہم نے اس مقصد کو اپنا مقصد بنالیا تو یہ نبی کی نصرت ہوگی بلکہ اللہ کہتا ہے کہ یہ میری نصرت ہوگی۔

میرے ساتھیو! اللہ کے دین کی نصرت کی جتنی آج ضرورت ہے اتنی ضرورت کبھی نہ تھی، آج تو دین اسلام کا حال وہ ہے جو کسی نے یوں بیان کیا ہے:

عالم رویا میں دیکھا میں نے اِک ماہِ جبیں
گوشۂ مسجد میں بیٹھا تھا وہ غمگین و حزیں

عرض کی میں نے کہ اے سرمایہ حسن و جمال
سچ بتا اپنا پتہ، ہو کس چمن کے نونہال

حور ہو یا فرشتہ ہو یا پری زادوں میں ہو
یاشہ معزول ہو یا خانہ بربادوں میں ہو

وہ جو مسجد میں غمگین وحزیں بیٹھا تھا اس نے جواب دیا:

رو کے فرمانے لگا میں اِک نا کام ہوں
مسلمانوں کا ستایا ہوا مذہب اسلام ہوں

اب جگہ ملتی نہیں لوگوں کے دولت خانوں میں
اس لیے میں چھپ کے رہتا ہوں یہاں ویرانوں میں

تو میرے دوستو! نبی کی نصرت یہ ہے کہ دین اسلام کی نصرت کی جائے...... دین اسلام کی نصرت تبلیغ ودعوت سے بھی ہوسکتی ہے......

دین اسلام کی نصرت جہاد وقتال سے بھی ہوسکتی ہے......
دین اسلام کی نصرت درس وتدریس سے بھی ہوسکتی ہے......
اور دین اسلام کی نصرت تصنیف وتالیف سے بھی ہوسکتی ہے......
دین کی کسمپرسی کے اس دور میں ہم سب سے اللہ کا کلام کہہ رہا ہے:

﴿ كُونُوٓا اَنۡصَارَ اللّٰهِ ﴾

''اللہ کے مددگار بن جاؤ۔''

وہ خوش بخت انسان کون ہیں جو صدائے حق کے جواب میں پکار اُٹھیں:

﴿ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ﴾

''ہم ہیں اللہ کے مددگار۔''

ایمان بالرسول ﷺ کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کی جائے۔

اطاعت کے بغیر محبت و تعظیم بھی نامکمل ہے اور نصرت و خدمت بھی نامکمل ہے۔ کہنے والے نے خوب کہا ہے:

محمد ﷺ کی غلامی دین حق کی شرطِ اوّل ہے
گر ہو اسی میں خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

رب کریم نے قرآن کریم میں جگہ جگہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع کا حکم دیا ہے اور کمال یہ کہ رسول کی اطاعت کو خود اپنی اطاعت قرار دیا ہے، سورۃ النساء میں ہے:

﴿ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ ﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اللہ سے محبت کا دعویدار ہے اسے نبی کی اطاعت کرنی

ہو گی اور جو کوئی نبی کی اطاعت کرے گا وہ اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾

''فرما دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو (جب اتباع کرو گے تو) تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔''

خود حضور اکرم ﷺ نے بھی اتباع کو ایمان کی لازمی شرط قرار دیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

''لا یومن أحدكم حتى يكون هواه تبعا لما جئت به.''

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی تمام خواہشات کو میری تعلیم کے تابع نہ کردے۔''

میرے ساتھیو! یہ ہیں ایمان بالرسول ﷺ کے تقاضے، اب آیئے ان تقاضوں کی روشنی میں ہم اپنے اپنے کردار و عمل کا جائزہ لیں کہ ہم کہاں تک ان تقاضوں کی تکمیل کر رہے ہیں، اگر یہ تقاضے پورے نہیں ہو رہے تو ہمارا ایمان بالرسول کا دعویٰ یقیناً نامکمل ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سارے تقاضوں کی تکمیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عالمگیر نمونۂ عمل

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ تیرے محیط میں حباب

گرامی قدر حاضرین! میں آج کی نشست میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ دنیائے انسانیت کے لئے عالمگیر نمونۂ عمل صرف اور صرف حضور ﷺ کی زندگی تھی۔

ہم مسلمان سارے انبیا علیہم السلام کا احترام کرتے ہیں، ہمارا عقیدہ ہے کہ کسی بھی نبی کی توہین کرنے والا شخص مسلمان نہیں ہوسکتا لیکن اس کے ساتھ ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ان انبیا کی نبوت ایک خاص قوم کے لئے تھی کسی محدود علاقے کے لئے تھی ایک مخصوص زمانے کے لئے تھی اسی لیے ان کی سیرت کو اور ان کی زندگی کے مفصل حالات کو محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ اللہ کی طرف سے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے مگر آج ان میں سے اکثر کے تو نام ہی کوئی نہیں جانتا اور جنکے ہم نام جانتے ہیں ان کے تفصیلی حالات ہمیں معلوم نہیں۔

ایران کے مجوسیوں کی عقیدت کا مرکز زرتشت ہے آج بھی لاکھوں آدمی اسے مانتے

ہیں مگر کوئی بھی مجوسی یقینی طور پر نہ اس کی ولادت کی جگہ بتا سکتا ہے نہ وفات کی نہ اسکی قومیت کا پتہ ہے نہ اس کے مذہبی صحیفہ کی اصلیت کسی کو معلوم ہے۔

ہندوستان، چین اور ترکستان کے لاکھوں لوگ بودھ کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرتے ہیں لیکن بدھ کے بچپن جوانی اور ولادت ووفات کے حالات اس کے ماننے والوں کو کیا معلوم ہوں گے ابھی تک تو وہ یہ بھی متعین نہیں کر سکے کہ ان کا زمانۂ وجود کونسا تھا۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن تاریخ میں ان کے ناموں کے سوا کوئی چیز محفوظ نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاق وعادات کا کوئی ذکر نہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، انجیل کہتی ہے کہ ان کی عمر 33 برس تھی مگر ان 33 برسوں میں سے 25 برس کے بارے میں انجیل بھی خاموش ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ زمانہ کہاں گذرا اور کیسے گزرا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شادی نہیں کی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی زندگی میں شادی شدہ لوگوں کے لئے کوئی نمونہ نہیں جبکہ صورت یہ ہے کہ دنیا کے بیشتر لوگ شادی شدہ ہیں۔

دنیا کا ہر وہ انسان جو تعصب سے خالی ہے وہ ضرور اقرار کرے گا کہ یہ سب عظیم انسان تھے لیکن اس کے باوجود ان کی زندگیاں انسانیت کے لئے عالمگیر نمونہ نہیں بن سکتیں، حقیقت یہ ہے کہ جس نبی کی زندگی ہر زمانے اور ہر صنف انسانی کے لئے نمونہ بن سکتی ہے وہ صرف اور صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہے اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تفصیلی حالات کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ کروا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، شادی بیاہ، بال بچے، نماز روزہ، صلح وجنگ، سفر و حضر، کھانا پینا، رونا ہنسنا، خلوت وجلوت، طور وطریق، قدوقامت یہاں تک کہ میاں بیوی

کے خانگی تعلقات بھی پوری وضاحت کے ساتھ معلوم اور محفوظ ہیں۔

آپ حدیث کی ساری کتابوں کو نہیں دیکھ سکتے تو کم از کم شمائل ترمذی ہی کا مطالعہ کیجئے اس میں حضور اکرم ﷺ کے حلیہ اور شکل وصورت کا بیان ہے، آپ ﷺ کی کنگھی کا بیان ہے، آپ ﷺ کے خضاب اور سرمہ لگانے کا بیان ہے، آپ ﷺ کے موزوں اور نعلین کا بیان ہے، آپ ﷺ کی تلوار، زرہ اور خود کا بیان ہے، آپ ﷺ کے عمامہ اور پائجامہ کا بیان ہے، آپ ﷺ کے خوشبو لگانے، شعر پڑھنے اور قصے کہنے کا بیان ہے، آپ ﷺ کے گریہ وبکا اور مزاح وتبسم کا بیان ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے تعلق والے ہر شخص کو اجازت نہیں بلکہ حکم دے رکھا تھا کہ میرا جو قول بھی سنو اور میرا جو حال بھی دیکھو وہ سب کو سنا دو اور سب کو بتا دو حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ کسی انسان کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی وہ خوش ہوتا ہے، کبھی غمگین ہوتا ہے، کبھی غصے میں ہوتا ہے، کبھی طبیعت میں نرمی ہوتی ہے، کسی کو وہ ڈانٹتا ہے، کسی سے وہ پیار کرتا ہے، کسی سے مذاق کرتا ہے تو کسی سے لڑتا جھگڑتا ہے۔

پھر بڑے سے بڑا انسان بھی اپنی بیوی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ گھر کی باتیں بتاتی پھرے، وہ اپنی پرائیویٹ زندگی کو پبلک لائف سے علیحدہ رکھنا چاہتا ہے۔

ہمارے کتنے ہی لیڈر ہیں جو پبلک لائف میں اپنے آپ کو انسانیت کے غمخوار اور غریبوں کے جانثار ظاہر کرتے ہیں لیکن ان کی پرائیویٹ زندگی بڑی گھناؤنی ہوتی ہے۔

یہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا حوصلہ تھا کہ آپ نے اپنے دوستوں کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ میری ہر حالت اور کیفیت منظر عام پر لے آؤ۔

اپنے شاگردوں اور مریدوں کو بھی اجازت دے رکھی تھی کہ جو کچھ دیکھو اور سنو سب کو سنا دو۔

اور اپنی ازواج مطہرات کو بھی اذن عام دے رکھا تھا کہ میری ہر بات اور واقعہ برملا کہہ دو۔

خلوت میں جو کچھ دیکھو وہ جلوت میں سب سے برملا بیان کر دو۔
رات کی تاریکی میں جو دیکھو وہ دن کی روشنی میں ظاہر کر دو۔
بند کوٹھریوں میں جو دیکھو اس کو کھلی چھتوں پر پکار کر کہہ دو۔
اس اخلاقی اعتماد کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟
اپنی ذات پر اتنا وثوق کسی اور کو بھی ہو سکتا ہے؟

حضور اکرم ﷺ کے اس اذنِ عام کا نتیجہ ہے کہ آج ساری انسانیت کے سامنے آپ ﷺ کی کتاب زندگی کا ایک ایک باب کھلا ہوا ہے۔

آپ ﷺ کی ولادت کا باب......
آپ ﷺ کے بچپن کا باب......
آپ ﷺ کی جوانی کا باب......
آپ ﷺ کی شادی کا باب......
آپ ﷺ کی تجارت کا باب......
آپ ﷺ کے سفر کا باب......
آپ ﷺ کی نبوت کا باب......
آپ ﷺ کی دعوت کا باب......
آپ ﷺ کے غزوات کا باب......
آپ ﷺ کے صلح و امن کا باب......
آپ ﷺ کی عبادات کا باب......

آپ ﷺ کے اخلاق کا باب......

آپ ﷺ کی بیماری کا باب......

آپ ﷺ کے سفر آخرت کا باب......

آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ ساری انسانیت کے لئے نمونۂ عمل کیا ان بزرگوں کی زندگیوں کو بنایا جائے گا جن کے ادھورے حالات ہم تک پہنچے ہیں یا اس عظیم انسان کی پاکیزہ زندگی کو نمونہ بنایا جائے گا جس کی ولادت سے وفات تک کے حالات کا ہم سب کو علم ہے۔

اور وہ عظیم انسان سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے کوئی دوسرا نہیں ہے، لہٰذا تمام انبیا میں سے صرف آپ ﷺ ہی کی سیرت عالمگیر نمونۂ عمل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم ﷺ کا سچا غلام بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لیڈر اور نبی ﷺ

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

رُخِ مصطفی ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری چشم خیال میں، نہ دکان آئینہ ساز میں

محترم سامعین! دنیا میں بہت سارے لیڈر گذرے ہیں اور آج بھی لیڈروں کی کمی نہیں، مقامی لیڈر بھی ہیں، بین الاقوامی لیڈر بھی ہیں، چھوٹے لیڈر بھی ہیں، بڑے لیڈر بھی ہیں، موسمی لیڈر بھی ہیں اور مستقل لیڈر بھی ہیں، گاؤں کے لیڈر بھی ہیں، گلیوں اور بازاروں کے لیڈر بھی ہیں، سیاسی لیڈر بھی ہیں جو عوام کو سبز باغ دکھاتے ہیں اور ان کی قسمت بدل دینے کے دعوے کرتے ہیں، ان کی تقریر سن کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کا ساتھ دینے سے شیخوپورہ پیرس بن جائے گا اور کوئٹہ سوئزرلینڈ بن جائے گا۔

کچھ مزدور لیڈر بھی ہوتے ہیں جو مزدوروں کو بتاتے ہیں کہ ہمیں لیڈر مان لینے سے تمہارے دلدر دور ہو جائیں گے اور تمہیں گھر بیٹھے تنخواہیں ملا کریں گی۔

یہ لیڈر اپنی سوشل زندگی میں بڑے ہمدرد، بڑے جانثار، بڑے پارسا، بڑے غریب پرور اور بڑے سادہ دل دکھائی دیتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر اپنی پرائیویٹ زندگی میں بڑے سنگدل، بڑے خود غرض، بڑے عیاش اور بڑے مکار ہوتے ہیں ان کا ظاہر کچھ ہوتا

ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے۔

یہ لوگوں کو سادگی کی تعلیم دیتے ہیں اور خود عیاشیاں کرتے ہیں یہ لوگوں کو امانت و دیانت کا سبق دیتے ہیں اور خود پرلے درجے کے خائن اور رشوت خور ہوتے ہیں۔

یہ لوگوں کو حب الوطنی کا درس دیتے ہیں اور خود وطن فروش ہوتے ہیں۔

ان لیڈروں کے ساتھ تو نبی کا موازنہ کرنا بھی نبی کی توہین ہے۔ مگر آپ تاریخ انسانی کے اچھے سے اچھے لیڈروں، خطیبوں اور مشہور لوگوں کی فہرست بنالیں آپ کو ان کے ہاں دلچسپ تھیوریاں ملیں گی دلآویز حکایتیں ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا، ان کے مشہور اقوال تھوڑی دیر کے لئے آپ کو خوش کر دیں گے۔

مگر جو چیز آپ کو نہیں ملے گی وہ عمل ہے، سارے لیڈروں اور مشہور لوگوں کی سوانح عمریاں پڑھنے کے بعد ایک نظر میرے آقا ﷺ کی سوانح عمری پر بھی ڈال لیجئے۔

حضور اکرم ﷺ کے ہاں صرف خوشنما الفاظ نہ تھے بلکہ عمل تھا، آپ نے جس بات کا لوگوں کو حکم دیا پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔

اگر لوگوں کو نماز کا حکم دیا تو خود اپنا حال کیا تھا کہ رات بھر نماز میں کھڑے رہتے۔

آپ لوگوں کو رمضان کے روزوں کا حکم دیا تو خود اپنا حال یہ تھا کہ سال کا بہت بڑا حصہ روزوں میں گزرتا۔

آپ نے لوگوں کو زکوٰۃ کا حکم دیا تو اپنا حال یہ تھا کہ قرض لے کر بھی سائلین کی حاجتیں پوری فرماتے۔

آپ نے لوگوں کو زہد و قناعت کی تعلیم دی تو اپنا حال یہ تھا کہ ساری زندگی دو وقت بھی سیر ہو کر آپ کو کھانا نصیب نہیں ہوا۔

رہنے کا مکان ایک حجرہ تھا جس میں کچی دیوار اور کھجور کے پتوں اور اونٹ کے

بالوں کی چھت تھی۔

جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو اسلام کی حکومت یمن سے شام تک پھیلی ہوئی تھی لیکن آپ کے توشہ خانہ کی مالیت یہ تھی کہ جسم مبارک پر ایک تہبند تھا، ایک کھردری چارپائی تھی، سرہانے ایک تکیہ تھا جس میں خرمے کی چھال بھری ہوئی تھی، ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے تھے ایک کونے میں جانور کی کھال تھی اور ایک کھونٹی کے ساتھ پانی کا مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔

آپ نے لوگوں کو اعتماد اور توکل کی تعلیم دے اور خود اپنا حال یہ تھا کہ خون کے پیاسے مشرکوں کے سامنے حرم میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ آپ جانتے ہیں مکہ والے تو سبھی دشمنی پر تلے ہوئے تھے ایک ابو طالب تھا جو ساتھ دے رہا تھا لیکن ایک وقت آیا کہ وہ بھی پیچھے ہٹنے لگا تو آپ نے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے بڑے جوش سے فرمایا:

''چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب بھی رکھ دیں تب بھی میں اس فرض سے باز نہ آؤں گا۔''

ایک دفعہ آپ ﷺ اکیلے جنگل میں آرام فرما رہے تھے ایک بدو تلوار لے کر سامنے آ گیا اور پوچھا ''اے محمد ﷺ بتاؤ! اب تم کو کون میرے ہاتھ سے بچا سکتا ہے؟ آپ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: ''اللہ''

آپ نے لوگوں کو عفو و درگذر کا سبق دیا لیکن جس طرح آپ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے دشمنوں کو معاف کیا کوئی دوسرا بھی ایسے معاف کر سکتا ہے؟

آپ نے لوگوں کو دین کی خاطر بھوک پیاس برداشت کرنے کا سبق دیا اور خود اپنا حال یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے موقع پر جب بعض جانثاروں نے بتایا کہ ہم نے بھوک کی وجہ سے کمر سیدھی رکھنے کے لئے پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں تو آپ نے پیرہن مبارک

اٹھا کر دکھایا کہ میں نے کمر سیدھی رکھنے کے لئے دو پتھر باندھ رکھے ہیں۔

میرے دوستو! میں نے یہ چند مثالیں ذکر کی ہیں آپ لایئے دنیا بھر کے لیڈروں کی سوانح عمریاں اور پھر موازنہ کیجئے میرے آقا ﷺ کی سوانح عمری سے، وہاں باتیں ہیں یہاں نمونہ ہے، وہاں تقریریں ہیں یہاں تفسیریں ہیں۔

وہاں اقوال کا ڈھیر ہے یہاں اعمال کا انبار ہے وہاں گفتار ہے یہاں کردار ہے۔

وہاں زبان سے پیار ہے یہاں سب کچھ نثار ہے۔

میرے اللہ ہمیں بھی عمل کی توفیق نصیب فرما۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

میرے آقا ﷺ کی عبادت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے ہم مکتب ساتھیو! میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد ﷺ مغفور تھے، مرحوم تھے، مقدس تھے، مطہر تھے، مقرب ومحبوب تھے، محفوظ تھے، معصوم تھے آپ جنتی تھے بلکہ آپ ﷺ کو دنیا ہی میں بتادیا گیا تھا کہ بے شمار گنہگاروں کو آپ کی وجہ سے جنت میں ٹھکانہ ملے گا، آپ کو مقام محمود عطا کیا جائے گا، آپ خطا کاروں کی سفارش کریں گے، قیامت کے دن لوگ پیاسے ہوں گے اور آپ اپنی امت کو حوض کوثر سے جام بھر بھر کر پلائیں گے۔

لیکن ان تمام بشارتوں کے باوجود آپ بے انتہا عبادت فرماتے تھے۔

آپ ﷺ کا قلب مبارک اور آپ کی زبان مبارک ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے مگر آپ صرف قلبی اور لسانی عبادات پر اکتفا نہیں فرماتے تھے بلکہ جسمانی عبادت بھی کرتے تھے۔

ہمارے دور کے جعلی درویش اور بناسپتی پیر تو کہتے ہیں کہ جناب ہم دل ہی دل میں عبادت کر لیتے ہیں۔

گویا یہ بدبخت روٹیاں منہ سے کھاتے ہیں، قورمہ منہ سے کھاتے ہیں، بریانی کا ستیاناس منہ سے کرتے ہیں، تکے اور کباب کی ایسی تیسی منہ سے کرتے ہیں، حلیم اور کھچڑے

کومنہ ہی سے واصل شکم کرتے ہیں، دودھ منہ سے پیتے ہیں، شربت منہ سے پیتے ہیں۔
لیکن عبادت دل ہی سے کر لیتے ہیں۔
ارے لنڈے کی مخلوق! اگر عبادت دل سے ہو سکتی ہے تو کیا کھانا پینا دل سے نہیں ہو سکتا؟
ذرا کھانا پینا دل سے کرو تو سہی، دیکھنا چند ہی دنوں میں پیٹ کا سائز کتنا کم ہو جاتا ہے
اور یہ پھیلی ہوئی تو ند کیسے نیچے آتی ہے۔
اچھا ہے حضرت سمارٹ ہو جائیں گے۔
یہ تو لنڈے کے مال کا حال ہے مگر وہ جو پیروں کا پیر تھا وہ جو مرشد حق تھا وہ جو نبیوں کا امام تھا وہ جو خاتم النبیین تھا اس کی عبادت کا یہ حال تھا کہ اتنی عبادت فرماتے کہ دیکھنے والوں کو ترس آنے لگتا۔

تہجد کی نماز کی فرضیت عام مسلمانوں سے فوت ہو گئی تھی مگر حضور اکرم ﷺ عمر بھر تہجد ادا فرماتے رہے اور اس طرح ادا فرماتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو معاف فرما دیا ہے پھر آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں آپ فرماتے:

''اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا۔''

''کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنو؟''

نبوت کے آغاز ہی سے آپ نماز پڑھتے تھے، کفار کی موجودگی میں عین حرم میں جا کر سب کے سامنے نماز پڑھتے تھے، کئی دفعہ نماز کی حالت میں دشمنوں نے آپ پر حملہ کیا مگر پھر بھی آپ نماز سے باز نہ آئے۔

حد یہ کہ جنگ کی حالت میں بھی نماز نہ چھوڑتے، سامنے خونخوار دشمن ہوتا، تیر اور خنجر چل رہے ہوتے، لوگوں کو جان کے لالے پڑے ہوتے ادھر آپ ﷺ اللہ کے حضور سجدے میں جھکے ہوتے تھے۔

تمام عمر میں آپ کی کوئی نماز اپنے وقت سے نہیں ہٹی اور نہ دو وقتوں کے علاوہ کبھی کوئی نماز قضا ہوئی، ایک تو غزوہ خندق میں کافروں نے آپ کو عصر کی نماز کا موقع نہیں دیا اور دوسری دفعہ یہ ہوا کہ ایک غزوہ کے سفر میں رات بھر چل کر صبح تمام لوگ سو گئے اور کسی کی بھی آنکھ نہ کھلی تو آپ نے نماز قضا ادا کی۔

اس سے بھی بڑھ کر دیکھئے کہ مرض الموت میں شدت کا بخار تھا۔ تکلیف بہت زیادہ تھی لیکن اس حالت میں بھی نماز تو نماز آپ نے جماعت کو ترک کرنا بھی گوارا نہیں کیا اور دو صحابیوں کے سہارے اس حالت میں مسجد میں تشریف لائے کہ قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے تھے۔

یہ تو آپ کی نماز کا حال تھا۔ روزوں کا حال بھی نماز سے مختلف نہ تھا آپ کثرت سے روزے رکھتے تھے، کوئی ہفتہ اور کوئی مہینہ روزوں سے خالی نہیں جاتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''جب آپ روزے رکھنے پر آتے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار نہیں کریں گے۔''

آپ مسلمانوں کو دن بھر سے زیادہ روزے رکھنے سے منع فرماتے تھے مگر خود آپ کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی بغیر کچھ کھائے پیئے مسلسل دو دو دن اور تین تین دن روزے رکھتے تھے۔

بعض صحابہ نے بھی دو دو دن کا مسلسل روزہ رکھنا چاہا تو آپ نے فرمایا:

''اَيُّكُمْ مِثْلِىْ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ.''

''تم میں سے کون میرے مانند ہے مجھ کو تو میرا آقا کھلاتا پلاتا ہے۔''

رمضان کے علاوہ آپ کا شعبان بھی پورے کا پورا روزوں میں گذرتا تھا، ہر مہینے ایام بیض کے روزے رکھتے تھے، ہر ہفتے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے،

عاشورہ محرم اور شوال کے چھ روزے رکھتے تھے۔

روزوں کے علاوہ زکوٰۃ اور خیرات میں بھی آپ پیش پیش تھے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
''مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ لَا.''
کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے ''لا'' (نہیں) فرمایا ہو۔
اس حدیث کا مفہوم کسی نے یوں ادا کیا ہے:

نرفت لا بہ زبان مبارکش ہر گز
مگر بہ اشہد ان لا الہ الا اللہ

آپ کی زبان مبارک پر کلمہ شہادت کے لا کے علاوہ کبھی بھی لا نہیں آیا۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے عام اعلان فرما رکھا تھا:
''مَنْ تَرَكَ دَيْنًا فَعَلَيَّ وَمَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِوَرَثَتِهٖ.''
''جو مسلمان قرضہ چھوڑ کر مرے گا میں اسے ادا کروں گا اور جو مسلمان وراثت چھوڑ کر مرے گا اسے اس کے وارث سنبھالیں گے۔''
محترم حاضرین! آپ جانتے ہیں کہ عبادت تین قسم کی ہے:
لسانی عبادت، مالی عبادت اور بدنی عبادت۔ یہ تینوں قسم کی عبادت حضور اکرم ﷺ کی سیرت میں ہمیں اپنے کمال پر دکھائی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پیارے آقا ﷺ کی اتباع نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جامع اخلاق

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

واجب القدر دوستو! دنیا میں ہر اس انسان کو عزت وتوقیر سے نوازا جاتا ہے جس کے اخلاق اعلیٰ ہوں اور اعلیٰ اخلاق دو چار نہیں ہیں بلکہ اعلیٰ اخلاق بہت سارے ہیں شجاعت ایک خلق ہے، صبر ایک خلق ہے، شکر ایک خلق ہے، یونہی استقامت، توکل، قناعت، استغنا، ایثار، سخاوت اور تواضع یہ سب اخلاق ہیں۔

انسانوں کا حال یہ ہے کہ کسی کے اندر شجاعت دیکھیں تو اس سے محبت کرتے ہیں، کوئی صابر اور شاکر ہو تو اس سے محبت کرتے ہیں کوئی متوکل اور مستغنی ہو تو اس سے محبت کرتے ہیں۔

اگر ہم کسی سے اس کے صرف ایک خلق کی وجہ سے محبت کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہ اس عظیم انسان سے محبت کریں جس کی ذات میں قسام ازل نے سارے اخلاق جمع کر دیئے تھے بلکہ ایسے متضاد اور متنوع اخلاق آپ کی ذات میں جمع ہو گئے تھے کہ آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والوں کو آج تک حیرت ہوتی ہے۔

ایک ہندو کہتا ہے کہ محمد ﷺ کے مقابلے میں عیسیٰ علیہ السلام ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی

دانائے روزگار کے سامنے ایک بھولا بھالا بچہ بیٹھا میٹھی میٹھی باتیں کر رہا ہو۔

اس سے پوچھا گیا کہ آخر تم پیغمبر اسلام کو دنیا کا کامل انسان کیوں سمجھتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے ان کی زندگی میں بیک وقت اس قدر متضاد اوصاف نظر آتے ہیں جو تاریخ میں کسی ایک انسان میں کبھی یکجا نہیں ہوئے۔

بادشاہ ایسا کہ پورا ملک اس کی مٹھی میں ہو اور بے بس ایسا کہ خود اپنے کو بھی اپنے قبضہ میں نہ جانتا ہو بلکہ خدا کے قبضہ میں ہو۔

دولت مند ایسا کہ خزانے کے خزانے اونٹوں پر لدے ہوئے اس کے دارالحکومت میں آ رہے ہوں اور محتاج ایسا کہ مہینوں اس کے گھر چولھا نہ جلتا ہو سپہ سالار ایسا ہو کہ اس کے مٹھی بھر نہتے مجاہدوں نے ہزاروں کے مسلح لشکر کو شکست دی ہو اور صلح پسند ایسا ہو کہ ہزاروں جاں نثاروں کے باوجود بے چوں چرا صلح کر لے۔

بہادر ایسا ہو کہ ہزاروں کے مقابلے میں تن تنہا کھڑا ہو اور نرم دل ایسا ہو کہ کبھی اس نے انسانی خون کا قطرہ اپنے ہاتھ سے نہ بہایا ہو، باتعلق ایسا ہو کہ عرب کے ذرّہ ذرّہ کی اس کو فکر ہو اور بے تعلق ایسا ہو کہ اللہ کے سوا کسی کی یاد اس کو نہ ہو۔

معاف کرنے والا ایسا کہ اپنی ذات پر ظلم ڈھانے والوں سے اس نے کبھی بدلہ نہیں لیا اور انتقام لینے والا ایسا کہ اس نے اللہ کے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کیا۔

ہم اس کے دنوں کو دیکھیں تو ہمیں تیغ زن سپاہی کا دھوکہ ہوتا ہے ہم اس کی راتوں کو دیکھیں تو وہ ایک شب زندہ دار زاہد کی صورت میں جلوہ نما ہوتا ہے۔

ہم اس کے رعب اور دبدبہ کو دیکھیں تو شاہِ عرب کہنے کو دل چاہتا ہے لیکن اس کے پیوند زدہ کپڑوں پر نظر ڈالیں تو وہ دنیا سے بے تعلق درویش دکھائی دیتا ہے۔

عین اس وقت جب اس کی مسجد کے صحن میں مال و دولت کا انبار لگا ہوتا ہے، اس کے

گھر میں فاقے کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت بیک وقت حضرت نوح علیہ السلام کے کفر کے خلاف غیظ و غضب کا ولولہ بھی پیش کرتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا منظر بھی دکھاتی ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جنگ و جہاد کی مثال بھی پیش کرتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تواضع اور قناعت کی تعلیم بھی دیتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاہانہ زندگی کا عکس بھی دکھائی دیتی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر و شکر کا نمونہ بھی سامنے لاتی ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی ندامت و انابت کی جھلک بھی دکھاتی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حمد و ثنا، حضرت یوسف علیہ السلام کے قید و بند اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے توکل اور اعتماد کا منظر بھی آپ کی حیات طیبہ میں نظر آتا ہے۔

یوں میرے آقا کی سیرت ایسے متضاد اور متنوع اخلاق کا مجموعہ بن گئی تھی جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا غیظ و غضب، ابراہیم علیہ السلام کا جوش اور ولولہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جذبہ جہاد، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تواضع اور قناعت، حضرت سلیمان علیہ السلام کا شاہانہ کروفر، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر و شکر حضرت یونس علیہ السلام کی ندامت و انابت، حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت حق، حضرت داؤد علیہ السلام کی حمد و ثنا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا توکل اور اعتماد سب کچھ جمع ہو گیا تھا۔

گویا ایک سیرت میں کئی سیرتیں اور ایک زندگی میں کئی زندگیاں جمع ہو گئی تھیں، یوں محسوس ہوتا کہ شاعر نے میرے آقا ﷺ ہی کے بارے میں کہا ہے:

''وَلَيْسَ عَلَى اللهِ بِمُسْتَنْكِرٍ اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمُ فِيْ وَاحِدٍ.''

''اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی محال بات نہیں ہے کہ وہ کسی ایک فرد میں سارے جہاں کو جمع کر دے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے یوں کیا کہ اخلاق کے اس عظیم پیکر کو سارے انسانوں کے سامنے رکھ کر اعلان کر دیا کہ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو محمد رسول اللہ ﷺ جیسے بننے کی کوشش کرو۔

ان کی سچی غلامی اختیار کرو۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ﴾

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور اکرم ﷺ کا سچا غلام بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

میرے آقا ﷺ کے چھ بڑے احسانات

نَحْمَدُه وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است
آبروئے ماز نام مصطفیٰ است
ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان است
بحر و بردر گوشہ دامان او است

بزرگان محترم و برادران عزیز! یوں تو نوع انسانی پر محسن اعظم ﷺ کے بے شمار احسانات ہیں مگر میں اس وقت آپ ﷺ کے صرف چھ بڑے احسانات کا ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

حضور اکرم ﷺ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ کے ذریعہ دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت ملی یہ وہ عقیدہ ہے جو مردہ کو زندہ کرتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے، کمزور کو طاقتور بنا دیتا ہے، مظلوموں کو شاہوں سے بات کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ مستضعفین کو جابروں کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کی قوت عطا کرتا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ساری امیدیں ایک ذات سے وابستہ کر دیتا ہے۔

اس عقیدے کا حامل انسان ایک اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، کسی کے سامنے دامن نہیں پھیلاتا، کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا، کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہیں سمجھتا۔

دورِ جاہلیت کا انسان بے جان چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا تھا اور ان کی خوشامد کرتا تھا۔

وہ کیڑوں مکوڑوں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا تھا۔

وہ جنوں اور شیطانوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا تھا۔

کائنات کے آقا ﷺ نے لا الہ الا اللہ کا ایسا درس دیا کہ انسان نے ایک اللہ کے سوا سب سے امیدیں توڑ لیں، سب سے ڈرنا چھوڑ دیا۔

اس عقیدے نے انسان کی دنیا ہی بدل دی وہ انسان جو مظاہر فطرت کی پرستش کرتا تھا وہ ان پر حکومت کرنے لگا، آج جو سائنسدان چاند، سورج اور ستاروں پر کمند ڈال رہے ہیں تو انہیں محسن اعظم ﷺ کا ممنون ہونا چاہیے کیونکہ یہ اعلان آپ ﷺ نے ہی کیا کہ سورج اور چاند کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے ورنہ انسان نے تو سورج، چاند اور ستاروں کو خدا بنا رکھا تھا۔

نوعِ انسانی پر حضور اکرم ﷺ کا دوسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وحدتِ انسانی کا تصور دیا۔

آپ ﷺ سے پہلے انسان، قوموں اور برادریوں میں بٹا ہوا تھا، کوئی اعلیٰ تھا کوئی ادنیٰ، کوئی مستقل حاکم تھا اور کوئی مستقل محکوم تھا۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾

مصر کے فرعون کہتے تھے کہ ہم سورج دیوتا کے اوتار ہیں۔

ہندوستان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑتے تھے اور اپنے آپ کو سورج بنسی اور چندر بنسی کہتے تھے۔

ایران کے بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ہماری رگوں میں خدائی خون ہے چینی اپنے شہنشاہوں کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔

اس ناموافق فضا میں انسانیت کے سب سے بڑے محسن نے اعلان کیا:

''یأیھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد کلکم من تراب و آدم من تراب.''

''لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولادِ آدم ہو اور مٹی سے بنے تھے۔''

''ان اکرمکم عند اللہ اتقکم و لیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی.''

''اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاکباز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی بناء پر۔''

آپ ﷺ کے اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے تمہارا رب بھی ایک ہے۔

یہ وہ اعلان تھا جس نے رنگ و نسل کے فرق کے باوجود تمام صحابہ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا آپ جانتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، رومی تھے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری تھے، حضرت طفیل رضی اللہ عنہ، دوسی تھے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اموی تھے مگر جو بھی تھے وہ سب بھائی بھائی تھے۔

نوعِ انسانی پر محسن اعظم ﷺ کا تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ ﷺ نے انسانیت کے

احترام کا سبق دیا، جس زمانے میں آپ ﷺ تشریف لائے اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی چیز نہ تھی، بعض حیوانات مقدس شمار ہوتے تھے، مٹی اور پتھروں سے بنائے بتوں کی تعظیم کی جاتی تھی لیکن انسان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی حضور ﷺ نے انسان کے احترام کا سبق دیا آپ ﷺ نے فرمایا:

''اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ.''

''انسان اللہ کے کنبہ ہیں اور اللہ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

حضور اکرم ﷺ کا انسانی سوسائٹی پر چوتھا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انسانوں پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا، آپ ﷺ نے توبہ کے اتنے فضائل بیان فرمائے کہ بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کو سچے دل سے توبہ کرنے والے گنہگاروں پر رشک آنے لگا۔ قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام ہی سورہ توبہ ہے اس سورۃ کی آیت نمبر 112 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مخصوص بندوں کا ذکر کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اس فہرست میں عابد بھی ہیں حمد کرنے والے بھی ہیں، روزہ دار بھی ہیں، رکوع اور سجود والے بھی ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے بھی ہیں اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے بھی ہیں لیکن اس نورانی فہرست میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے وہ توبہ کرنے والے ہیں۔

اللہ کریم نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر انبیا اور صلحا کی توبہ کا ذکر فرما کر بتا دیا کہ توبہ کرنا تو اللہ کے مقرب اور محبوب بندوں کا شیوہ ہے تو اے گنہگارو! تم اس سعادت سے کیوں محروم رہتے ہو۔

محسن انسانیت ﷺ کا پانچواں بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے دین و دنیا کی وحدت کا تصور دیا۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک کا نام دین تھا اور دوسرے کا نام دنیا تھا۔

کلیسا میں دین تھا اور قصر شاہی میں دنیا تھی، گرجا میں دین تھا اور منڈی اور بازار میں دنیا تھی، گیان دھیان دین تھا اور مکان دوکان دنیا تھی۔

دین دار بننے کے لیے دنیا کو خیر باد کہنا ضروری تھا اور دنیا دار بننے کے لیے دین سے کنارہ کشی ضروری تھی۔

یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ بیوی بچوں کو چھوڑ کر، رشتہ داروں کو چھوڑ کر، کاروبار کو چھوڑ کر جنگلوں میں بسیرا کر لیتے تھے تا کہ اللہ کو راضی کر سکیں۔ اللہ کے آخری نبی نے سمجھایا کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور دیندار بننے کے لئے بیوی بچوں کو چھوڑنا ضروری نہیں، پہاڑوں اور غاروں میں بسیرا کرنا ضروری نہیں، بس تھوڑا سا رخ بدل لو، ہر وہ جائز کام جس میں تم اللہ کی رضا کی نیت کر لو گے وہ دین بن جائے گا، حکومت دین بن جائے گی، سیاست دین بن جائے گی، تجارت دین بن جائے گی، حقوق العباد کی ادائیگی دین بن جائے گی، محنت مزدوری دین بن جائے گی، اور اگر اللہ کی رضا کا جذبہ نہ ہو تو پھر نماز دین نہیں بلکہ دنیا ہو گی روزہ دنیا ہو گا، حج دنیا ہو گا، جہاد دنیا ہو گا۔

جی ہاں نیت کے بدلنے سے دنیا دین بن جاتی ہے اور دین، دنیا بن جاتا ہے۔

محسن انسانیت ﷺ کا چھٹا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انسان کو اس کی منزل سے آگاہ کیا، انسان اپنی حقیقی منزل سے بے خبر تھا، اس نے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔

کسی کی زندگی کا مقصد دولت کا انبار تھا۔
کسی کی زندگی کا مقصد عہدہ اور اقتدار تھا۔
کسی کی زندگی کا مقصد عیش وعشرت کا کاروبار تھا۔
کسی کو شہرت اور جھوٹی نمود ونمائش سے پیار تھا، کوئی حسن و جمال پر جاں نثار تھا۔

آپ نے بے خبر انسان کو بتایا اور سمجھایا ارے اللہ کے بندے! یہ ساری چیزیں تیری زندگی کا حقیقی مقصد نہیں بلکہ تیری زندگی کا اصلی اور حقیقی مقصد یہ ہے کہ تیرا مالک وخالق تجھ سے راضی ہو جائے، تیرا جینا بھی اس کے لئے ہو، تیرا مرنا بھی اسی کے لئے ہو، تیرا کمانا، تیرا خرچ کرنا، تیرا سونا اور جاگنا، تیرا لڑنا اور تیرا پیار کرنا سب اسی کی رضا کے لیے ہو۔ گویا:

میری زنگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مجاہد میں اسی لئے نمازی

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کی وہ مجھے اور آپ سب کو ان احسانات کی قدر کرنے اور پھر حضور اکرم ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ کی اتباع کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

میرے آقا ﷺ کی خصوصیات

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

گرامی قدر سامعین! آج کا اجتماع آقائے دو جہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے تذکرہ کے سلسلے میں منعقد ہوا ہے، مختلف مقررین نے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، میں اپنے ناقص مطالعہ کی روشنی میں اپنے آقا ﷺ کی چند خصوصیات بیان کرنا چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بے شمار انبیا بھیجے، ان میں اکثر انبیا وہ ہیں جن کے حالات تو کیا ہمیں ان کے نام بھی معلوم نہیں ہیں، قرآن کریم میں صرف پچیس انبیا کرام علیہم السلام کے نام آئے ہیں۔

ان کے نام اور حالات معلوم نہ ہونے کے باوجود ہم مسلمان ان تمام انبیا کا احترام کرتے ہیں وہ اللہ کے منتخب بندے تھے، وہ اپنے وقت کے سب سے بہتر سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ انسان تھے، ان پر آسمان سے وحی نازل ہوتی تھی،

ان میں سے کسی کو کتاب اور کسی کو صحیفہ عطا کیا گیا،

انہیں مختلف معجزات عطا کئے گئے۔

انہیں عزت وعظمت سے سرفراز کیا گیا۔

میں ان سب باتوں کا اقرار کرتا ہوں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک قابل انکار حقیقت ہے کہ بعض ایسی چیزیں بھی تھیں جو صرف میرے آقا ﷺ کے ساتھ خاص تھیں۔

علما نے خصائص محمدی ﷺ پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

وقت نہیں ہے کہ میں یہ سارے خصائص آپ کے سامنے بیان کروں، میں صرف وہ پانچ خصائص بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جو میرے آقا ﷺ نے صحیح بخاری کی ایک حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔

آپ کی پہلی خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نام میں رعب اور دبدبہ رکھا تھا۔

ظاہری طاقت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی تھی۔

حکومت تو حضرت داؤد علیہ السلام کو بھی عطا کی گئی تھی۔

تخت وتاج کے مالک تو حضرت سلیمان علیہ السلام بھی تھے۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جو رعب اور ہیبت اللہ تعالیٰ نے میرے آقا ﷺ کے نام میں رکھی تھی وہ کسی اور نبی کے نام میں نہیں تھی اور یہ اللہ کے وعدے کا ظہور تھا، اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا:

﴿سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾

''عنقریب کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا۔''

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہا۔

آپ سیرت کی کتابیں اٹھا کر دیکھئے کئی نامور بہادر زہر میں تلواریں بجھا کر آئے مگر میرے آقا کے چہرۂ انور پر نظر پڑی تو کانپ کر رہ گئے۔

بڑے بڑے سرکش قبائل آپ ﷺ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے۔

کئی علاقے بغیر کسی لڑائی کے فتح ہو گئے۔

میرے آقا ﷺ کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے تمام روئے زمین کو سجدہ گاہ بنا دیا۔

دوسرے مذاہب کا یہ حال ہے کہ عبادت ایک مخصوص مکان ہی میں ادا ہو سکتی ہے، اس سے باہر ادا نہیں ہو سکتی۔

یہودی صرف اپنے صومعہ میں خدا کو پکار سکتا ہے۔

ہندو صرف آتشکدہ میں آداب بندگی بجا لا سکتا ہے۔

بت پرست صرف بت خانے میں اپنے دیوتاؤں کی پرستش کر سکتا ہے۔

لیکن مسلمانوں کا خدا کسی مکان اور زمان میں محدود نہیں وہ ہر جگہ ہے، ہر وقت ہے، اسے ہر کوئی ہر جگہ پکار سکتا ہے۔

وہ کوہ وصحرا میں بھی ہے، بحر و بر میں بھی ہے، آبادی اور ویرانے میں بھی ہے، زمینوں اور آسمانوں میں بھی ہے۔

وہ جیسے مسجدوں کے اندر ہے اسی طرح مسجدوں کے باہر بھی ہے اس کا اعلان ہے:

﴿فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[1]﴾

''جدھر منہ پھیر و ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔''

ہر جا کلیم سجدہ بداں آستان رسد
جہاں سر جھکا دیا وہیں مسجد بن گئی

میرے آقا ﷺ کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے انبیا اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے لیکن میرے آقا ساری دنیا کے لئے مبعوث ہوئے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہر نبی کی دعوت محدود زمانے کے لئے

تھی، مخصوص قوم کے لئے تھی، خاص علاقے کے لیے تھی اسی لئے ان کے ماننے والے بھی محدود تھے کسی کے ماننے والے دو تھے کسی کے ماننے والے سو تھے کسی کے ماننے والے چند ہزار تھے لیکن میرے آقا ﷺ کے ماننے والوں کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کی زندگی ہی میں عرب کے کونے کونے سے لا الہ الا اللہ کی آواز بلند ہو رہی تھی بخاری اور مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ (عالم مثال میں) میرے سامنے مختلف قومیں پیش کی گئیں بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک دو آدمی تھے، بعض کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی مجھے خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوگی۔ لیکن مجھے بتایا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہیں پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارے کی طرف دیکھو میں نے دیکھا تو وہاں اتنا سواد عظیم نظر آیا جس سے افق چھپ گیا پھر کہا گیا ادھر ادھر دیکھو میں نے دیکھا تو ہر طرف لوگ ہی لوگ نظر آئے مجھے بتایا گیا کہ یہ سب تیری امت ہیں۔

میرے آقا ﷺ کی دعوت کالے کے لئے بھی تھی، گورے کے لئے بھی تھی، رومی کے لئے بھی تھی، حبشی کے لئے بھی تھی، عربی کے لئے بھی تھی، عجمی کے لئے بھی تھی، ترکی کے لئے بھی تھی، تاتاری کے لئے بھی تھی، چینی کے لئے بھی تھی، ہندی کے لئے بھی تھی۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ سارے انبیا کی نبوتیں ختم ہو چکیں، ان کی دعوت ختم ہو چکی، ان کی کتابوں کا پیغام ختم ہو چکا اب صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت باقی ہے صرف آپ کی دعوت باقی ہے، صرف آپ ﷺ کی کتاب کا پیغام باقی ہے۔

یہودیو سنو! عیسائیو سنو! ہندوؤ سنو! سکھو سنو! مجوسیو سنو! اگر تم فوز و فلاح چاہتے ہو تو آؤ! محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن میں پناہ لے لو۔

خدا کی قسم! اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو دامن محمد ﷺ ہی میں پناہ لیتے۔

میرے آقا ﷺ کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو قیامت کے دن مقام شفاعت عطا کیا جائے گا۔

بڑے بڑے صلحا لرزہ براندام ہوں گے کہ آج ہمارا کیا بنے گا؟
نفسی نفسی کی آوازیں آرہی ہوں گی،
حساب کتاب کے ڈر سے کلیجے منہ کو آرہے ہوں گے۔
جسم پسینے سے شرابور ہوں گے۔
میرے جیسے گنہگار کسی شفیع کے متلاشی ہوں گے۔

اور یہی وہ موقع ہوگا جب میرے آقا سجدے میں گر جائیں گے اپنے مالک سے رو رو کر مانگیں گے اور پھر آپ کی پکار سنی جائے گی، آپ ﷺ کی دعا قبول کی جائے گی، آپ ﷺ کو مقامِ محمود پر فائز کیا جائے گا اور آپ گنہگاروں کی سفارش کریں گے پھر ہر اس شخص کو جہنم سے نجات مل جائے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

میرے آقا ﷺ کی پانچویں خصوصیت جو صحیح بخاری میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے انبیا کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا مگر آپ ﷺ کے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا بلکہ سب سے پاکیزہ، سب سے زیادہ برکت والا مال، مال غنیمت ہے مگر ہائے میں کیسے کہوں کہ آج ہماری کمزوری کی وجہ سے اور اپنے آقا کا دامن چھوڑنے کی وجہ دنیا بھر کے کافروں نے مسلمانوں کے اموال کو اور ان کے پیٹرول کے ذخائر کو مال غنیمت سمجھ رکھا ہے۔

سوئے ہوئے مسلمان! اُٹھ، اپنا مقام پہچان! سوچ تو سہی!
تو کس نبی کا ماننے والا ہے تیرا نبی سارے نبیوں کا سردار تھا، تیرے آقا کو وہ کچھ عطا کیا

گیا جو کسی اور کو عطا نہیں کیا گیا۔

اُٹھ سچا غلام بن جا آقائے دو جہاں کا پھر دیکھ مشرق و مغرب کیسے تیرے غلام بنتے ہیں۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مثالی کردار

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُكَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا یُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

یہ جلوہ حق سبحان اللہ یہ نور ہدایت کیا کہنا
جبرئیل بھی شیدا ان سے ہیں یہ شان نبوت کیا کہنا
جس دل میں ہو پرتو کرسی و عرشی اس دل کی بلندی صل علی
اور جس سینے میں قرآن اترا ہو اس سینہ کی عظمت کیا کہنا

گرامی قدر سامعین! میں آج کی نشست میں کائنات کے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے مثالی کردار کو اس اعتبار سے بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جو بھی آپ کے کردار کو دیکھتا تھا وہ آپ کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا، ہر وہ شخص جس کا آپ سے واسطہ پڑا اس نے آپ کی تعریف کی۔

میں اپنی گفتگو کا آغاز گھر سے کرنا چاہتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی آدمی خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ اپنے گھر میں معمولی آدمی ہوتا ہے، والیٹر کہتا ہے کہ

''کوئی شخص اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہو سکتا۔''

والیٹر نے یہ بات اس لئے کہی تھی کیونکہ بیوی سے بڑھ کر انسان کی اندرونی کمزوریوں

کا واقف کار کوئی نہیں ہو سکتا ویسے بھی عورتوں کے مزاج میں نکتہ چینی ہوتی ہے وہ مردوں میں ایسے ایسے عیب نکال لیتی ہیں جو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوتے، بڑے بڑے لیڈر جو عوامی زندگی میں شیر بنتے ہیں وہ گھر میں گیدڑ ثابت ہوتے ہیں لیکن میرے آقا ﷺ کا معاملہ سارے لیڈروں سے جدا ہے آپ ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق آپ ﷺ کی بیوی ہی نے کی۔

وہ واقعہ بھی یاد کیجئے جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور شدید خوف کی وجہ سے آپ پر کپکپی طاری تھی اور آپ فرما رہے تھے خدیجہ مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا: ''ہرگز نہیں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی اور رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں، دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، محتاجوں کے کام آتے ہیں، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں، راہ حق کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مدد کرتے ہیں۔''

بیوی کے بعد انسان کی کمزوریوں سے سب سے زیادہ اس کے قریبی دوست واقف ہوتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی صداقت کی تصدیق انہوں نے ہی کی جو آپ ﷺ کی جلوت و خلوت کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔

آپ ﷺ کی تصدیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کی جو آپ ﷺ کے راز دان دوست تھے۔

آپ ﷺ کی تصدیق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی جو آپ کی کفالت اور تربیت میں تھے، آپ ﷺ کی تصدیق حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے کی جو آپ کے منہ بولے بیٹے تھے۔

ایک دوسری حیثیت سے غور فرمایئے، حضور اکرم ﷺ ہمیشہ صرف اپنے عقیدت مندوں کے جھرمٹ میں نہیں رہے بلکہ نبوت ملنے سے پہلے آپ نے چالیس سال قریش

میں بھی گزارے تھے اور کوئی الگ تھلگ زندگی نہیں گزاری بلکہ بھرپور معاشرتی اور تجارتی زندگی آپ نے گذاری لیکن آپ ﷺ کے معاملات آپ کی تجارت آپ کا لین دین اور قول و اقرار اتنا صاف ستھرا تھا کہ آپ کو قریش نے امین کا لقب دیا نبوت کے بعد بھی لوگوں کو آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھواتے تھے۔

کیا یہ تاریخ کا حیرت انگیز واقعہ نہیں ہے کہ ہجرت کی شب جو لوگ تلواریں سونت کر کھڑے تھے ان کی امانتیں اسی شخص کے پاس تھیں جس کی زندگی کا چراغ گل کر دینے کا وہ عزم لیکر آئے تھے اور آپ ﷺ نے بھی خون کے پیاسوں کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے اس لئے چھوڑ دیا تا کہ آپ کے بعد وہ لوگوں کی امانتیں واپس کر سکیں۔

ایک اور پہلو بھی سامنے رکھیے وہ یہ کہ جب آپ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا تو قریش نے بڑی برہمی ظاہر کی، بائیکاٹ کیا، دشمنیاں ظاہر کیں، گالیاں دیں، راستے روکے، نجاستیں ڈالیں، پتھر پھینکے، قتل کی سازشیں کیں، آپ کو ساحر کہا، شاعر کہا، مجنوں کہا، مگر کسی نے یہ جرأت نہ کی کہ آپ کے اخلاق اور کردار کے خلاف کوئی ایک حرف بھی زبان سے نکال سکے۔

حالانکہ آپ سوچیے کہ وہ لوگ جو آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لئے دولت لٹا رہے تھے، اپنی جانیں دے رہے تھے، اولاد کو قربان کر رہے تھے ان کے لئے آسان راستہ یہ تھا کہ وہ آپ کی ذات میں کسی اخلاقی یا عملی کمزوری کی نشاندہی کر دیتے لیکن سر توڑ کوششوں کے باوجود ایسا نہیں کر سکے کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ دوستوں کی نظر میں بھی ممدوح تھے اور دشمنوں کی نظر میں بھی ممدوح تھے، آپ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ابوجہل کہا کرتا تھا ”محمد ﷺ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا البتہ تم جو کچھ کہتے ہو میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا“

ایک روز قریش کے بڑے بڑے رئیس جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور حضور ﷺ کا ذکر ہو رہا تھا، نضر بن حارث جو کہ قریش میں سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا اس نے کہا: ''اے قریش! محمد ﷺ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ، سچا اور امانت دار تھا اور اب جبکہ اس کے بالوں میں سفیدی آچکی اور اس نے تمہارے سامنے یہ باتیں پیش کیں تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم! میں نے اس کی باتیں سنی ہیں، محمد ﷺ میں یہ کوئی بات نہیں۔''

میں آپ کو ایک اور واقعہ سناتا ہوں آپ جانتے ہیں کہ قیصر روم نے ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ کے بارے میں تحقیق کرنے کے لئے ابوسفیان کو اپنے دربار میں بلایا تھا اور ابو سفیان اس وقت آپ کا سب سے بڑا حریف اور دشمن تھا، وہ مسلسل چھ برس آپ کے مقابلے میں فوجوں کے پرے جما تا رہا تھا۔

سوچیے! ابوسفیان کے لئے بادشاہ کو اپنا حامی بنانے کا کتنا اچھا موقع تھا لیکن قیصر نے جب ابوسفیان سے سوال کیا کہ ''تم لوگوں نے اس شخص (محمد ﷺ) کو جھوٹ بولتے ہوئے بھی دیکھا ہے؟''

ابوسفیان نے جواب دیا کہ ''نہیں (ہم نے محمد ﷺ کو جھوٹ بولتے ہوئے آج تک نہیں دیکھا)''

قیصر نے پوچھا: ''وہ کبھی اپنے عہد و اقرار سے بھی پھرا ہے۔''

ابوسفیان نے جواب دیا: ''ابھی تک تو نہیں مگر آئندہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔''

قیصر نے پوچھا: ''وہ کیا سکھاتا ہے؟''

ابوسفیان نے جواب دیا: ''وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو، نماز پڑھو، پاک دامنی اختیار کرو، سچ بولو، اہل قرابت کا حق ادا کرو۔''

میرے دوستو! بات صرف ابوجہل اور نضر بن حارث اور ابوسفیان کی نہیں بلکہ ایسے ہزاروں لوگوں کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں جنہوں نے مخالفت اور عداوت کے باوجود میرے اور آپ ﷺ کے آقا کی تعریف کی ہے۔

لوگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں بے شمار یہودیوں، عیسائیوں، سکھوں اور ہندوؤں کے وہ اقوال جمع کیے ہیں جوانہوں نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کہے ہیں، گبن سے لیکر باسورتھ اسمتھ تک اور گاڈفری ہنگنس سے لے کر بابا گرو نانک تک ہر ایک اپنے کفر وشرک کے باوجود میرے آقا کے کردار کی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ ہری چند اختر ایک ہندو تھا مگر اس نے کتنے والہانہ انداز میں کہا ہے:

کس نے ذرّوں کا اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کا ملایا اور دریا کردیا
سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسن کائنات
پھر کسی نے اس کو عالم آشکارا کردیا

بات صرف ہری چند کی نہیں ایسے شعرا کا تو شمار ممکن نہیں جنہوں نے کائنات کے آقا ﷺ کو خوبصورت اشعار میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

میرے آقا ﷺ کا کردار ہی ایسا ہے کہ ہر شخص جس کے سینے میں دل اور دل میں سچائی کا تھوڑا سا عنصر بھی موجود ہو وہ بے ساختہ تعریف پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم ﷺ کے کردار کی اتباع نصیب فرمائے۔ (آمین)

و آخردعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین

میرے آقا ﷺ کی راتیں

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ۝۲ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ۝۳ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ۝۴ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

گرامی قدر حاضرین! آپ مختلف سیاسی اور مذہبی تقریریں سنتے رہتے ہیں جوشیلے مقررین کی بھی کمی نہیں، پرسوز آواز والے خطبا بھی بہت ہیں۔

کوئی ہنسانا جانتا ہے،

کوئی رلانا جانتا ہے،

کوئی تڑپانا جانتا ہے،

کوئی بھڑکانا جانتا ہے،

کوئی لڑانا جانتا ہے،

مگر مجھے اس وقت بڑا دکھ ہوتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ رات بھر خطیب نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت بیان کی، کسی کو ہنسایا کسی کو رلایا، کسی کو تڑپایا، کسی کو بھڑکایا، خوب نعرے لگوائے، زندہ باد مردہ باد کی آوازیں بھی بلند ہوئیں لیکن جب نماز فجر کا وقت ہوا تو میں نے دیکھا کہ خطیب بھی غائب، حاضرین بھی غائب۔ اللہ اکبر!

اللہ کے بندو! اس سے بہتر تو یہ تھا کہ تم رات بھر میٹھی نیند سوتے اور صبح نماز جماعت

کے ساتھ پڑھ لیتے۔

جس عظیم انسان کی سیرت تم نے رات بھر بیان کی اس کا تو یہ حال تھا کہ اس کی رات کا بڑا حصہ اللہ کے ساتھ مناجات اور قرآن کی تلاوت میں گذرتا تھا، فرض نماز تو بہت دور کی بات ہے اس عظیم انسان کی نماز تہجد بھی قضا نہ ہوتی تھی۔

حالانکہ سارا دن مصروفیت ہوتی تھی، اُدھر دیکھو تو مختلف علاقوں سے آنے والے وفود سے ملاقات ہو رہی ہے، اِدھر دیکھو تو غریب اور مفلس مسلمانوں کے مسائل حل کیے جا رہے ہیں۔

اُدھر دیکھو تو ظالم اور مظلوم کے درمیان عدل کے فیصلے کیے جا رہے ہیں، اُدھر دیکھو تو پرسوز خطبے ارشاد فرمائے جا رہے ہیں۔

اُدھر دیکھو تو عائشہ اور حفصہ جیسی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حقوق پورے کیے جا رہے ہیں، اِدھر دیکھو تو فاطمہ اور زینب جیسی بنات طاہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ ہو رہا ہے۔

اُدھر دیکھو تو آنے والے سائلین کی ضروریات پوری کی جا رہی ہیں،

اِدھر دیکھو تو صفہ کے طلبا کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ جاری ہے،

اِدھر دیکھو تو ظالموں کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کیے جا رہے ہیں،

سن لیجئے! میرے آقا...... ارے آپ کے آقا، ساری انسانیت کے آقا ایسے بے تعلق نہ تھے کہ آپ ﷺ کو گیان دھیان اور اپنی ذات کے علاوہ کسی چیز کی فکر نہ ہو بلکہ آپ کو عرب کے ذرّے ذرّے کی فکر تھی، بیوی بچوں کی فکر تھی یتیموں اور بیواؤں کی فکر تھی، بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لگانے کی فکر تھی، ظالموں اور مشرکوں کی سرکوبی کی فکر تھی، عرب کی فکر تھی، عجم کی فکر تھی، ہند کی فکر تھی، چین کی فکر تھی اور کیوں نہ فکر ہوتی آپ سارے

جہانوں، سارے مکانوں اور سارے انسانوں کے لئے نبی بن کر آئے تھے۔

لیکن اس مصروفیت کے باوجود آپ ﷺ تہجد کی نماز قضا نہیں ہونے دیتے تھے اور نماز بھی ایسے ادا فرماتے کہ بعض اوقات رات بھر کھڑے رہ جاتے کھڑے کھڑے پائے مبارک میں ورم آجاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں، اللہ نے تو آپ کو معاف کر دیا ہے پھر آپ اس قدر کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں؟ آپ ﷺ فرماتے:

''اَفَلَآ اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا.''

''کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ نہ بنوں۔''

گویا بتا دیا کہ اللہ کی عبادت صرف خوف اور خشیت کی وجہ سے نہیں محبت اور عشق کی وجہ سے بھی کی جاتی ہے......

میں راتوں کو صرف خوفِ الٰہی کی وجہ سے کھڑا ہوتا ہوں بلکہ محبت الٰہی مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں اس مالک کا شکر ادا کروں جس نے میرے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا ہے۔

جس نے مجھے رحمۃ للعلمین بنایا ہے......

جس نے مجھ سے مقامِ محمود کا وعدہ کیا ہے......

جس نے مجھے ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ کی بشارت سنائی ہے......

جس نے میرے صحابہ کو ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾ کی سند دی ہے......

آپ ﷺ کی راتوں کی نماز دیکھنے والی ہوتی تھی رکوع میں اتنی دیر جھکے رہتے کہ دیکھنے والے کہتے کہ شاید آپ ﷺ سجدہ کرنا بھول گئے اور سجدہ تو سجدہ ہوتا تھا، سر اُٹھانا بھول جاتے، سجدے میں دعائیں مانگتے اور روتے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینے سے ایسی آوازیں

نکلتی جیسے اُبلتی ہوئی ہنڈیا سے آواز نکلتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی سنا تو آپ سجدے میں اپنے مولیٰ کے حضور یوں عرض کر رہے تھے:

''سُبْحٰنَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ.''

کبھی سنا تو یہ دعا مانگ رہے تھے:

''اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ مَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ.''

کبھی سنا تو یہ دعا مانگ رہے تھے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ أَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عَقُوْبَتِكَ، أَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لاَ أُحْصِيَ ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ.''

میرے بزرگو اور دوستو!

میرے اور آپ کے آقا ﷺ رات کو سوتے بھی تھے حقوق بھی ادا فرماتے تھے لیکن رات کا ایک بڑا حصہ عبادت کے لئے بھی مخصوص فرماتے تھے۔

راتوں کو لہو ولعب میں گذارنے اور عشق نبوی کے دعوے کرنے والے لوگو! عبرت حاصل کرو، اپنے آقا کی راتوں سے نصیحت حاصل کرو، اپنے آقا کے قیام اللیل سے، سجدوں سے، رکوع سے، مناجاتوں سے، رونے سے اور اللہ سے تڑپ تڑپ کر مانگنے سے۔

اے اللہ! ہمیں بھی ہمارے آقا کی راتوں کی عبادت میں سے کچھ حصہ عطا فرما۔

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عفوودرگزر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

سر سے لیکر پاؤں تک تنویر ہی تنویر ہے
جیسے منہ بولتا قرآن وہ تقریر ہے
سوچتی ہے دل میں دنیا مصطفی کو دیکھ کر
وہ مصور کیسا ہوگا جس کی یہ تصویر ہے

گرامی قدر حاضرین! میں آج آپ کے سامنے سرور کائنات ﷺ کے اخلاق میں سے ایک خاص خلق یعنی عفوودرگزر کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔

حیرت ہے یورپ کے متعصب مصنفین پر کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں میرے آقا ﷺ کو ایک انتقامی مزاج رکھنے والی شخصیت کے روپ میں پیش کیا ہے جبکہ میرے آقا ﷺ کی سیرت میں جو عفوودرگزر کی مثالیں ہیں وہ ڈھونڈنے سے بھی کسی دوسری شخصیت کے حالات میں نظر نہیں آتیں۔

میں آپ کو مکہ کے حالات نہیں سناتا کہ آپ کہیں گے کہ آپ وہاں محکوم اور مجبور تھے میں آپ کو مدینہ منورہ کے واقعات سناتا ہوں جہاں آپ کو حکومت اور اقتدار حاصل تھا اور اصل معاف کرنا وہی ہوتا ہے جب انسان طاقت اور اختیار رکھتے ہوئے معاف کردے

ورنہ مجبوری میں تو ہر کوئی معاف کر دیتا ہے۔

آپ جانتے ہیں ابوسفیان کون تھا؟

بدر، احد اور خندق وغیرہ کا سرغنہ ابوسفیان تھا۔

اسی نے بہت سارے مسلمانوں کو قتل کرایا۔

ابوسفیان ہی تھا جس نے کئی دفعہ سرور عالم ﷺ کے قتل کا فیصلہ کیا لیکن فتح مکہ سے پہلے جب وہ آپ کے سامنے آ گیا تو آپ نے نہ صرف یہ کہ اس کا ہر جرم معاف کر دیا بلکہ عام اعلان فرمادیا: ''مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ کَانَ اٰمِنًا.''

''جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو امن ہے۔''

ہند ابوسفیان کی بیوی تھی، احد کی لڑائی میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گا گا کر قریش کے سپاہیوں کا دل بڑھاتی تھی۔

یہی ہند تھی جس نے اسلام کے ہیرو اور حضور اکرم ﷺ کے چچا کی لاش کی بے حرمتی کی تھی، سینہ چاک کر کے کلیجہ چبایا تھا اور کان، ناک کاٹ کر ہار بنایا تھا۔

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اسے بھی معاف کر دیا تو وہ پکار اٹھی: ''اے محمد ﷺ! آج سے پہلے تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن آج تمہارے خیمہ سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں۔''

آپ نے وحشی کا نام ضرور سنا ہوگا وہ میرے آقا ﷺ کے محبوب چچا کا قاتل تھا وہ جان بچانے اور امن حاصل کرنے کے لئے اِدھر اُدھر بھاگا پھرتا تھا لوگوں نے اسے سمجھایا ارے وحشی! تم محمد ﷺ سے بچنے کے لئے مارے مارے پھرتے ہو، تمہارے لئے محمد کے آستانہ سے بڑھ کر کوئی امن کی جگہ نہیں۔

وحشی آنکھیں نیچے کیے حاضر ہو گیا اور آپ نے اسے بھی معاف فرمادیا۔

عکرمہ کون تھا؟ اسلام مسلمانوں اور خود محمد رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کا بیٹا۔

وہ ابوجہل جس نے حالت سجدہ میں جسم اطہر پر گندگی ڈلوائی۔

وہ ابوجہل جس نے آپ ﷺ کے گلے میں چادر ڈال کر آپ کو پھانسی دینی چاہی۔

وہ ابوجہل جس نے دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کا مشورہ دیا۔

اور ایسا نہیں کہ صرف باپ ہی نے جرائم کا ارتکاب کیا ہو بلکہ خود بیٹا بھی مسلمانوں کے خلاف کئی جنگوں میں حصہ لے چکا تھا۔

عکرمہ کو اپنے اور اپنے خاندان کے تمام جرم یاد تھے، اسی لیے جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن چلے گئے، ان کی بیوی جو کہ مسلمان ہو چکی تھی وہ انہیں سمجھا کر مدینہ لے آئیں، حضور اکرم ﷺ کو ان کی آمد کی خبر ملی تو استقبال کے لئے اتنی تیزی سے اٹھے کہ جسم مبارک سے چادر ہٹ گئی اور آپ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا:

''مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ.''

''اے مہاجر سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔''

میرے دوستو! آپ نے طائف کا نام ضرور سنا ہوگا۔

وہی طائف جہاں کے رئیس عبد یالیل کے خاندان نے آپ سے استہزا کیا۔

شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور انہوں نے پتھر برسا کر جسم اطہر کو زخمی کر دیا یہاں تک کہ دونوں جوتیاں خون سے بھر گئیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن دریافت فرمایا کہ ''یارسول اللہ! تمام عمر میں آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کونسا آیا'' آپ نے جواب میں طائف ہی کا نام لیا تھا۔

لیکن ایک وقت وہ آیا جب عبد یالیل کا بیٹا طائف کا وفد لیکر مدینہ آیا تو آپ نے ان

کے لئے مسجد میں خیمہ لگوایا، ہر روز نمازِ عشا کے بعد اس کی ملاقات کو جاتے اور اپنی رنج بھری داستان اس کو سناتے۔

مکہ کا حال آپ نے ضرور سنا ہوگا وہی مکہ جس کے حرم کے صحن میں آپ کو گالیاں دی گئیں، آپ پر نجاستیں پھینکی گئیں آپ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی۔

فتح مکہ کے موقع پر اسی مکہ کے تمام نامی گرامی سردار آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔

ان میں وہ بھی تھے جو آپ کو گالیاں دیا کرتے تھے۔

وہ بھی تھے جنہوں نے آپ پر پتھر پھینکے تھے۔

وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے عزیزوں کا ناحق خون کیا تھا۔

وہ بھی تھے جو غریب مسلمانوں کو جلتی ریت پر لٹاتے تھے اور دہکتے کوئلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے۔

اس وقت آپ کے ساتھ دس ہزار کا جانثار لشکر تھا اگر آپ ایک اشارہ بھی فرما دیتے تو مکہ کے بازاروں میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے، خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

قریش کے سردار اپنے انجام کے منتظر تھے لیکن آپ نے ارشاد فرمایا آج میں وہی کہتا ہوں جو یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾

''آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔''

''اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ.'' ''جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

میرے دوستو! بہت عظیم تھا وہ انسان جس نے عفوودرگزر کی یہ اعلیٰ مثالیں قائم کیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسے اخلاق نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حضور اکرم ﷺ کا وصیت نامہ

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورۃ الانعام کی آیت نمبر 151، 152 اور 153 یہ تینوں بڑی اہم آیات ہیں۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کا وصیت نامہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کا ایسا وصیت نامہ دیکھنا چاہتا ہو جس پر آپ کی مہر لگی ہوئی ہو تو وہ ان آیات کو پڑھ لے ان میں وہ وصیت موجود ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے امت کو دی ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے بھی ان تین آیات میں سے ہر ایک کے آخر میں وصیت کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔

بار بار فرمایا ہے: ﴿ذٰلِکُمْ وَصّٰکُمْ بِہٖ﴾ کعب احبار جو تورات کے ماہر عالم تھے اور یہودیت سے اسلام کی طرف آئے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ان تین آیات میں جن دس حرام چیزوں کا بیان ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات بسم اللہ کے بعد انہی آیات سے شروع ہوتی ہے۔

ان دس باتوں میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ اللہ کے ہاں ہر گنہگار کے لئے معافی ممکن ہے مگر شرک کے لئے معافی کا دروازہ بند ہے۔

مشرک خواہ سخی ہو، خواہ عابد وزاہد ہو، خواہ حاجی اور نمازی ہو، خواہ غازی اور مجاہد ہو، خواہ ذاکر وشاغل ہو اس پر جنت حرام ہے۔

مشرک وہ بدنصیب انسان ہے کہ اگر اللہ کا نبی بھی اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے تو بھی اس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔

مشرک وہ بدنصیب ہے کہ اس کی عبادت وریاضت، اس کے حج اور عمرے اس کے صدقے اور خیراتیں، اس کے طواف اور اعتکاف سب بیکار جاتے ہیں۔

ان آیات میں دوسرا یہ حکم دیا گیا ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، یہ بات یاد رکھنے کی ہے قرآن کریم میں کئی مقامات ایسے ہیں جہاں پہلے اللہ کی عبادت کا حکم ہے اور پھر والدین کی خدمت کا حکم ہے۔

آپ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 83 دیکھ لیں۔

آپ سورۃ النساء کی آیت نمبر 36 کا مطالعہ کر لیں، آپ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 24 پڑھ لیں۔

اس اندازِ بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک اعمال میں پہلا نمبر اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ہے اور دوسرا نمبر والدین کی خدمت کا ہے۔

ان تین آیات میں تیسرا حکم یہ دیا گیا ہے کہ اپنی اولاد کو افلاس اور غربت کی وجہ سے قتل نہ کرو۔

اللہ کہتا ہے کہ یہ مت سمجھو کہ اولاد کو تم کھلا پلا رہے ہو۔

حقیقت تو یہ ہے کہ تمہیں بھی اللہ رزق دے رہا ہے اور تمہاری اولاد کو بھی وہی رزق دے رہا ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ تمہیں جو دو لقمے مل رہے ہیں یہ اولاد کی برکت ہی سے مل رہے ہوں کیونکہ اللہ کا نظام ایسا ہے کہ وہ کمزوروں کی برکت سے طاقتوروں کو رزق دیتا ہے۔

آج کل جو خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کی تحریک چل رہی ہے اس کی بنیاد اسی نظریے پر ہے کہ اگر آبادی میں اضافہ ہو گیا تو اس کی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی ایک مسلمان کے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اللہ جو دس کو کھلاتا ہے وہ بیس کو بھی کھلائے گا۔

جب اللہ خود وعدہ کرتا ہے کہ رزق میرے ذمہ ہے تو ہمیں یورپی دجالوں کے اندیشوں، مفروضوں اور پروپیگنڈے سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

چوتھا حکم یہ دیا گیا ہے کہ:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾

''بے حیائی کی باتوں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔''

یہ دور فواحش کی کثرت کا دور ہے۔

فحاشی مختلف شکلوں اور مختلف صورتوں میں سامنے آ رہی ہے مگر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ہر قسم کی فحاشی سے اپنا دامن بچائے رکھے اور فحاشی کے پروگراموں اور مجلسوں سے دور بھاگتا رہے۔

خواہ لوگ دقیانوس کہیں، ملا بن جانے کا طعنہ دیں، قدامت پرست ہونے کی پھبتی کسیں لیکن وہ فحاشی کے پروگراموں سے دور ہی رہے۔

پانچواں حکم یہ دیا گیا ہے کہ:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾

''اس کو قتل نہ کرو، جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

مسلمان کا خون صرف تین وجہ سے مباح ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو ناحق قتل کیا ہو، دوسرے یہ کہ اس نے شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی بدکاری کی ہو، تیسرے یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو۔

ان تین وجوہ کے علاوہ کوئی چوتھی وجہ ایسی نہیں ہے جس سے مسلمان کا خون مباح ہو جائے۔

اور مسلمان کا ناحق خون کرنا تو اتنا بڑا جرم ہے کہ قیامت کے دن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوگا۔

افسوس کہ آج ہم نے قرآن کے اس حکم کو نظر انداز کر دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہر گلی اور کوچہ میں مسلمان کا خون بہہ رہا ہے کافر تو خیر پوری دنیا میں مسلمان کا خون بہا رہے ہیں افسوس تو یہ ہے کہ خود مسلمان بھی مسلمان کے خون کا پیاسا ہو چکا ہے۔

چھٹا حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ،

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ﴾

''یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ۔''

میرے دوستو! یوں تو کسی بھی انسان کے مال کو غصب کرنا اور ناحق کھانا جائز نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یتیم کا ذکر ایک تو اس لئے کیا ہے کہ وہ کمزور ہونے کی وجہ سے کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

دوسرے اس لئے کہ عرب کے معاشرہ میں یتیم بچوں اور بچیوں کے ساتھ بڑا ظلم ہو رہا تھا اور ان کے حقوق دبائے جا رہے تھے۔

ان آیات میں ساتواں حکم یہ دیا گیا ہے کہ ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو۔
حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر اسی لئے عذاب آیا کہ وہ ناپ تول میں کمی کیا کرتی تھی۔
آٹھواں حکم یہ دیا گیا ہے:
﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا﴾
''جب تم بات کہو تو عدل کی بات کہو۔''
مقصد یہ کہ زندگی کے ہر معاملے میں، ہر شعبے میں اور ہر مقام میں عدل اور انصاف کا معاملہ کرو۔
اگر تم حاکم ہو تو بھی عدل کرو۔
قاضی اور جج ہو تو بھی عدل کرو،
استاد ہو تو شاگردوں کے ساتھ عدل کرو،
والد ہو تو اولاد کے درمیان عدل کرو،
گواہی دینی پڑے تو بھی عدل کو ملحوظ رکھو،
جھوٹی گواہی کو رسول اللہ ﷺ نے شرک کے برابر قرار دیا ہے۔
نواں حکم یہ دیا گیا ہے:
﴿وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا﴾
''اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔''
وہ جو ہم نے یوم الست میں کیا تھا وہ بھی عہد تھا۔
قرآن کریم میں جو مختلف احکام ہیں یہ بھی عہد ہے،
ہم نے جو کلمہ طیبہ پڑھا ہے یہ بھی عہد ہے،
اور وہ جو ہم آپس میں قول و اقرار کرتے ہیں یہ بھی عہد ہے،

جو عہد کی پابندی نہیں کرتا وہ کامل مسلمان نہیں ہوسکتا۔

ان آیات میں دسواں حکم یہ دیا گیا ہے کہ صراطِ مستقیم پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو ورنہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کردیں گی۔

یعنی اگر منزل مقصود تک پہنچنا چاہتے ہو تو قرآن کی دکھائی ہوئی جرنیلی سڑک پر چلتے رہو ورنہ شیطان کے ہتھے چڑھ جاؤ گے آج کے دور میں ہر طرف شیطان کے کارندے بیٹھے ہیں اور ظلمت وضلالت کی طرف بلا رہے ہیں اگر ہم صراط مستقیم سے ذرا بھی ہٹے تو گمراہی کے کسی کھڈے میں گر جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان دس احکام پر دل وجان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

عجوبہ روزگار یونیورسٹی

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْہِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْہِمْ وَ یُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

زباں پر مومنوں کے جب بھی ذکر تاجدار آئے
اس کے بعد لازم ہے کہ ذکر چار یار آئے
ابوبکر و عمر عثمان و حیدر باغبان جب ہوں
تو پھر کیونکر نہ باغ مصطفی میں بہار آئے

میرے ہم مکتب ساتھیو! آپ نے بہت سارے اسکول بہت سے مدرسے اور بہت سی یونیورسٹیاں دیکھی ہوں گی یا ان کے بارے میں سنا ہوگا لیکن میں آپ کو ایک عجوبہ روزگار یونیورسٹی کا حال سنانا چاہتا ہوں۔

ایک ایسی یونیورسٹی جہاں انسان کو انسان بنایا جاتا تھا۔

جہاں بندے کو خدا سے ملایا جاتا تھا۔

جہاں دل کی دنیا کو سنوارا جاتا تھا۔

ایک ایسی یونیورسٹی جس کا معلم، جس کا پرنسپل، جس کا منتظم صرف ایک تھا۔ وہ قال سے بھی تعلیم دیتا تھا اور حال سے بھی اور اس کا حال قال سے بھی زیادہ موثر تھا۔

ایک ایسی یونیورسٹی جہاں ہر کسی کو داخلہ مل جاتا تھا کالے کو بھی گورے کو بھی، امیر کو بھی غریب کو بھی، اپنے کو بھی پرائے کو بھی، چھوٹے کو بھی بڑے کو بھی، مرد کو بھی عورت کو بھی۔

نہ عمر کی قید تھی نہ جنس کی، نہ فارم پر کیے جاتے تھے اور نہ کوئی فیس تھی۔

ایک ایسی یونیورسٹی جس کی کوئی عمارت نہ تھی مگر وہاں کا تعلیمی معیار ایسا تھا کہ آج تک ویسا معیار امریکہ میں قائم ہو سکا نہ افریقہ میں۔

ایک ایسی یونیورسٹی جہاں دل و جان سے داخلہ لینے والا کوئی ایک طالب علم بھی فیل نہ ہوا وہاں کے طالب علم دنیا میں بھی کامیاب ہوئے اور آخرت میں بھی کامیاب ہوئے۔

ایک ایسی یونیورسٹی جس میں داخلے کی دعوت قیصر روم کو بھی دی گئی، ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو بھی دی گئی، مصر کے عزیز مقوقس کو بھی دی گئی اور حبشہ کے فرمانروا نجاشی کو بھی دی گئی کہ آؤ اس میں داخلہ لے کر تم بھی انسان بن جاؤ۔

اس یونیورسٹی میں رنگ، روپ، ملک و وطن، قوم و نسل اور زبان و لہجہ کا سوال نہ تھا بلکہ وہ دنیا کے تمام خاندان، تمام قوموں، تمام ملکوں اور تمام زبانوں کے لئے عام تھی، اس یونیورسٹی میں آپ کو مکہ کے قریشی طالب علم ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ بھی نظر آئیں گے۔

تہامہ کے غفاری قبیلہ کے ابوذر رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ بھی دکھائی دیں گے۔

یمن کے دوسی قبیلہ کے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اور طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ، روم کے صہیب رضی اللہ عنہ اور ایران کے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی زانوئے تلمذ طے کیے ہوئے موجود ہوں گے۔

میں آپ کو کیا بتاؤں وہ عجیب و غریب درسگاہ تھی آج کی دنیا میں بعض اسکول غریبوں کے لئے ہیں اور بعض امیروں کے لیے ہیں۔

مالداروں کے اسکولوں میں غریب کا داخلہ ممنوع ہے اور غریبوں کے اسکول میں مالدار داخل ہونا اپنی توہین سمجھتے ہیں لیکن میں جس درسگاہ کی بات کر رہا ہوں اس کے فیض

یافتہ طالب علموں میں آپ کو ایک طرف حبشہ کا بادشاہ نجاشی رضی اللہ عنہ، معان کا رئیس فروہ رضی اللہ عنہ اور حمیر کا سردار ذوالکلاع رضی اللہ عنہ نظر آئے گا تو دوسری طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ، اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ جیسے غلام اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، حضرت زنیرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت نہدیہ رضی اللہ عنہا جیسی لونڈیاں بھی دکھائی دیں گی اور ان میں سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کیا جاتا تھا وہاں امیر اور غریب، شاہ اور گدا، آقا اور غلام سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے تھے۔

وہاں ترجیح اور تکریم کے لئے حسب نسب اور مال و دولت کو نہیں بلکہ سچی طلب کو دیکھا جاتا تھا۔

اس یونیورسٹی سے جو لوگ فارغ ہوئے ان میں ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے حکمران تھے جنہوں نے مشرق سے مغرب تک افریقہ سے ہندوستان تک کامیاب حکمرانی کی، ان کے عدل وانصاف کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

دوسری طرف خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جیسے سپہ سالار تھے جن کے فاتحانہ کارناموں کی دھاک آج بھی دنیا میں بیٹھی ہوئی ہے۔

تیسری طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسے فقہاء تھے جنہوں فقہ اور قانون کی بنیاد ڈالی۔

چوتھی طرف حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت انس مالک رضی اللہ عنہ جیسے محدثین تھے جو احکام اور ارشادات کے راوی ہیں۔

پانچویں طرف حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت مصعب بن

عمیر رضی اللہ عنہ جیسے صوفیا تھے جو زہد وقناعت کی اعلیٰ مثال تھے۔

چھٹی طرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جیسے مظلوم تھے جنہوں نے ظلم کا ہر وار سہ لیا مگر عقیدہ توحید نہ چھوڑا۔

حاضرین گرامی! آپ نے دیکھا اس یونیورسٹی میں ہر رنگ اور ہر مذاق کے طالب علم تھے عالم بھی تھے، مقنن بھی تھے، فوجی بھی تھے، عدالتوں کے قاضی بھی تھے، حکام اور والی بھی تھے، غریب اور مسکین بھی تھے، شاہ اور امیر بھی تھے، غلام اور آقا بھی تھے، لڑنے والے بھی تھے، راہ حق میں جان دینے والے بھی تھے۔

آپ کا کیا خیال ہے یہ مختلف طلبا کیسے جمع ہو گئے اونٹوں کے چرانے والوں میں یہ کمالات کیسے پیدا ہو گئے۔

آیئے میں آپ کو بتاتا ہوں یہ سب کمالات اس یونیورسٹی کے بانی اور بے مثال معلم میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد ﷺ کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھے بلکہ میں تو یوں کہتا ہوں کہ یہ حضور ہی کے کمالات تھے جو کبھی صدیق وفاروق میں چمکے، کبھی ذوالنورین اور مرتضیٰ بن کر نمایاں ہوئے کبھی خالد اور ابوعبیدہ کی صورت میں سامنے آئے کبھی سلمان اور ابوذر میں دکھائی دیئے کبھی بلال وصہیب میں ظاہر ہوئے۔

اگر ہم آقائے کائنات کی غلامی اختیار کرلیں تو ہمیں بھی اس یونیورسٹی مین داخلہ مل سکتا ہے۔

میں سلام کرتا ہوں اے دنیا کے معلم اعظم! تیری تعلیم وتربیت کے انداز پر جس کے نتیجے میں ایسے لعل وگہر پیدا ہوئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مسواک اور صحت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

گرامی قدر حاضرین! میری آج کی تقریر کا موضوع مسواک اور صحت ہے، میرا یہ دعویٰ ہے کہ اس دنیا کے سب سے بڑے حکیم میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور میرا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ کی ایک ایک سنت میں صحت کے راز پوشیدہ ہیں۔

وہ لوگ جو یہودیوں اور عیسائیوں کی تہذیب اور ان کا طرز زندگی اختیار کیے ہوئے ہیں وہ بیماریوں کا اشتہار بن کر رہ گئے ہیں، کبھی دانت خراب، کبھی آنکھ خراب، کبھی معدہ خراب اور کبھی دماغ خراب۔

لیکن جو شخص مکہ کے اُمی ﷺ کی تہذیب اور ان کا طرز زندگی اپنائے گا انشاء اللہ ہمیشہ تندرست رہے گا۔

جوں جوں میڈیکل سائنس ترقی کرتی جاتی ہے میرے آقا ﷺ کی سنتوں کی حکمتیں کھلتی جاتی ہیں آج کی نشست میں، میں صحت کے حوالے سے صرف مسواک کی اہمیت بیان کروں گا۔ میرے آقا ﷺ نے مسواک کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور خود آپ ﷺ کا اپنا یہ حال تھا کہ رات کو سونے سے پہلے مسواک فرماتے، صبح بیدار ہوتے تو مسواک فرماتے، نماز کے لئے اٹھتے تو مسواک فرماتے، سفر سے واپس آتے تو مسواک

فرماتے، منہ میں تغیر محسوس کرتے تو مسواک فرماتے، حد یہ کہ وفات سے تھوڑی دیر قبل جبکہ آپ سخت تکلیف میں مبتلا تھے اس وقت بھی آپ ﷺ نے مسواک فرمائی۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں اگر میری امت پر مشقت نہ ہوتی تو میں ہر شخص پر مسواک کرنے کو فرض قرار دے دیتا۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسواک کے ستر (70) سے زیادہ فائدے ہیں سب سے ادنیٰ فائدہ یہ ہے کہ منہ سے گندگی دور ہو جاتی ہے اور سب سے اعلیٰ فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ شہادت نصیب ہو جاتا ہے۔

آج ڈاکٹر تسلیم کرتے ہیں کہ مسواک کرنے سے منہ کی بدبو ختم ہو جاتی ہے۔

مسواک کرنے سے ٹانسلز سے شفا مل جاتی ہے۔

مسواک کرنے سے جراثیم مر جاتے ہیں جو دسیوں بیماریوں کی نشو و نما کرتے ہیں۔

مسواک کرنے سے دماغ تیز ہو جاتا ہے۔

مسواک کرنے سے امراض چشم سے نجات مل جاتی ہے۔

مسواک کرنے سے کانوں کے ورم اور پیپ سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔

مسواک کرنے سے دانتوں کی اسّی فیصد بیماریاں اپنی موت آپ مر جاتی ہیں۔

مسواک کرنے سے دائمی نزلہ ختم ہو جاتا ہے۔

میرے دوستو! میڈیکل سائنس کے ماہرین مسواک کے ان تمام فوائد کو تسلیم کر رہے ہیں۔ لیکن سن لیجئے! میں مسواک اس لئے نہیں کرتا کہ ڈاکٹر اسے بصارت کے لئے، دماغ کے لئے اور معدہ کے لئے مفید قرار دیتے ہیں، میں تو مسواک اس لئے کرتا ہوں کہ میرے آقا ﷺ مسواک فرماتے تھے، اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی مسواک کرنے کا حکم دیا ہے۔

یورپ کے غلام کسی بھی حکم پر عمل کرنے کیلئے سائنسی تحقیق اور تصدیق کے انتظار میں رہتے ہیں لیکن ایک مسلمان کو حضور اکرم ﷺ کی تصدیق کے بعد کسی تصدیق کی ضرورت نہیں۔

تیری جدا پسند میری جدا پسند
تجھ کو خودی پسند مجھ کو خدا پسند

ہاں جناب! آپ کی پسند اور میری پسند اور ہے۔

آپ کی پسند یورپین تہذیب ہے اور میری پسند مکی و رمدنی تہذیب ہے۔

آپ مدنی آقا ﷺ کی سنتوں کو میڈیکل سائنس کے ترازو میں تولتے ہو، میں میڈیکل سائنس کو سنت نبوی ﷺ کے میزان عدل میں تولتا ہوں۔

میرا یقین ہے کہ ڈاکٹروں کی تحقیقات غلط ہوسکتیں ہے میرے آقا ﷺ کی بات غلط نہیں ہوسکتی۔

تو آیئے دوستو! ہم عزم کریں کہ آج کے بعد مسواک کا اہتمام کریں گے ایسا کرنے سے نبی ﷺ کی سنت بھی زندہ ہوگی اور ہماری صحت بھی انشاء اللہ تعالیٰ بحال ہوگی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چودہ اگست......تجدید عہد کا دن

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

گرامی قدر حاضرین! چودہ اگست ہماری تاریخ کا یادگار دن ہے یہ وہ دن ہے جس دن ایک آزاد ملک کی حیثیت سے پاکستان کا قیام عمل میں آیا، شاید نئی نسل کو معلوم نہ ہو کہ اس آزادی کے لئے مسلمانانِ ہند نے کتنی قربانیاں دی تھی، کتنے علما کو جیلوں میں ڈالا گیا،

کتنے اہل حق کو وطن سے جلاوطن کیا گیا،

کتنی بہنوں اور بیٹیوں کی عزت پامال کی گئی، کتنی سہاگنوں کے سامنے ان کے سہاگ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے،

کتنے شوہروں کے سامنے ان کی بیویوں کی عفت وعصمت کی دھجیاں اڑادی گئیں،

آزادی کا یہ سفر پھولوں کی سیج پر نہیں کانٹوں کی باڑھ پر طے ہوا تھا،

آزادی کے حصول کے لیے ہمارے بزرگوں کو خون اور آگ کے دریا سے گذرنا پڑا تھا،

مگر سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے آزادی کی نعمت کی کوئی قدر نہیں کی،

ویسے تو ہم بڑے جوش وجذبے کے ساتھ گولڈن جوبلی بھی منا چکے ہین اور ہر سال چودہ اگست کو پورے ملک کو جھنڈوں اور جھنڈیوں سے بھی سجاتے ہیں،

سرکاری عمارتوں پر سرکاری پیسے سے چراغاں بھی کرتے ہیں،

جلسے اور جلوس بھی ہوتے ہیں،

عمل سے خالی تقریریں بھی ہوتی ہیں،

لیڈرانِ کرام اپنے بیانات بھی جاری کرتے ہیں،

مگر جب ہم آزادی کے باون (52) سالوں پر سنجیدگی سے نظر ڈالتے ہیں تو ہم اپنی کامیابیوں کی خوشی کم اور ناکامیوں کا غم زیادہ محسوس کرتے ہیں،

ہمارے بزرگوں نے تحریک پاکستان کے وقت اپنے رب اور اپنی قوم سے جو وعدے کئے تھے ہم نے وہ وعدے پورے نہیں کئے۔

ہم نے من حیث القوم اپنے رب سے یہ عہد کیا تھا کہ اس پاک سرزمین میں اسلامی قانون نافذ کریں گے،

یہاں سماجی مساوات ہوگی،

یہاں معاشی عدل ہوگا،

یہاں اسلامی اخوت ہوگی،

یہاں انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے گا،

یہاں ظلم اور استحصال کی ہر صورت کا خاتمہ کر دیا جائے گا،

ہم نے یہ نعرہ لگایا تھا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ،

ہم نے اعلان کیا تھا کہ ہم کشکول گدائی توڑ ڈالیں گے اور اللہ کے سوا کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائیں گے۔

ہم نے عہد کیا تھا کہ ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنا ملک چلائیں گے،

لیکن سینے پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ ان میں سے کونسا وعدہ ہے جو ہم نے پورا کیا ہے،

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے رب سے بھی بے وفائی کی اور اپنی قوم سے بھی بے وفائی کی،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ باون سال گذرنے کے باوجود پاکستان میں اسلام کا پاک

قانون نافذ نہیں ہو سکا،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے ہاں معاشی لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہے،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ رشوت کے بغیر کوئی جائز کام بھی نہیں ہوتا،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے تھانوں اور ہماری عدالتوں میں قانون بکتا ہے،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے ہاں شریفوں کو دبایا گیا ہے اور رذیلوں کو اونچی مسندوں پر بٹھا دیا گیا ہے،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے اعلیٰ ایوانوں میں معزز ممبران کی بھیڑ بکریوں کی طرح باقاعدہ بولی لگتی ہے،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ آج ہمارے اندر سے اجتماعیت ختم ہو چکی ہے، ہر شخص اپنی ذات کے غم میں مبتلا ہے، ہر شخص کا قبلہ الگ ہے ہر شخص کی جماعت الگ ہے،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم مذہب کے نام پر ایک دوسرے کا خون بے دریغ بہاتے ہیں،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم ساری دنیا کے سامنے کشکول گدائی لیے لیے پھر رہے ہیں،

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ملکی وسائل پر چند خاندانوں کا قبضہ ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارا سارا میڈیا نئی نسل کو قیام پاکستان کے مقاصد سے دور لے جانے میں مصروف ہے۔

آؤ اللہ کے بندو! ہم آج کے دن ایک بار پھر عہد کریں کہ ہم ملک عزیز کو اسلام کی اعلیٰ اقدار کا گہوارا بنا کر دم لیں گے، ہم اس ملک سے رشوت ستانی اور اقربا پروری کی ہر صورت کو ختم کر دیں گے،

ہم نہ تو خود کسی بدعنوانی میں ملوث ہوں گے نہ کسی اور کو ملوث ہونے دیں گے،

ہم اس ملک کو لٹیروں، ڈاکوؤں اور دین کے دشمنوں سے پاک کیے بغیر سکون کا سانس نہیں لیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے عزائم کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

آزادی کیا ہے؟

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سنا رہے ہیں عنادل نوید آزادی
منا رہا ہے چمن آج عید آزادی
ہمارے سامنے ہے روز و شب کا آئینہ
غضب کی فرد عمل ہے غضب کا آئینہ

بزرگانِ محترم و برادران عزیز! آج ملک بھر میں یوم آزادی منایا جارہا ہے، ہر طرف خوشیاں ہیں، جلسے ہیں، جلوس ہیں، جھنڈے ہیں، چراغاں ہے، نعرے ہیں، تقریریں ہیں مگر اے آزادی کا جشن منانے والو! کیا تم جانتے بھی ہو اس آزاد ملک کے لیے کتنی ماؤں کے لختِ جگر کٹ گئے؟

کتنی عصمتیں لٹ گئیں؟

خون کے کتنے دریا بہہ گئے؟

آرزوؤں کے کتنے محل جل گئے؟

اے آزادی کے شادیانوں پر تھرکنے والو! کیا تم جانتے بھی ہو کہ آزادی کیا ہے؟

کیا آزادی یہ ہے کہ ہم جو چاہیں کھائیں جو چاہیں پئیں جو چاہیں پہنیں جیسے چاہیں زندگی گذاریں؟

کیا آزادی یہ ہے کہ ہم ماں بہن کا فرق مٹا دیں، پردہ ہٹا دیں فحاشی کو عام کر دیں؟
کیا آزادی یہ ہے کہ ہم جیسے چاہیں تھرکیں ناچیں گائیں اور اودھم مچائیں؟
کیا آزادی یہ ہے کہ ہم سود کو حلال کر دیں شراب اور جوا عام کر دیں؟
کیا آزادی یہ ہے کہ ہم جس کا چاہیں گلا کاٹ دیں جس کی چاہیں عزت لوٹ لیں، جس کا چاہیں حق دبا لیں؟

ارے میرے دوست! یہ آزادی نہیں اگر یہ آزادی ہے تو یہ آزدی تو ہمیں ہندوستان میں بھی حاصل تھی،
وہاں بے پردگی کی آزادی تھی،
سودخوری اور شراب خوری کی آزادی تھی، فحاشی اور بدمعاشی کی آزادی تھی،
پھر ہم نے کیوں لاکھوں بچے یتیم کروائے،
کیوں ہزاروں بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتیں پامال کروائیں۔

اللہ کے بندو! ہم نے تو آزادی اس لئے حاصل کی تھی تا کہ ہم انسانوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور صرف اللہ کی غلامی کا طوق اپنے گلوں میں ڈال لیں،
لیکن ذرا رک کر سوچیے کیا یہ مقصد پورا ہو گیا کیا واقعی ہم آزاد ہو چکے ہیں؟

اگر ہم تصورات کی دنیا سے نکل کر حقائق کی دنیا میں قدم رکھیں تو بڑی تلخ صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے،

صورتحال یہ ہے کہ پاکستان اس وقت تیس کھرب روپے کے قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اور اس میں سود در سود لگنے کی وجہ سے روزانہ ایک ارب روپے کا اضافہ ہو رہا ہے،
پاکستان کا ہر گھرانہ ایک لاکھ کا مقروض ہو چکا ہے،
تیس کھرب کو آپ کوئی چھوٹی رقم سمجھتے ہیں؟

اگر صرف دس کھرب روپے کے ہم پانچ پانچ سو روپے کرنسی نوٹ لے لیں تو ان سے ہم اپنے ملک کے تمام رقبے کو ڈھانپ سکتے ہیں بلکہ اس کے بعد بھی کرنسی کے نوٹوں کا ایک ڈھیر بچ جائے گا،

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ قرضے کیوں لیے جا رہے ہیں؟

یقین جانیے کہ یہ قرضے صرف افسروں، وزیروں اور حکومتی عہدیداروں کی عیاشیوں کے لئے جا رہے ہیں۔

آپ ان عیاشیوں کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ صرف وزیر اعظم کے دفتر میں کام کرنے والے افراد کی تعداد چھ سو سے زائد ہے۔

آج یوں محسوس ہوتا ہے کہ چند سو خاندانوں نے اپنی ہوس کی خاطر ملک کو ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے پاس گروی رکھ دیا ہے۔ غالب نے کہا تھا:

اُدھار کی پیتے تھے مے اور کہتے تھے
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

تو ہماری فاقہ مستی رنگ لا چکی ہے، ہماری آزادی سلب کر لی گئی ہے اور ہمیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔

آئی ایم ایف والے ہمارے حکمرانوں کو جو حکم دیتے ہیں وہ ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے وہ کبھی کہتے ہیں بجلی کے نرخ بڑھاؤ، کبھی کہتے ہیں گیس مہنگی کرو، کبھی کہتے ہیں ملازمین کو بے روزگار کر دو، کبھی کہتے ہیں فلاں فلاں ٹیکس نافذ کر دو،

اور ہمارے حکمرانوں کو ان کے یہ سارے احکام ماننے پڑتے ہیں۔

وہ کبھی کہتے ہیں مجاہدین کو جیلوں میں ڈال دو۔

کبھی کہتے ہیں اسامہ اور فلاں فلاں کو ہمارے حوالے کرو۔

کبھی کہتے ہیں دینی مدارس کے اردگرد گھیرا تنگ کردو۔

اور ہمارے حکمران ان احکامات کی بجا آوری میں لگ جاتے ہیں۔

سن لیجئے! ہم جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار نہیں کریں گے ہم اس وقت تک امریکہ، روس، ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے غلام رہیں گے لیکن جس دن ہم نے اللہ اور رسول ﷺ کی غلامی اختیار کرلی اس دن انسانی غلامی کی ساری زنجیریں ٹوٹتی چلی جائیں گی، اللہ کرے کہ ہم جلد سے جلد یہ بات سمجھ لیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تہجد

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

ہم سفر ساتھیو! رب کریم نے قرآن کریم کی سورہ فرقان میں رحمن کے خاص بندوں کی جو علامات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ وہ راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ وقیام میں لگے رہتے ہیں۔

اور سورہ ذاریات میں ان کی خصوصیت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ ﴾

''رات کو بہت کم سوتے ہیں اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے ہیں۔''

سورۂ آل عمران میں ہے:

﴿ یَتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَ هُمْ یَسْجُدُوْنَ ۝ ﴾

''اللہ کی آیتوں کو اوقاتِ شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں۔''

﴿ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا٘ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾

''ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اپنے پروردگار کو وہ پکارتے ہیں خوف اور امید سے اور جو کچھ ہم نے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتادیا ہے کہ عباد الرحمن کون ہیں؟ متقین کون ہیں؟ میرے مخصوص بندے کون ہیں؟

واضح طور پر بتادیا کہ میرے مخصوص بندے وہ ہیں جن کے دل میں میرا خوف بھی ہوتا ہے اور میری محبت بھی ہوتی ہے اور یہ خوف اور محبت انہیں راتوں کو نرم اور گرم بستروں سے اٹھادیتا ہے اور اللہ کے سامنے جھکا دیتا ہے وہ راتوں کو اٹھ کر اپنے مالک حقیقی سے مناجات کرتے ہیں اس کے سامنے روتے ہیں، اسے مناتے ہیں اوا سے اپنے دکھڑے سناتے ہیں جب ساری دنیا غفلت کی نیند سورہی ہوتی ہے وہ ہاتھ باندھے اپنے مولا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں، یہی ہیں اللہ والے، یہی ہیں جنت کے وارث۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہودی تھے وہ کہتے ہیں جب میں نے پہلی بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو میرے دل نے گواہی دی:

''اِنَّ وَجّهه لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ.''

''یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں۔''

میں نے اسی وقت ایمان قبول کرلیا اور پہلی بات جو میں نے ایمان قبول کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی وہ یہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اَيُّها النَّاسُ اَفْشُوْا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوْا الطَّعَامَ وَ صَلُوْا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسِ نِيَامٌ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.''

''اے لوگو! سلام کو عام کرو، حاجتمندوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تم نمازیں پڑھو۔ (جب یہ سب کچھ کرو گے تو) تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا

عمل بتایئے جو میں کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''سلام کو عام کرو، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ اور جب لوگ سو رہے ہوں تم نماز پڑھو (جب یہ اعمال کرو گے تو) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''راتوں کا قیام لازم پکڑلو کیونکہ تم سے پہلے جو صلحا گزرے ہیں یہ ان کی بھی عادت تھی اور راتوں کا قیام ذریعہ ہے اللہ کے قرب کا، یہ کفارہ بنتا ہے گناہوں کا، یہ روکتا ہے معاصی سے اور یہ دور کر دیتا ہے جسمانی بیماریوں کو۔''

میرے قابل قدر ساتھیو! میرے آقا ﷺ کی کوئی بات بھی غلط نہیں ہو سکتی، حقیقت یہی ہے کہ تہجد میں روحانی فوائد بھی ہیں اور جسمانی فوائد بھی ہیں،

جو بات میرے آقا ﷺ نے صدیوں پہلے فرمائی تھی اس بات کو آج کے ڈاکٹر اور سائنسدان طویل تحقیق اور ریسرچ کے بعد تسلیم کر رہے ہیں۔

بین الاقوامی ماہرین کے علاوہ خود ہمارے ملک کے بعض ماہرین نے بھی مختلف تجربات کے بعد کائنات کے آقا ﷺ کی تصدیق کی ہے۔

علامہ اقبال میڈیکل کالج سروسز ہسپتال لاہور کے شعبہ علاج نفسیاتی و دماغی امراض نے کئی مریضوں پر ''علاج بالتہجد'' کا تجربہ کیا اور نتائج دیکھ کر وہ خود دنگ رہ گئے۔

علاج بالتہجد ایک نفسیاتی طریقہ علاج ہے جس میں کوئی دوا استعمال نہیں کرنی پڑتی، لیکن یہ بے سکونی اور نیند کی کمی کا کامیاب علاج ہے۔

دل کے امراض کے لئے تریاق اعظم ہے۔

اعصابی کھچاؤ کی خطرناک کیفیت کے لئے آخری علاج ہے۔

جن لوگوں کو ایک کے دو نظر آتے ہوں ان کے لئے مؤثر علاج ہے۔

تہجد انسانی جسم میں نشاط اور غیر معمولی طاقت پیدا کرتی ہے جو اسے سارا دن ہشاش بشاش رکھتی ہے۔

یہ جسمانی فوائد اپنی جگہ لیکن یاد رکھیے کہ اللہ سے محبت رکھنے والا اور اللہ سے ڈرنے والا مسلمان صرف ان جسمانی فوائد اور بیماریوں کے علاج کے لیے نماز تہجد نہیں پڑھتا بلکہ وہ تو تہجد اس لئے پڑھتا ہے:

کیونکہ نمازِ تہجد رحمن کے بندوں کی خاص علامت ہے۔

نمازِ تہجد کا اہتمام انبیا امام الانبیا، صحابہ اور تمام صلحا کرتے رہے ہیں۔

نمازِ تہجد اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے، اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں، یہ معاصی سے بچاتی ہے، یہ راہ راست پر چلاتی ہے، یہ دل میں نور پیدا کرتی ہے، یہ اللہ کا محبوب بناتی ہے۔

کوئی ولی کوئی غوث کوئی قطب اور کوئی ابدال ایسا نہیں گذرا جس کی رات بستر پر گزرتی ہو اور وہ سحر کے وقت اٹھ کر اللہ کے سامنے آنسو نہ بہاتا ہو۔

ہاں! آج کے ماڈرن ولیوں اور پیروں کی بات الگ ہے وہ تو کہتے ہیں کہ کم بختو ہم بستر پر ہی تہجد پڑھ لیتے ہیں اور ہمارا سورج طلوع ہونے تک سوتے رہنا بھی عبادت ہے۔

تو میرے دوستو! اگر ہم اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اس کی جنت اور مغفرت کے طلبگار ہیں تو ہمیں بھی نماز تہجد کا اہتمام کرنا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو نماز تہجد کی پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سات خوش قسمت اِنسان

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

برادرانِ اِسلام! قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا، میری اور آپ کی حیثیت ہی کیا ہے، بڑے بڑے صلحا، اتقیاء، علماء، فضلا، اولیاء اور انبیاء علیہم السلام تک پریشان ہوں گے۔

قیامت کا دن بڑا طویل ہوگا، سب لوگ میدان حشر میں جمع ہوں گے، سورج کی تپش سے دماغ کھول رہے ہوں گے، پسینے چھوٹ رہے ہوں گے، کسی کو کسی کی خبر نہ ہوگی، کوئی سایہ نہیں ہوگا جہاں سر چھپایا جا سکے لیکن سات خوش قسمت انسان ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے سایہ تلے جگہ دیں گے۔

ہم نہیں جاتے کہ اللہ کے سایہ کا صحیح مفہوم کیا ہے ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے فرمادیا کہ وہ اللہ کے سائے میں ہوں گے تو یقیناً وہ سائے ہی میں ہوں گے۔

وہ سات خوش قسمت انسان جنہیں میدان حشر میں اللہ تعالیٰ خاص طور پر سایہ عطا فرمائیں گے ان میں سے پہلا وہ عادل بادشاہ ہوگا جس کی مملکت میں عدل کی حکمرانی ہو، ہر شخص کی عزت اور مال جان محفوظ ہو۔

ظالموں کا ہاتھ مروڑا جائے اور مظلوموں کی دادرسی کی جائے رشوت اور سفارش کے

بغیر ہر جائز کام ہو جاتا ہو،

کوئی بیمار علاج سے محروم نہ رہے،

کوئی غریب بھوکا نہ سوئے،

کوئی بچہ تعلیم سے محروم نہ رہے،

جی ہاں جس مملکت میں اِسلامی عدل کی حکمرانی ہوگی وہاں ایسے ہی ہوگا، ظالم آزاد نہیں ہوں گے، مظلوم بے سہارا نہیں ہوں گے، غریب اور بیمار فٹ پاتھوں پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر نہیں مریں گے، قانون فروخت نہیں ہوگا، تھانوں اور عدالتوں کی بولی نہیں لگے گی۔

جو حکمران اپنی مملکت میں یہ نظام قائم کرے گا اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ خاص طور پر سایہ عطا فرمائیں گے۔

دوسرا شخص جسے سایہ عطا کیا جائے گا وہ نوجوان ہوگا جس کا عبادت میں خوب دل لگتا ہوگا۔

جوانی دیوانی ہوتی ہے، شباب لاجواب ہوتا ہے، خواہشات کا سیلاب ہوتا ہے، ترغیبات کا سراب ہوتا ہے، پانی میں بھی نشۂ شراب ہوتا ہے، شہوات کی آندھیاں نوجوان انسان کا رخ موڑ دینا چاہتی ہیں جو نوجوان ان آندھیوں کا مقابلہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھتا ہے وہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے:

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

وقت پیری گرگ زادہ میشود پرہیزگار

''جوانی میں توبہ کر کے نیک راستے پر چلنا یہ پیغمبروں کا شیوہ ہے۔ بڑھاپے میں تو بھیڑیے کا بچہ بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔''

تیسرا شخص جسے میدان حشر میں سایہ عطا کیا جائے گا وہ ہوگا جس کا دل مسجد سے اٹکا رہتا

ہو وہ اگر مسجد سے نکل بھی آتا ہو تو بھی اسے اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ مسجد میں واپس نہ چلا جائے۔

یعنی وہ پکا نمازی جو پانچوں نمازیں مسجد میں ادا کرتا ہو وہ اگر دوکان پر بھی بیٹھا ہوتا اس کے کان اذان کی آواز کی طرف لگے رہتے ہیں وہ اگر ٹوکری اٹھا کر مزدوری کر رہا ہو تو بھی اس کا ذہن نماز کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

وہ اگر ملازمت کی ذمہ داریاں ادا کر رہا ہو تو بھی اس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے "دست بکار دل بہ یار" کہ ان کے ہاتھ تو کام کاج میں مصروف ہوتے ہیں مگر ان کا دل اپنے یار کی یاد میں مصروف ہوتا ہے۔

چوتھے نمبر پر جن دو آدمیوں کو آپ ﷺ نے عرش الٰہی کے سائے کی بشارت سنائی ہے وہ ہیں جو آپس میں صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لئے محبت کرتے ہوں۔

دنیا میں ذاتی اغراض کے لئے محبت کرنے والے اور مال و دولت کی خاطر تعلق رکھنے والے تو بہت پائے جاتے ہیں مگر ایسے لوگ جو کسی ذاتی مفاد اور لالچ کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لیے آپس میں محبت کرتے ہوں، ایسے لوگ بہت کم ہیں مگر اللہ کو یہی لوگ پسند ہیں جن کی محبت اور دوستی جن کی عداوت اور دشمنی، جن کا تعلق اور قطع تعلقی صرف اللہ کے لئے ہو۔

پانچواں شخص جس کے ساتھ قیامت کے دن خصوصی معاملہ کیا جائے گا وہ ہوگا جو کہ خلوت میں اللہ کو یاد کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہوں۔

یعنی وہ شخص جو ایک طرف اللہ تعالیٰ کے بے پناہ انعامات پر نظر ڈالتا ہے اور دوسری طرف اپنے گناہوں کو یاد کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں وہ رو رو کر معافی مانگتا ہے، اس کا رونا کسی کو دکھانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ کے ڈر سے ہوتا ہے اور یہ حدیث تو آپ نے سنی ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آنکھ اللہ کے خوف سے روتی

ہے اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا دو قطرے اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہیں: ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے آنکھوں سے ٹپکے اور دوسرا خون کا قطرہ جو جہاد کرتے ہوئے مجاہد کے جسم سے گرے۔

چھٹا خوش قسمت انسان وہ ہوگا جس کو کسی خاندانی عورت نے گناہ کی دعوت دی لیکن اس نے یہ کہہ کر اس کی دعوت کو رد کر دیا کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔

وہ نوجوان ہے صحت مند ہے، قوت وطاقت ہے۔

دعوت دینے والی بھی کوئی گری پڑی عورت نہیں بلکہ بڑے خاندان کی ہے خاندانی عزت بھی ہے، جسمانی وجاہت ہے، تنہائی اور خلوت بھی ہے، رغبت اور شہوت بھی ہے، پر کشش دعوت بھی ہے، کوئی دیکھنے والی آنکھ بھی نہیں، قانون کی رسائی نہیں، مگر وہ صرف اللہ کے ڈر سے اس دعوت کو رد کر دیتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت خاصہ کا مستحق بن جاتا ہے۔

ساتواں خوش قسمت وہ انسان ہے جس نے کسی (مستحق) کو صدقہ دیا لیکن اس قدر چھپا کر دیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا ہے اور کتنا دیا ہے۔

یاد رکھیں! جو صدقہ اور خیرات شہرت اور دکھلاوے کے لئے دیا جاتا ہے اللہ کی نظر میں اس کی قیمت مٹی کے ذرے کے برابر بھی نہیں ہوتی لیکن جو صدقہ اور خیرات اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا اجر وثواب کئی گنا بڑھا کر دیتے ہیں۔

اخلاص کے ہونے سے تھوڑے سے صدقہ کا اجر بڑھ جاتا ہے اور اخلاص کے نہ ہونے سے اجر کم ہو جاتا ہے۔ آیئے! دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان سات خوش قسمت انسانوں میں سے بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

روح اور جسم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ﴿ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

دنیا کو ہے پھر معرکہ روح و بدن درپیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو اُبھارا
اللہ کو پامردیِ مومن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

میرے بزرگو اور دوستو! انسان دو چیزوں سے مرکب ہے، ایک روح ہے اور دوسرا جسم ہے۔ جسم کے تقاضے کچھ اور ہیں روح کے تقاضے کچھ اور ہیں،

جسم کو بھی بھوک اور پیاس لگتی ہے روح کو بھی بھوک پیاس کا سامنا پڑتا ہے، جسم کی سیری اور سیرابی کا سامان اور ہے روح کی سیری اور سیرابی کا سامان اور ہے جسم کی غذا روٹی ہے، پانی ہے، پھل ہیں اور روح کی غذا ذکر ہے، دعا ہے، تلاوت ہے،

جیسے جسم بیمار ہوتا ہے روح بھی بیمار ہوتی ہے۔ جیسے جسم کے معالج ہوتے ہیں اسی طرح روح کے بھی معالج ہوتے ہیں۔

آج کے انسان کی ساری توجہ جسم کو بنانے اور سنوارنے پر ہے،

کوئی موٹا ہے تو دبلا ہونا چاہتا ہے، کوئی دبلا ہے تو موٹا ہونا چاہتا ہے، کوئی کالا ہے تو وہ

گورا ہونا چاہتا ہے، غرضیکہ ساری توجہ جسم کو بنانے پر ہے، اس پر لاکھوں اور کروڑوں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے، جگہ جگہ ایسے سینٹر اور ایسے پارلر کھلے ہوئے ہیں جہاں جسم کو بنانے اور سنوارنے کا کام کیا جاتا ہے۔

خصوصاً خواتین اس معاملے میں پیش پیش ہیں، کتنی ہی مائیں، بہنیں ایسی ہیں جن کے اوقات کا بہت بڑا حصہ جسم کو سنوارنے پر ہی صرف ہو رہا ہے۔

جسم کو بنانے کی تو ہر کسی کو فکر ہے لیکن روح کو بنانے کی فکر کرنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

حالانکہ وہ اللہ جو ہمارا خالق اور مالک ہے وہ جسم کی بناوٹ اور آرائش کو نہیں دیکھتا، وہ تو روحانی تزکیے اور صفائی کو پسند کرتا ہے۔

اگر ایک شخص کا رنگ کالا ہے، اس کے نقوش بھدے ہیں اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہیں، اس کا لباس پھٹا پرانا ہے لیکن اس کا دل پاک صاف ہے، اس کی روح اللہ کے نور سے منور ہے تو وہ اللہ کا محبوب اور پیارا ہے۔

ایک دوسرا شخص حسن و جمال کا شاہکار ہے، دنیا اس کے حسن پر فریفتہ ہے مگر اس کا دل گندے اخلاق کا مرکز ہے، اس کے اندر کفر و شرک بھرا ہوا ہے تو ایسے شخص کی اللہ کے ہاں مکھی کے پر کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھئے! کیا انہیں جسم کے بنانے کی فکر تھی یا روح کے بنانے کی فکر تھی؟ ان کی تلاوت، ان کا ذکر، ان کی دعا، ان کی آہ و بکا، انہیں روحانی غذا مہیا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بھوکے پیاسے رہ کر بھی پرسکون ہوتے تھے۔ ہم مرغن غذائیں کھا کر بھی بے سکون ہیں۔

انہیں ننگے فرش پر میٹھی نیند آ جاتی تھی ہمیں نرم گدوں پر بھی نیند نہیں آتی۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان کیا فرق ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ وہ روحانی غذا کا اہتمام کرتے تھے اور ہماری ساری توجہ جسمانی غذاؤں پر ہے۔

اللہ کے بندو! جسمانی غذاؤں سے روحانی سکون حاصل نہیں ہوسکتا......

روحانی سکون تو روحانی غذاؤں سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اور روحانی غذا اللہ کا ذکر ہے۔

مسلمانو! یورپ کے نقش قدم پر نہ چلو، یورپ والوں کی تہذیب مادی تہذیب ہے ان کی ساری توجہ دنیاوی منفعت پر ہے وہ صرف جسمانی لذتوں کے حصول کے لئے زندہ ہیں، انہوں نے روحانی لذت کا ذائقہ چکھا ہی نہیں مگر ہماری تہذیب اسلامی تہذیب ہے ہماری توجہ دنیا کے ساتھ آخرت کی منفعت پر بھی ہے، ہم روحانی لذتوں کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ جسم کھا کر خوش ہوتا ہے اور روح کھلا کر خوش ہوتی ہے،

جسم بقا سے خوش ہوتا ہے روح فنا سے خوش ہوتی ہے۔

جسم نیند اور غفلت سے خوش ہوتا ہے روح تیقظ اور بیداری سے خوش ہوتی ہے۔ جسم قہقہوں سے خوش ہوتا ہے روح آہوں اور نالوں سے خوش ہوتی ہے۔

جسم دنیا کے ذکر سے خوش ہوتا ہے روح آخرت کے ذکر سے خوش ہوتی ہے۔ جسم گناہوں سے خوش ہوتا ہے روح حسنات سے خوش ہوتی ہے۔

جسم کے تقاضوں ہی کو سب کچھ سمجھنا کفار اور مشرکین کا شیوہ ہے اور روح کے تقاضوں کی تکمیل انبیا کا شیوہ ہے۔

یاد رکھیے! اس دور کا بہت بڑا فتنہ یہ ہے کہ انسان کی ساری کوششوں کا ہدف جسم کو بنا دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں روحانی تقاضوں کی تکمیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یہ عذاب یہ مصائب

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے دوستو! آج کا مسلمان بڑا دکھی ہے، بڑا پریشان ہے، ہر طرف مصیبتیں ہیں، ہر جانب عذاب ہے، فرقہ واریت کا عذاب ہے، قتل وغارتگری کا عذاب ہے، مہنگائی کا عذاب ہے، بیماریوں کا عذاب ہے، غیر ملکی تسلط کا عذاب ہے، آئی ایم ایف کے قرضوں کا عذاب ہے، ورلڈ بینک کے ادھار کا عذاب ہے، امریکہ کا عذاب ہے، روس کا عذاب ہے میں کس کس عذاب اور کس کس مصیبت کا ذکر کروں عذاب ہی عذاب ہیں مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں۔

آخر یہ عذاب اور مصیبتیں کیوں ہیں، ان کے نزول کی وجہ کیا ہے؟ ہوسکتا ہے میری اور آپ کی عقل اس وجہ کی تلاش میں غلطی کر جائے۔ آیئے! ہم دنیا کے سب سے بڑے حکیم اور سب سے بڑے انسان کے دربار میں چلتے ہیں،

آیئے! ہم سرکار مدینہ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے آقا وہ مسلمان جو جسد واحد کی طرح تھا آج منتشر کیوں ہوگیا۔

وہ مسلمان جس کا سارے عالم پر غلبہ تھا آج سارا عالم اس پر غالب کیسے آگیا۔

وہ مسلمان جوان عذابوں سے مامون اور محفوظ تھا آج ان عذابوں سے کیسے دوچار ہوگیا۔

میں جب کائنات کے آقا سے سوال کرتا ہوں تو آقا ﷺ کی مبارک زبان سے نکلے ہوئے یہ مبارک کلمات میرے پردۂ سماعت سے ٹکرانے لگتے ہیں آپ فرماتے ہیں:

''جب بیت المال کا مال ذاتی بن جائے گا، امانت کو مال غنیمت سمجھا جانے لگے گا، زکوٰۃ تاوان ہو کر رہ جائے گی، علم کو دین کے بجائے دنیاوی اغراض کے لئے سیکھا جائے گا، بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کی جائے گی، یاروں سے قریب اور باپ سے دوری ہو گی، فاسق لوگ سردار بن جائیں گے، برائی کے ڈر سے آدمی کی عزت کی جائے گی، گانے اور باجے کا استعمال کھلم کھلا ہو جائے گا، شراب پی جائے گی، ریشمی لباس کا استعمال ہونے لگے گا، امت کے پہلے لوگوں کو برا بھلا کہا جائے گا، تو لوگ اس وقت سرخ آندھی اور زلزلہ میں دھنس جانے، صورت مسخ ہونے اور آسمان سے پتھر برسنے کا انتظار کریں۔''

آقائے کائنات نے عذابوں اور پریشانیوں کی جو وجوہات بیان فرمائی تھیں آپ سچ بتائیے کہ ان میں سے کون سی وجہ ہے جو ہماری سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی حکمرانوں کو دیکھیں تو انہوں نے قومی خزانے کو ذاتی جاگیر بنا رکھا ہے وہ جیسے چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں، جسے چاہتے ہیں نواز دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں محروم کر دیتے ہیں، اپنے چمچوں کڑچھوں کو لاکھوں کا پلاٹ کوڑیوں کے بھاؤ دے دیتے ہیں گویوں اور فنکاروں کو لاکھوں روپے بطورِ انعام دے دیتے ہیں۔

سرمایہ داروں کو دیکھیں تو وہ زکوٰۃ دینے کے لئے آمادہ نہیں۔

علماءِ سوء کو دیکھیں تو انہوں نے علم دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

اولاد کو دیکھیں تو وہ والدین کے لئے دردِ سر بنی ہوئی ہے، کتنے ہی والدین ہیں جو اپنی اولاد کی کرتوتوں کی وجہ سے بڑے دکھ سے کہہ دیتے ہیں اے کاش! بیٹا تو پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ لیڈروں کو دیکھیں تو انتہائی کرپٹ، رشوت خور، ظالم، خود غرض اور لٹیرے اور

ڈاکو بنے ہوئے ہیں۔

بدمعاشوں اور غنڈوں کی عزت ان کے شر سے بچنے کے لئے کی جاتی ہے۔

ہر گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی ہیں، فحش فلمیں ہر جگہ چل رہی ہیں، فحاشی عام ہے، حیا کا جنازہ اُٹھ گیا ہے۔ شراب نوشی اور ہر قسم کا نشہ عام ہے۔

کئی آوارہ مزاج قلمکار او بدزبان خطیب صحابہ اور دیگر صلحا پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

جب یہ ساری وجوہات پائی جاچکی ہیں تو اب عذاب بھی نازل ہوگا، مصیبتیں بھی آئیں گی، پریشانیوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ان عذابوں سے نجات ملے، مہنگائی سے نجات ملے، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک سے نجات ملے، امریکہ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے تسلط سے نجات ملے تو ہمیں ان وجوہات کو ختم کرنا ہوگا جو ان عذابوں کی آمد کا سبب بن رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سود

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

قابلِ احترام ساتھیو! آج پوری دنیا سودی نظام مین جکڑی ہوئی ہے افراد تو افراد قوموں اور ملکوں کے ہاتھ سود کی زنجیروں میں باندھ دیئے گئے ہیں۔

یورپ کے بینکوں نے سودی کاروبار کے لئے ایسے پرکشش نام رکھ لیے ہیں کہ مسلمان بھی دھوکہ کھا رہے ہیں اور کئی مسلمان یہ کہنے لگے ہیں کہ ملک سود کے بغیر نہیں چل سکتا علی الاعلان سود کو تجارت اور معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کہا جا رہا ہے عام مسلمانوں کو تو چھوڑیئے نمازیوں اور ذکر اذکار کرنیوالوں کا حال یہ ہے کہ وہ سودی کاروبار میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

چلے بھی لگ رہے ہیں، ذکر بھی ہو رہا ہے، نفلی نمازیں بھی پڑھی جا رہی ہیں، حج اور عمرے بھی کیے جا رہے ہیں، مسجدیں اور مدرسے بھی بنائے جا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ سودی کاروبار بھی ہو رہا ہے۔

یہ تو نظر آ رہا ہے کہ مسلمان مسجد میں جا رہا ہے اور ہندو مندر کا رخ کر رہا ہے لیکن دوکان اور کاروبار پر نظریں ڈالیں تو دونوں میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔

مسلمان نے سود کے بارے میں کتاب وسنت کی سخت وعیدوں کو بھلا دیا ہے، سورہ

بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ﴾

''جولوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت کے دن قبروں سے) اس طرح کھڑے ہوں گے جس طرح وہ آدمی کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنادے۔''

یعنی قیامت کے دن سود خور اس طرح کھڑا ہوگا جیسے آسیب زدہ خبطی کھڑا ہوتا ہے اور اس کی پاگلوں جیسی حرکتوں سے ہر کوئی اسے پہچان لے گا کہ یہ سود خور ہے۔

قیامت کا معاملہ جب ہوگا سو ہوگا دنیا میں بھی آپ سود خور کا حال دیکھیں تو پاگلوں سے کم نہیں ہوتا، مال کمانے کی محبت میں اسے اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی بھی فکر نہیں رہتی، وہ مال کے لیے جیتا اور مال کے لیے مرتا ہے۔

وہ بھی کوئی سود خور ہی ہوگا جس سے کسی نے سوال کیا تھا کہ بھائی کہاں جانا پسند کرو گے جنت میں یا جہنم میں تو اس نے جواب دیا تھا کہ جہاں دو پیسے کا فائدہ ہوگا ہم تو وہیں جائیں گے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۷۹ میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کے لئے اعلان جنگ کیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾

''اگر تم (سود خوری) سے باز نہ آئے تو اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ سن لو۔''

سوچیے! جس کے ساتھ جنگ کا اعلان اللہ تعالیٰ کرے کیا وہ شخص دنیا اور آخرت میں کامیاب ہوسکتا ہے؟

یہ اسی اعلان جنگ کا نتیجہ ہے کہ سود خور قومیں ذلت و نکبت کا شکار ہیں، خود پاکستان کا حال دیکھ لیجئے کہ سودی قرضوں کی وجہ سے ہم آئی ایم ایف کے غلام بن چکے ہیں، وہ ہم

سے مطالبہ کرتے ہیں بجلی کے نرخ بڑھاؤ ہم بڑھا دیتے ہیں،
وہ کہتے ہیں بجلی مہنگی کردو ہم کردیتے ہیں،
وہ کہتے ہیں کھانے پینے کی چیزوں پر ٹیکس لگاؤ ہم لگا دیتے ہیں،
بلکہ حد تو یہ کہ ہمیں حکم دیا جاتا ہے فلاں کو گورنر بنادو فلاں کو گورنری سے ہٹادو،
وہ کہتے ہیں بکرا بن جاؤ ہم بکرا بن جاتے ہیں،
وہ کہتے ہیں مرغا بن جاؤ ہم مرغا بن جاتے ہیں،
غرضیکہ ہم بلا چوں و چراں کا ہر حکم مان لیتے ہیں،

آخر کیوں نہ مانیں ہماری گردنیں ان کے قرض کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں اب تو ہمیں وہ اس لئے قرض دیتے ہیں تاکہ ہم ان کے پہلے سے دیے قرضوں کے سود کی قسط ادا کرنے کے قابل ہو جائیں۔

افسوس ہے ہماری مسلمانی پر کہ ہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کو نظر انداز کر دیا جس کی وجہ سے ہم یہودیوں کی غلامی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

کیا ہم نہیں جانتے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے پر، دینے والے پر، سود کا حساب لکھنے والے پر اور سود کی شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''سود کے وبال تہتر (73) قسم کے ہیں سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی ماں سے بدکاری کرے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک سودی درہم کھانا اللہ کے نزدیک چھتیس زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے۔''

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس قوم میں سود پھیل جائے وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور جس قوم میں رشوت

پھیل جائے وہ مرعوبیت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

میرے دوستو! غور کیجئے آقا کے ان ارشادات پر اور پھر دیکھئے اپنی حالت!

آقا نے جو کچھ فرمایا تھا وہ سچا ثابت ہو رہا ہے، سود کے عام ہونے کی وجہ سے غربت، قحط اور مہنگائی اپنے عروج پر ہے ہر شخص پریشان ہے اور رشوت کے عام ہونے کی وجہ سے ہم مرعوبیت کا شکار ہیں۔

کیا کوئی مسلمان اپنی ماں سے زنا کا تصور بھی کر سکتا ہے لیکن وہ کام جو اپنی ماں کے ساتھ زنا سے بھی بدتر ہے وہ دن رات کیا جا رہا ہے بلکہ حد تو یہ کہ خود مسلمان اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔

مقالے لکھے جا رہے ہیں، سیمینار کیے جا رہے ہیں اور ثابت کیا جا رہا ہے کہ جناب شخصی قرضوں پر جو سود لیا جاتا تھا وہ تو حرام تھا لیکن بنکوں کا سود اور تجارتی سود حرام نہیں ہے۔

خدا نہ کرے کہ کہیں مسلمان کل کو یہ بھی کہنے لگے حضور ﷺ کے زمانے کی شراب تو حرام تھی اس لئے کہ اسکے بنانے میں حفظان صحت کے اصول ملحوظ نہیں رکھے جاتے تھے لیکن دور حاضر کی شراب حلال ہے کیونکہ یہ مشینوں کے ذریعے صاف ستھرے طریقے سے تیار کی جاتی ہے۔

یونہی کوئی شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ کے زمانے کا جوا تو حرام تھا لیکن آج کل کی لاٹری اور جوا حرام نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے زمانے کا ناچ گانا تو حرام تھا لیکن دور جدید کا ناچ گانا حرام نہیں ہے۔

اللہ کے بندو جو چیز کل حرام تھی وہ آج بھی حرام ہے۔

﴿لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ﴾[1]

اللہ تعالیٰ کے احکام کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہیں وہ تو غیر متبدل احکام ہیں،

زمین، آسمان، سورج، چاند اور ستارے سب کچھ بدل سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام نہیں بدل سکتے، اصل بات وہ ہے جو شاعر نے کہی ہے:

ہوئے کس قدر بے توفیق فقیہانِ حرم
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ اللہ انہیں اپنے آپ کو بدلنے اور حق بات کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

کرکٹ

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

میرے ہم مکتب ساتھیو! اسلام دین فطرت ہے، فطرت کے جتنے تقاضے ہیں ان کی جائز طریقے سے تکمیل کی اسلام نے اجازت دی ہے۔

اسلام رہبانیت کا مذہب نہیں، اسلام یہ نہیں کہتا کہ فطرت کو دبا دو اور پہاڑوں اور جنگلوں میں عبادت وریاضت میں لگے رہو دنیا میں ایسے مذہب بھی تھے جن کی تعلیم یہ تھی کہ اللہ اس وقت راضی ہوتا ہے جب دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلی جائے۔

اللہ اس وقت راضی ہوتا ہے جب عزیز واقارب اور بیوی بچوں سے دور رہا جائے۔

اللہ اس وقت راضی ہوتا ہے جب اچھا لباس اور اچھا کھانا چھوڑ دیا جائے۔

چنانچہ ان مذاہب میں اللہ والے وہ کہلاتے تھے جو دنیا سے دور رہتے تھے۔

جن کے چہروں پر بھولے سے بھی کبھی مسکراہٹ نہیں آتی تھی۔ وہ خوشی کی کسی تقریب میں شرکت نہیں کرتے تھے۔

لیکن اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نفس کا ہر وہ تقاضا جو جائز ہوا اگر شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے پورا کیا جائے تو اس کی تکمیل عبادت ہے۔

اس نظریے کے مطابق کھانا پینا بھی عبادت بن سکتا ہے، محنت اور ملازمت بھی

عبادت بن سکتی ہے۔ شادی بیاہ بھی عبادت بن سکتی ہے، ازدواجی حقوق کی ادائیگی بھی عبادت بن سکتی ہے، مخلوق خدا کی خدمت بھی عبادت بن سکتی ہے یہاں تک کہ کھیل کود بھی عبادت بن سکتی ہے۔

کیونکہ کھیل کود اور ہنسی مذاق انسانی فطرت کا ایک جائز تقاضا ہے۔ ہمارے آقا ہنسی مذاق بھی کرتے تھے، کشتیاں بھی لڑتے تھے، دوڑ بھی لگاتے تھے، تیر اندازی بھی کرتے تھے، گھوڑوں کے مقابلے میں بھی حصہ لیتے تھے لیکن اسلام نے ہر چیز کی کچھ حدود متعین کی ہیں یہاں تک کہ عبادت کی بھی کچھ حدود ہیں جو ان حدود سے تجاوز کرے گا وہ گنہگار ہوگا۔

مثلاً ظہر کی چار رکعتیں فرض ہیں اگر کوئی پانچ پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔

عصر کی نماز میں خاموشی سے قرأت کرنا ضروری ہے اگر کوئی بلند آواز سے کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز جائز نہیں اگر کوئی پڑھے گا تو گنہگار ہوگا۔

نماز میں مسجد حرام کی طرف رخ ضروری ہے اگر کوئی مسجد اقصیٰ کی طرف کرے گا تو گنہگار ہوگا حالانکہ مسجد اقصیٰ ہمارا قبلہ اوّل ہے۔

تو نماز کی بھی حدود ہیں، روزے کی بھی حدود ہیں، حج کی بھی حدود ہیں، جہاد کی بھی حدود ہیں، جب ان عظیم عبادات کی حدود ہیں تو آخر کھیل کود کی حدود کیوں نہ ہوں۔

ہاں میں مانتا ہوں کہ کافروں اور مشرکوں کے ہاں کھیل کود کی کوئی حد نہیں جیسے چاہو اور جو چاہو کھیلو سب جائز ہے لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے اگر ہم مسلمان ہیں تو ہمیں اسلامی حدود کو سامنے رکھ کر کھیلنا ہوگا۔

آج ہمارے ہاں جو کھیل کھیلے جا رہے ہیں ان میں سب سے زیادہ مقبول کھیل کرکٹ ہے، لوگوں کے دل و دماغ پر کرکٹ چھا گیا ہے کیا مرد اور کیا عورتیں سب اس کھیل کے

شیدائی ہیں حد تو یہ کہ اب دینی مدارس کے طلباء اور بعض علما بھی اس کھیل کے دیوانے نظر آتے ہیں لیکن میری ناقص سوچ اور تجربے کے مطابق یہی وہ کھیل ہے جسمیں اسلامی حدود کا کھلم کھلا پائمال کیا جا رہا ہے۔

کوئی ایک خرابی ہو تو اس کا ذکر کیا جائے اب تو یہ کھیل دن بدن نئی نئی خرابیوں کو جنم دے رہا ہے۔

پہلی خرابی تو کرکٹ میں یہ ہے کہ اس میں انہماک کی وجہ سے نمازیں ضائع ہوجاتی ہیں، جن دنوں جمعہ کی چھٹی ہوتی تھی ان دنوں میچ بھی جمعہ کے دن ہوتے تھے جن کی وجہ سے ہزاروں لوگ میچ نہیں چھوڑتے تھے البتہ نماز جمعہ چھوڑ دیتے تھے۔

کھلاڑیوں کو تو چھوڑیئے تماشائیوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ جب تک میچ ختم نہ ہوجائے ان کا نماز پڑھنے کو دل نہیں چاہتا اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو اتنی بے توجہی کے ساتھ کہ ہونٹ ہل رہے ہوتے ہیں ورنہ دل کہیں اور ہوتا ہے۔

پھر کچھ تماشائی تو وہ ہوتے ہیں جو گراؤنڈ میں جا کر میچ دیکھتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو ٹی وی پر میچ دیکھتے ہیں یا ریڈیو پر کمنٹری سنتے ہیں ان کا حال بھی گراؤنڈ والوں کی طرح بہت برا ہوتا ہے۔

صبح سے جو ٹی وی کے سامنے بیٹھتے ہیں تو شام تک اٹھنے کا نام نہیں لیتے۔

جسے دیکھو کان کے ساتھ ریڈیو لگائے پھرتا ہے۔

موٹر سائیکل چلا رہے ہوں تو بھی کان کے ساتھ ریڈیو لگائے رکھتے ہیں کتنے ہی لوگ ہیں جن کا اسی وجہ سے ایکسیڈنٹ ہوگیا۔

تو کرکٹ میں پہلی خرابی یہ ہے کہ اللہ کا عظیم حق جو نماز ہے وہ ضائع ہوجاتا ہے۔

کرکٹ میں دوسری خرابی یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حقوق العباد ضائع ہوتے ہیں میچ

ہو رہا ہو تو ڈاکٹر مریضوں کو بھول جاتے ہیں۔
شوہر بیویوں کو بھول جاتے ہیں۔
بیویاں گھر کے کام کاج بھول جاتی ہیں۔
ملازمین اپنی ذمہ داریاں بھول جاتے ہیں۔
لیڈر رعایا کو بھول جاتے ہیں۔
والدین بچوں کو بھول جاتے ہیں۔
بچے والدین کو بھول جاتے ہیں۔
اساتذہ شاگردوں کو بھول جاتے ہیں
شاگرد، اساتذہ کو بھول جاتے ہیں۔

پوری قوم کو بخار چڑھ جاتا ہے، آپ نے انفرادی بخار تو چڑھتے دیکھا ہوگا مگر اجتماعی بخار دیکھنا ہو تو اس وقت دیکھیں جب کرکٹ میچ ہو رہا ہو، مالک سے مزدور تک، لیڈروں سے عوام تک اور عوام سے خواص تک اس بخار میں مبتلا نظر آتا ہے۔

کرکٹ میں تیسری خرابی یہ ہے کہ اب یہ کھیل فحاشی اور بے حیائی کا سلوگن بن گیا ہے، کرکٹ کے میدان میں ہماری مائیں، بہنیں جس بے باکی کے ساتھ اچھلتی کودتی اور تالیاں بجاتی ہیں وہ منظر شرم وحیا کی موت کا منظر ہوتا ہے۔

اب تو چشم بدور خواتین کی بھی کرکٹ ٹیم بن گئی ہے۔

اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ماڈرن امیر المومنین صاحب اس ٹیم کی بڑی حوصلہ افزائی فرما رہے ہیں۔

کرکٹ میں چوتھی خرابی یہ ہے کہ اس میں بے پناہ وقت ضائع ہوتا ہے بعض اوقات پورا پورا مہینہ میچ جاری رہتے ہیں اور یوں پورا پورا مہینہ فیکٹریاں، مدرسے، دفتر اور اسکول

متاثر ہوتے ہیں نہ کام ہوتا ہے اور نہ پڑھائی ہوتی ہے۔

کتنے ہی بچے اور نوجوان ہیں جو گھر سے پڑھنے کے لئے نکلتے ہیں لیکن کھیل کے گراؤنڈ پہنچ جاتے ہیں اور یوں ان کا پورا دن اس فضول کھیل میں ضائع ہوجاتا ہے۔

اب تو نائٹ میچوں کی رسم چل نکلی ہے، بجلی کے تیز قمقمے جلا کر رات بھر نوجوان میچ کھیلتے ہیں اور صبح سوتے رہتے ہیں، رات بھر کھیلتے گذر گئی اور دن سونے میں گذر گیا، نہ نماز پڑھی نہ گھر کا کام کیا نہ کتابیں اٹھا کر دیکھیں بتلائیے یہ وقت کا ضیاع نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ صرف وقت کا ضیاع نہیں شخصیت کا بھی ضیاع ہے جس نوجوان کے دن رات یوں بسر ہوتے ہوں اس کی شخصیت کی تعمیر کیسے ہوگی۔

میرے دوستو! اسلام کھیلنے سے منع نہیں کرتا مگر کھیل ایسا ہو جس میں شرم وحیا کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں۔

کھیل ایسا ہو جس کی وجہ سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ضائع نہ ہوں۔

کھیل ایسا ہو جس سے جسمانی ورزش ہو تا کہ ہم اس جسم کو جہاد میں لگا سکیں، حصول علم میں لگا سکیں، عبادات کی ادائیگی میں لگا سکیں، کسب معاش میں لگا سکیں انسانیت کی خدمت میں لگا سکیں۔

لیکن وہ کھیل جو ہمیں عبادت سے، علم سے، عمل سے، کسب معاش سے، حیا سے اور اخلاق سے محروم کردے گا ایسے کھیل کو دفن کردینا چاہیے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ کرکٹ کا کھیل کچھ ایسا ہی کھیل بن گیا ہے۔

اس کھیل نے نوجوانوں سے جذبہ جہاد چھین لیا ہے، اچھے اخلاق سے انہیں محروم کردیا ہے، شرم وحیا سے انہیں عاری کردیا ہے۔ اولاد کو والدین سے باغی کردیا ہے۔

طلباء کو درسگاہ سے متنفر کردیا ہے۔

اب تو اس کھیل میں جوا بھی ہے جب بڑے میچ ہوتے ہیں تو کروڑوں روپے کا جوا کھیلا جاتا ہے اور افسوس یہ کہ سب سے زیادہ جوا مسلمان ملکوں میں کھیلا جاتا ہے۔

میرے دوستو!

ہمیں اس کھیل کے خلاف آواز اٹھانی ہوگی۔

ہمیں اس میں پیدا ہو جانے والی خرابیوں کو دوٹوک انداز میں بتانا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات کہنے کی اور حق پر قائم رہنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فلمیں اور ڈرامے

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾
صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

غضب ہے یہ فلموں کی وبا بھی
ہر ایک مبتلا ہے بُرا بھی بھلا بھی
ترا اے نئی روشنی منہ ہو کالا
دلوں میں اندھیرا ہے باہر اُجالا

محترم سامعین! یہ دور حقیقت میں فتنوں کا دور ہے، ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں، شیطان نے اتنے جال بچھا رکھے ہیں کہ ان سے بچ نکلنا بڑا مشکل ہے، اس زمانے میں ایمان پر قائم رہنے والا واقعی بہت بڑا مجاہد ہوگا۔

آپ خود سوچیے! جب ہر طرف عریانیت ہو، شاہراہوں پر فحاشی اور بے حیائی ہو، رسالوں اور اخبارات میں غلاظت اور گندگی ہو، ٹی وی اور وی سی آر پر فحش مناظر ہوں تو بے حیائی کے اس سیلاب میں اگر کوئی شخص اپنا ایمان بچالے تو اسے مجاہد نہیں تو اور کیا کہا جائے گا اسے تو قدم قدم پر لڑنا پڑے گا۔

معاشرتی برائیوں سے لڑنا پڑے گا۔

خاندان اور قبیلے سے لڑنا پڑے گا۔

اپنے نفس اور اپنی خواہشات سے لڑنا پڑے گا۔

فحاشی اور بے حیائی کو فروغ دینے میں سب سے مؤثر کردار فلموں اور ڈراموں کا ہے۔ ٹی وی اور وی سی آر نے ہر گھر کو سینما گھر بنا دیا ہے، شرفا کے گھرانے بھی اس لعنت سے محفوظ نہیں رہے۔

ان فلموں اور ڈراموں میں بے شمار مفاسد اور خرابیاں پائی جاتی ہیں میں وقت کی قلت کی وجہ سے چند خرابیاں عرض کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

پہلی خرابی جو فلموں اور ڈراموں میں پائی جاتی ہے وہ وقت کا ضیاع ہے ممکن ہے بعض لوگوں کی نظر میں وقت کی کوئی قدر و قیمت نہ ہو حالانکہ دنیا کی ہزاروں نعمتیں ایسی ہیں جو روپے پیسے سے خریدی جاسکتی ہیں لیکن وقت، روپے پیسے سے نہیں خریدا جاسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ.''

''دو نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔''

صحت اور فراغت کو اللہ کی عبادت کے بجائے فضول کاموں میں ضائع کیا جارہا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو گھنٹوں ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر فلمیں اور ڈرامے دیکھتے رہتے ہیں۔ سورۂ فاطر میں ہے کہ قیامت کے دن اپنی زندگی کو فضول کاموں میں ضائع کرنے والے جب جہنم میں پڑے ہوں گے تو چیخ چیخ کر کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم کو جہنم سے نکال دے اب ہم اچھے کام کیا کریں گے تو ان سے کہا جائے گا:

﴿ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ ﴾

''کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اگر اس میں کوئی شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا تو نصیحت حاصل کر لیتا۔''

تو پہلی چیز جوان فضولیات میں ضائع ہو رہی ہے وہ وقت ہے۔

دوسری چیز جو ناچ گانے اور فلموں کی کثرت کی وجہ سے ضائع ہو رہی ہے وہ نئی نسل ہے۔

چھوٹے چھوٹے بچے اور نو جوان جو کچھ فلموں میں دیکھتے ہیں وہی کچھ اسی انداز میں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فلموں میں مار دھاڑ دیکھتے ہیں تو وہ مار دھاڑ کرنے لگتے ہیں۔

فلموں میں اسلحے کا بے تحاشا استعمال دیکھتے ہیں تو وہ حقیقی زندگی میں اسلحہ چلانے لگتے ہیں۔

فلموں میں چوری چکاری کے مناظر دیکھتے ہیں تو اپنی اصلی زندگی میں وہ بھی وارداتیں شروع کر دیتے ہیں۔

معاشقے کی داستانیں دیکھتے ہیں تو وہ بھی عشق لڑانے لگتے ہیں۔

برطانیہ میں ایک سروے کیا گی اور اس کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ برطانیہ میں ایک بچہ سولہ سال کی عمر تک مختلف پروگراموں میں قتل کی تقریباً پچاس ہزار وارداتیں دیکھ چکا ہوتا ہے، آپ خود سوچیے کہ جس بچے نے صرف سولہ سال کی عمر میں قتل کی پچاس ہزار وارداتیں دیکھ لی ہوں اس کے ذہن میں قتل اور مار دھاڑ کا تصور راسخ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

کتنے ہی مجرم ہیں جنہوں نے گرفتار ہونے کے بعد اقرار کیا کہ ہم نے اس جرم کا منصوبہ فلاں فلم دیکھنے کے بعد بنایا تھا۔

میرے دوستو! ہمارے مسلمان ملک میں جو قتل و غارتگری کا طوفان آیا ہوا ہے۔ بنکوں میں، گھروں میں، فیکٹریوں میں اور عام شاہراہوں پر ڈاکے پڑ رہے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں ان نو جوانوں نے یہ سب کچھ کہاں سے سیکھا ہے۔

کسی کنجر خانے میں؟

کسی ڈاکو اور بدمعاش سے؟

نہیں ہرگز نہیں، معاف کیجئے گا انہوں نے یہ سب کچھ اپنے ابا، اور اپنی امی کے پہلو میں بیٹھ کر غلاظت بھرے پروگرام دیکھ کر سیکھا ہے۔ ان گندی فلموں اور ڈراموں سے نوجوان نسل کے صرف اخلاق ہی تباہ نہیں ہو رہے بلکہ اس کی صحت بھی تباہ ہو رہی ہے۔

ان کے دیکھنے سے بینائی کمزور پڑ جاتی ہے، دماغ متاثر ہوتا ہے اور زیادہ دیر بیٹھنے سے نظام ہضم بھی خراب پڑ جاتا ہے۔

عکسی تصویر کا مشہور ماہر ڈاکٹر ''آمل کروب'' ٹی وی کی شعاعوں سے کینسر جیسے مہلک مرض کا شکار ہو گیا، اسی مرض سے نجات کے لئے چھیانوے دفع اس کا سرجری آپریشن کیا گیا مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوا، اس نے مرنے سے پہلے نہایت تلخی کے ساتھ کہا تھا: ''گھروں میں ٹی وی کا وجود ایک جان لیوا کینسر کی مانند ہے جو بچوں کے جسموں میں رفتہ رفتہ سرایت کرتا ہے۔''

صحت کے علاوہ ان فلموں وغیرہ کے بنانے، چلانے اور دیکھنے دکھانے پر بے حساب دولت بھی ضائع کی جا رہی ہے، ایک ایک فلم کی تیاری پر لاکھوں ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔

غریب گھرانے بھی پیٹ کاٹ کر ٹی وی اور وی سی آر خریدتے ہیں جبکہ ہمیں ان سے حاصل کیا ہو رہا ہے؟

بے حیائی اور بے دینی۔

آپ اپنے اردگرد کا جائزہ لے لیجئے جو نوجوان مسلسل فلمیں دیکھتے ہیں وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں وہ حیا سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ان کے اندر دینداری والی شان باقی نہیں رہتی۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ نے سن لیا کہ ان فلموں اور ڈراموں سے ضائع تو بہت کچھ ہوتا ہے لیکن حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔

وقت ضائع ہوتا ہے، دولت ضائع ہوتی ہے، صحت ضائع ہوتی ہے، شرم و حیا ضائع ہوتی ہے، نئی نسل ضائع ہوتی ہے، دین ضائع ہوتا ہے اور آخرت کی زندگی ضائع ہوتی ہے۔

اگر اتنا کچھ ضائع ہونے کے باوجود بھی ہم ان چیزوں میں دلچسپی لیتے ہیں تو یہ بڑے خسارے کی بات ہے یہ دنیا کا بھی خسارہ ہے اور آخرت کا بھی خسارہ ہے۔

میں اپیل کرتا ہوں اپنے نوجوان ساتھیوں سے کہ خدارا ان غلیظ فلموں سے اپنا دامن بچائیں۔

میں درخواست کرتا ہوں معزز والدین سے کہ خدارا اپنی اولاد کی زندگی فلمیں دکھا دکھا کر تباہ نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا نفع اور نقصان سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

معاشی فساد

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

اُٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امراء کے در و دیوار ہلادو
جس کھیت سے دہقان کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلادو

محترم حاضرین مجلس!

اللہ تعالیٰ نے زمین میں فساد پھیلانے سے منع فرمایا ہے، فساد فی الارض حرام ہے۔

فساد کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں: اخلاقی فساد، سیاسی فساد، انفرادی فساد، اجتماعی فساد، معاشرتی فساد اور معاشی فساد، آج میں معاشی فساد کے حوالے سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں اس لئے کہ میرے پیارے ملک پاکستان میں معاشی فساد اپنے عروج پر ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے دولت کا بہاؤ غریب سے امیر کی طرف انتہائی تیزی سے ہورہا ہے جس کے نتیجے میں غریب، غریب تر اور امیر، امیر تر ہوتے جارہے ہیں۔

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو زندگی کی تمام بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں اور دوسری

طرف وہ لوگ ہیں جو ملک کے سارے وسائل پر قابض ہیں۔ بینکوں اور سارے مالیاتی اداروں پر ان کا قبضہ ہے۔

علاج معالجے کی ساری سہولتیں ان کے کے لئے ہیں۔

اچھے اسکول اور کالج ان کے بچوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہیں ان کی مجرمانہ جرأت کا یہ حال ہے کہ وہ قومی بینکوں سے لاکھوں روپے قرض لیتے ہیں اور پھر معاف کروا لیتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں ایک کتاب چھپی ہے جس کا نام ہے ''پاکستان کا مالک کون ہے'' اس کتاب کے مصنف نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان کے مالک عوام نہیں ہیں بلکہ پاکستان کے مالک وہ مراعات یافتہ لٹیرے ہیں جو ملک کے سارے وسائل پر قابض ہو کر معاشی فساد پھیلا رہے ہیں۔

مصنف نے ان لٹیروں کے مالی جرائم کی کئی مثالیں بیان کی ہیں جنہیں پڑھ کر عقل دَنگ رہ جاتی ہے۔

اس ملک میں ایسا بھی ہوا کہ تیس کروڑ روپے میں ایک شوگر مل قائم کی گئی اور پھر وہ ایک سرمایہ دار کو صرف ایک روپے میں فروخت کر دی گئی۔

غریب کو تو ایک روپے میں ایک روٹی بھی نہ مل سکے اور سرمایہ دار سیاستدان کو ایک روپے میں پوری فیکٹری مل جائے کیا یہ فساد فی الارض نہیں ہے؟

اس ملک میں ایسا بھی ہوا کہ ایک حکومتی عہدیدار کو ہوٹل خریدنے کے لیے قرضہ دیا گیا اور بعد میں یہ قرضہ معاف کر دیا گیا۔

عوام کو تو اپنے بیمار بچوں کے لئے بھی قرضہ نہ ملے اور حکومتی عہدیداروں کو ہوٹل خریدنے کے لئے قرضے دیئے جائیں اور بعد میں وہ معاف کر دیئے جائیں، کیا یہ فساد فی الارض نہیں ہے؟

ایسا بھی ہوا کہ ایک بڑے صنعت کار کو پچاس کروڑ روپے قرضہ دیا گیا اور پھر معاف کردیا گیا۔

ہائے! غریب آدمی کا رہائشی مکان پچاس ہزار کے قرضے کے عوض بینک والے فروخت کردیتے ہیں اور تعلقات والے صنعت کاروں کے پچاس پچاس کروڑ کے قرضے معاف کردیئے جاتے ہیں، کیا یہ فساد فی الارض نہیں ہے؟

کاش! اللہ کا کوئی بندہ ان حکومتی عہدیداروں، ان سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کو سمجھائے کہ خدارا لوٹ کھسوٹ بند کرو، اس معاشی فساد اور ظلم کا سلسلہ ختم کردو، کہیں ایسے نہ ہو کہ ظلم کی یہ آگ پورے ملک کو جلا کر بھسم کردے۔

کیا تم نہیں جانتے کہ اس ملک کے اِکسٹھ ملین افراد کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔

چوّن ملین افراد کو علاج معالجے کی بنیادی سہولتیں حاصل نہیں۔

پانچ سال کی عمر کے اَڑتیس فیصد بچوں کو مناسب غذا نہیں ملتی،

اُنچاس ملین بالغ افراد تعلیم کی نعمت سے قطعی طور پر محروم ہیں،

تیس ملین افراد وہ ہیں جن کی ماہانہ آمدنی صرف ایک سو چھیاسٹھ روپے ہے۔

سرمایہ دار کا بچہ ایک سو چھیاسٹھ روپے تو روزانہ کھیل تماشوں کی نذر کردیتا ہوگا اور جس بچے کے حصے میں پورے مہینے میں ایک سو چھیاسٹھ روپے آتے ہیں اس کا گزارا کیسے ہوتا ہوگا۔

اسلام معاشی فساد کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔

اسلام نے عدل وانصاف کی تعلیم دی ہے۔

اسلام کرپشن اور بدعنوانی کو کسی صورت برداشت نہیں کرتا۔

اسلام چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

اسلام دولت کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنا تا ہے۔

اسلام وڈیرہ شاہی اور ظالمانہ سرمایہ داری نظام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

اسلام اس شخص کو مسلمان تسلیم نہیں کرتا جو خود پیٹ بھر کر کھاتا ہو جبکہ اس کے اڑوس پڑوس کے لوگ بھوکے ہوں۔

اسلام ایسے شخص کو حکومتی سربراہ بننے کا اہل نہیں سمجھتا جو مظلوموں اور فاقہ کشوں کی داد رسی نہ کرسکتا ہو۔

اسلام چوروں، ڈاکوؤں اور لٹیروں کے ہاتھ توڑتا ہے اور انہیں انسان بنا تا ہے۔

اگر میں اور آپ اس ملک عزیز سے معاشی فساد اور ظلم و ستم کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسلام کی لافانی معاشی ہدایات کو اپنانا ہوگا، اس کے بغیر نہ عدل قائم ہوسکتا ہے نہ ظلم ختم ہوسکتا ہے، نہ بیمار کو علاج معالجہ کی سہولت میسر آسکتی ہے، نہ غریب کے بچے کو اعلیٰ تعلیم حاصل ہوسکتی ہے۔

آیئے! ہم سب مل کر اسلام کے معاشی نظام کو پورے ملک میں نافذ کرنے اور کروانے کی کوشش کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مسلمانوں کے اِمتیازی اَوصاف

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

میرے ہم سفر دوستو! میں آج آپ کے سامنے مسلمانوں کے چند امتیازی اوصاف بیان کرنا چاہتا ہوں مگر قرآن اور حدیث کے حوالے سے نہیں بلکہ ان کافروں کے حوالے سے جو مسلمانوں کے دشمن تھے مگر اللہ نے انہیں سچ بولنے کی توفیق دی۔

آپ نے مشہور سپہ سالار حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام سنا ہوگا انہیں فاتح مصر بھی کہا جاتا ہے وہ جب کافروں کو شکست دیتے ہوئے مصر کے قریب پہنچے تو قبطی بادشاہ مقوقس نے ان کے پاس اپنے ایلچیوں کے ذریعے ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ اے مسلمانو! تمہارے ایک طرف رومی فوجوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے اور دوسری طرف دریا نیل کی سرکش موجیں ہیں، تم درمیان میں پھنس گئے ہو نہ اُدھر بھاگ سکتے ہو نہ اِدھر بھاگ سکتے ہو

اُدھر بھاگو گے تو دریائے نیل میں ڈوب جاؤ گے اِدھر بڑھنے کی کوشش کرو گے تو ہماری فوج تمہاری تکہ بوٹی کردے گی لہٰذا خیریت چاہتے ہو تو صلح کرلو اور اپنے ملک واپس چلے جاؤ۔

جب مقوقس کے یہ ایلچی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان کو فوری طور پر کوئی جواب نہ دیا بلکہ دو دن کے لیے اپنے پاس مہمان کے طور پر ٹھہرالیا۔

آپ کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے شب و روز کو دیکھ لیں، ان کے معمولات کو دیکھ لیں، ان کے کردار اور اخلاق کو دیکھ لیں اور ان کے جذبات وخیالات کو سمجھ لیں۔

وہ ایلچی دو دن تک بڑے غور سے مسلمانوں کے حالات اور معمولات دیکھتے رہے، دو دن کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مقوقس کے خط کا جواب ان کو دیا کہ جاؤ جا کر اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ سب سے بہتر بات تو یہ ہے کہ اسلام قبول کرلو اگر اسلام قبول نہیں کرتے تو جزیہ کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اگر جزیہ دینے سے بھی انکار کرتے ہو تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ ان تینوں باتوں کے علاوہ کوئی چوتھی بات قابل قبول نہیں ہوگی۔

جب یہ ایلچی مقوقس کے پاس حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا جواب لے کر پہنچے تو اس نے جواب سننے کے بعد ایلچیوں سے پوچھا کہ تم نے ان مسلمانوں کو کیسا پایا اس کے جواب میں ایلچیوں نے کہا:

”رَأَيْنَا قَوْمًا اَلْمَوْتُ اَحَبُّ اِلٰى اَحَدِهِمْ مِنَ الْحَيَاةِ وَالتَّوَاضُعُ اَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنَ الرِّفْعَةِ، لَيْسَ لِاَحَدِهِمْ فِي الدُّنْيَا رَغْبَةٌ وَلَا نَهْمَةٌ وَ اِنَّمَا جُلُوْسُهُمُ التُّرَابُ وَاَكْلُهُمْ عَلٰى رُكَبِهِمْ وَ اَمِيْرُهُمْ كَوَاحِدٍ مِّنْهُمْ مَا يَعْرِفُ رَفِيْعُهُمْ مِنْ وَضِيْعِهِمْ وَلَا السَّيِّدُ مِنَ الْعَبْدِ وَاِذْ حَضَرَتِ الصَّلَاةُ لَمْ يَتَخَلَّفْ عَنْهُ مِنْهُمْ اَحَدٌ، يَغْسِلُوْنَ اَطْرَافَهُمْ بِالْمَاءِ وَ يَخْشَعُوْنَ فِيْ صَلَاتِهِمْ.“

''ہم نے ایک ایسی قوم دیکھی ہے جس کا ہر فرد زندگی سے زیادہ موت سے پیار کرتا ہے، وہ لوگ ٹھاٹ باٹ سے زیادہ تواضع اور عاجزی کو پسند کرتے ہیں وہ دنیا کے حریص اور لالچی نہیں ہیں، وہ بلا تکلف زمین پر بیٹھ جاتے ہیں اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کھانا کھا لیتے ہیں، ان کا امیر ان کے عام آدمی کی طرح ہے، ان کے درمیان اونچے اور نچلے درجے کے آدمی پہچانے نہیں جاتے، انہیں دیکھیں تو پتہ نہیں چلتا کہ ان میں آقا کون ہے اور غلام کون ہے؟ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہتا وہ اپنے اعضا کو پانی سے دھوتے ہیں اور نماز بڑے خشوع سے پڑھتے ہیں۔''

جب ایلچی مسلمانوں کے بارے میں بتا چکے تو مقوقس نے سن کر کہا اگر واقعی ان کے اندر ایسے اوصاف پائے جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور اگر ان کے سامنے پہاڑ بھی آ جائیں تو وہ انہیں بھی ٹلا کر رہیں گے۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ تھے مسلمانوں کے وہ اوصاف جن کی وجہ سے کافروں کو بھی یقین تھا کہ ایسے لوگوں کو شکست نہیں دی جا سکتی۔

آیئے! ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا جائزہ لیں کہ ہمارے اندر بھی یہ اوصاف پائے جاتے ہیں؟

حقیقت بڑی تلخ ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ وہ موت سے محبت کرتے ہیں ہم زندگی سے محبت کرتے ہیں، وہ شہادت کے متمنی تھے ہم شہادت سے متنفر ہیں، وہ حقیقی زندگی آخرت کی زندگی کو سمجھتے تھے ہم سب کچھ دنیا ہی کو سمجھتے ہیں۔

وہ مجاہد تھے ہم مجاور ہیں، وہ شیدائی تھے ہم حلوائی ہیں۔

ان کے اندر تواضع اور عاجزی تھی ہمارے اندر تکبر اور غرور ہے۔

وہ حرص وہوس سے پاک تھے ہم حرص وہوس کے بندے۔

وہ مٹی پر بلا تکلف بیٹھ جاتے تھے ہمیں کرسیوں کے بغیر چین نہیں آتا، اُن میں امیر اور غریب آقا اور غلامی کا فرق کرنا مشکل ہوتا تھا ہمارے لیڈروں اور رعایا، بڑے اور چھوٹے، امیر اور فقیر کا فرق اندھے کو بھی نظر آجاتا ہے۔

ان کے لیے عین میدان جنگ میں بھی نماز کا چھوڑنا مشکل تھا ہمارے لیے گھروں میں رہتے ہوئے بھی نماز کا چھوڑنا آسان ہے وہ نمازوں میں روتے تھے ہمیں اللہ کے خوف سے کبھی رونا نہیں آتا۔ ان میں سے ہر ایک کی نماز میں خشوع وخضوع پایا جاتا تھا ہماری بھری مسجد میں بھی کوئی خوش وخضوع سے نماز پڑھتا دکھائی نہیں دیتا آج ہم اپنی عالیشان بلڈنگوں، چمچماتی کاروں اور زرق برق لباسوں سے کافروں کو ڈرانا چاہتے ہیں لیکن شاید ہم بھول گئے کہ یہ چیزیں تو ان کے پاس بھی ہیں بلکہ ہم سے زیادہ ہیں۔

اگر ہم دنیائے کفر کو مرعوب کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرنا ہوں گے جو مقوقس کے کافر ایلچیوں نے بیان کیے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو ان اَوصاف کا حامل بنادے۔

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جنت میں لے جانے والے اعمال

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

محترم حاضرین وسامعین! ہم میں سے کون ہے جو جنت میں جانا نہیں چاہتا۔ ہر شخص خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، بدعمل ہو یا نیک عمل، مرد ہو یا عورت ہر ایک کی آرزو ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ جنت میں ٹھکانہ دے دے۔

مگر میرے دوستو! محض آرزوؤں سے جنت میں داخلہ ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کی ایک قیمت رکھی ہے اور جنت کی قیمت وہ اعمال ہیں جو دخول جنت کا ذریعہ بنتے ہیں یوں تو یہ اعمال بہت سارے ہیں مگر وقت کی قلت کی وجہ سے میں ان میں سے صرف چند اعمال کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

دخولِ جنت کے لئے سب سے مؤثر چیز ایمان ہے، ایمان کے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہے اور جس کے دل میں ایمان جڑ پکڑ لے اسے اگر کسی وجہ سے عمل صالح کا موقع نہ بھی ملے تو بھی وہ جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا پھر آگے بڑھا اور اس نے جہاد میں حصہ لیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عَمَلَ هٰذَا يَسِيْرًا وَ اُجِرَ كَثِيْرًا.''

''اس نے تھوڑا سا عمل کیا ہے اور اسے بہت زیادہ اجر دیا گیا ہے۔''

• قرآن کریم میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر بھی کثرت سے آیا ہے، دل میں ایمان کی جڑیں جتنی گہری ہوں گی، اعمال کی شاخیں اتنی ہی سرسبز ہوں گی۔

حقیقت میں ایمان اصل ہے اور عمل صالح اس کی فرع ہے۔

ایمان بنیاد ہے اور عمل صالح اس پر تعمیر ہونے والی خوبصورت عمارت ہے۔

آپ سوچیں گے کہ عمل صالح کیا ہے؟ تو میں مختصر الفاظ میں عرض کرتا ہوں کہ ہر وہ عمل جو اللہ کی رضا کیلئے رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق کیا جائے وہ عمل صالح ہے۔

اس اصول کے مطابق عبادت تو عبادت زراعت اور تجارت بھی عمل صالح ہیں۔

بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی عمل صالح ہے۔

اللہ کی رضا کے لئے درخت لگانا عمل صالح ہے، انسانیت کی خدمت کرنا عمل صالح ہے، بیماروں کا علاج کرنا عمل صالح ہے، کفر کی طاقت توڑنے کے لئے بم بنانا عمل صالح ہے، مسلمانوں کے تحفظ کے لئے توپ اور ٹینک چلانا عمل صالح ہے۔

جیسے حقوق اللہ کی ادائیگی جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے اسی طرح حقوق العباد کا ادا کرنا بھی ان اعمال میں سے ہے جو انسان کو جنت میں لیجاتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نے والدین کی خدمت کو افضل قرار دیا ہے۔

بیواؤں اور مساکین کے ساتھ حسن سلوک کو جہاد کے مساوی بتایا ہے۔

بیمار کی عیادت کرنے والے کا ٹھکانہ جنت بیان فرمایا ہے۔

حقوق العباد کے علاوہ اچھے اخلاق بھی ان اعمال میں سے ہیں جو انسان کو جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ''تم میں سے مجھے سب

سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن مجلس میں میرے سب سے زیازہ قریب وہ لوگ ہوں گے جوتم میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہوں گے۔

اچھے اخلاق کی فہرست بڑی طویل ہے، صبر، شکر، امانت، دیانت، صدقہ، محبت، ایثار، احسان، ایفائے عہد، نرم خوئی، شجاعت، استقامت اور تواضع یہ سب اچھے اخلاق ہیں، بہت سے لوگ جو عبادت میں پیچھے رہ جائیں گے ان کے اعلیٰ اخلاق انہیں بلند مرتبے پر فائز کردیں گے۔

جنت میں لے جانے والے اعمال میں سے ایک اہم اور افضل ترین عمل جہاد ہے۔

سورۂ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان فرمایا ہے کہ میں نے ایمان والوں سے جنت کے بدلہ ان کے مالوں اور ان کی جانوں کو خرید لیا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے ہیں لڑتے ہیں، مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میرا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور یہ تورات اور انجیل اور قرآن سب میں لکھا ہوا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی ساری زندگی جہاد میں گزری آپ نے اپنے مرض وفات میں جیش اسامہ کو جہاد کے لئے روانہ فرمایا۔

آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں۔

صحابہ کو آپ ﷺ کے فرمان پر اتنا یقین تھا کہ انہوں نے زندگی بھر تلوار کو ہاتھ سے نہیں رکھا۔

وہ خود بھی جہاد میں لگے رہے اور اپنی اولاد کو بھی جہاد میں لگا دیا۔

میرے ساتھیو! میں نے انتہائی اختصار کے ساتھ وہ اعمال بیان کیے ہیں جو جنت میں لے جانے والے ہیں...... اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت کی طرف لے جانے والے یہ سارے راستے اختیار کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

جہنم اور جہنم میں لے جانے والے اعمال

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

محترم حاضرین مجلس! اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بڑا پیار اور بری محبت ہے۔ وہ رحمن اور رحیم ہے وہ چاہتا ہے کہ میرے بندے جہنم میں جانے سے بچ جائیں۔

وہ اگر بندوں کو جہنم سے نہ بچانا چاہتا تو ایک لاکھ سے زائد انبیاءعلیہم السلام کو ہدایت کا پیغام دے کر نہ بھیجتا۔

وہ اگر بندوں کو جہنم سے بچانا نہ چاہتا تو انہیں جنت کا راستہ دکھانے کے لئے آسمان سے کتابیں نازل نہ فرماتا۔

وہ اگر بندوں کو جہنم سے بچانا نہ چاہتا تو موت تک درتوبہ کھلا نہ رکھتا۔

اس کو چونکہ اپنے بندوں سے پیار ہے اس لئے وہ انداز بدل بدل کر بندوں کو سمجھاتا ہے۔

ایک ہی بات کو بار بار بیان کرتا ہے تاکہ کوڑھ مغز بندوں کی سمجھ میں بھی بات آجائے اور وہ جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔

مسلمانوں کا خدا کافروں کے ان دیوی دیوتاؤں جیسا نہیں جنہیں مخلوق کو عذاب میں دیکھ کر لطف آتا ہے وہ تو محبت کرنے والا اللہ ہے وہ تو صاف کہتا ہے:

﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ﴾

''اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔''

رحیم و کریم اللہ نے قرآن کریم میں جہنم کے ہولناک عذابوں کا ذکر کر کے اپنے بندوں کو سمجھایا ہے کہ کوئی ایسا عمل نہ کرو جو تمہیں جہنم میں لیجائے کیونکہ اس کے اذیت ناک عذاب کو تم برداشت نہیں کر سکتے۔

وہ جیل ہے مگر دنیا کی خطرناک جیل اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

وہ عقوبت خانہ ہے مگر دنیا کا کوئی عقوبت خانہ اس کے دسویں حصے کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، وہ ایک ٹارچر سیل ہے مگر دنیا کا ہر ٹارچر سیل اس کے مقابلہ میں صفر ہے۔

وہاں عجیب و غریب آگ ہوگی جو دلوں پر شعلہ زن ہوگی، جہنمیوں کے گلے میں طوق پڑے ہوں گے، انہیں زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا اور گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

جہنمیوں کا کھانا زقوم ہوگا اور ان کے پینے کے لیے کھولتی ہوئی پیپ ہوگی۔

جہنمیوں کا لباس آگ ہوگا اور وہ دائیں بائیں، اوپر نیچے، آگے پیچھے ہر طرف سے آگ میں گرے ہوں گے وہاں کوئی شنوائی نہیں ہوگی اور ہاں کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔

میرے بزرگو اور دوستو! جہنم تو یقیناً اللہ نے بنائی ہے مگر وہ مہربان اللہ ہمیں جہنم سے بچانا چاہتا ہے مگر غلطی ہماری ہے کہ ہم جہنم سے بچنا نہیں چاہتے اور وہ اعمال کرتے ہیں جو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ ہیں۔

اللہ اور اللہ کے نبی نے سارے اعمال کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں۔ ان اعمال میں سرفہرست کفر اور شرک ہے، کافر اور مشرک کا جنت سے

کوئی تعلق نہیں، ان کا ٹھکانہ صرف اور صرف جہنم ہے۔

نماز کا نہ پڑھنا اور زکوٰۃ کا نہ دینا بھی جہنم کا مستحق بنانے کا ایک سبب ہے۔ سورۂ مدثر میں ہے کہ اہل ایمان قیامت کے دن جہنمیوں سے سوال کریں گے:

﴿مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَ لَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝﴾

''تمہیں دوزخ میں کس چیز نے ڈالا وہ کہیں گے کہ ہم نمازیوں میں نہ تھے اور محتاج کو کھانا نہیں دیتے تھے۔''

ترکِ عبادات کے علاوہ جہنم میں لے جانے والے اعمال میں سے اہم عمل حرام مال بھی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ''

''وہ جسم جنت میں نہیں جائے گا جس نے حرام غذا سے پرورش پائی۔''

ہم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ حرام مال بھی کھاتے ہیں اور عبادت بھی کرتے ہیں۔ صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں اور رشوت بھی کھاتے ہیں حالانکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جو شخص گناہ سے مال کماتا ہے پھر وہ اس سے عزیزوں کی امداد کرتا ہے یا صدقہ وخیرات کرتا ہے یا اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے یہ سب کچھ قیامت کے دن جمع کیا جائے گا اور اس کے ساتھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

جہنم میں جانے کا ایک بڑا سبب حقوق العباد کا ضائع کرنا بھی ہے بندے کی جان بندے کی عزت وآبرو اور بندے کا مال ان سب کا تحفظ اس کا حق ہے اور اس حق کا ضائع کرنا اللہ کی نظر میں اتنا بڑا جرم ہے کہ وہ اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ بندہ خود

معاف نہ کردے یا اس کی تلافی نہ کردے۔

اعضا کا غلط استعمال بھی جہنم میں لے جانے والے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ہے آنکھ، کان، زبان، ہاتھ اور پاؤں یہ سب اللہ تعالیٰ کی بہت بری نعمت ہیں ان سب کا صحیح استعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے اوران کا غلط استعمال اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔

بعض اوقات زبان سے نکلنے والا ایک غلط کلمہ جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے مثلاً کلمہ کفر کہہ دیا، اللہ کے حکم اور نبی ﷺ کی سنت کا مذاق اڑادیا، کسی مسلمان کا دل دکھادیا، کوئی ایسی بات کہہ دی جس سے مسلمان آپس میں لڑ پڑے اور قتل وقتال تک نوبت پہنچ گئی تو یہ کلمہ انسان کو جہنم میں لے جائے گا۔

آیئے! ہم عزم کریں کہ ہراس عمل سے بچیں گے جس سے اللہ اوراس کا رسول ناراض ہوتے ہیں اور ہر وہ عمل کریں گے جس سے وہ راضی ہوتے ہیں۔

یہود اور ہم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ ؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ ﴾ صَدَقَ اللهُ الْعَظِیْمُ

وضع میں تم نصاریٰ ہو تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

میرے عزیز دوستو! میری آج کی گفتگو کا موضوع ہے: ''یہود اور ہم''

یہودی مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں، ان کی اسلام دشمنی کی مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے قتل کی سازشوں سے لیکر حرمین شریفین پر قبضے کے منصوبوں تک ان کی اسلام دشمنی کا ایک تسلسل ہے۔

لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ ان کی اسلام دشمنی کے باوجود مسلمان ان کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی وہ پیشن گوئی پوری ہو رہی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب تم یہود کے نقش قدم پر چلو گے اور ان کے طور طریقے اختیار کر لو گے۔

میں جب قرآن کا مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے یہودی مولویوں کی پہلی خرابی یہ نظر آتی ہے کہ وہ دوسروں کو تو نیکی کا حکم دیتے تھے مگر اپنے آپ کو بھول جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو

اس گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کے اوپر بھاری بھرکم کتابیں لاد دی جائیں لیکن اسے ان کتابوں سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

کیا ہمارے علما سوء کا بھی یہی حال نہیں ہے کہ دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے ہیں مگر اپنے آپ کو بھلائے بیٹھے ہیں، گھر میں پردہ نہیں، دینداری نہیں، ناچ گانا ہورہا ہے، فلمیں چل رہی ہیں۔

یہودی مولویں میں دوسری خرابی یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھنے لگے تھے، آج کئی علماءِ سوء بھی اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ قیامت کے دن بس ہماری ہی چلے گی جسے چاہیں گے دوزخ میں دھکا دے دیں گے اور جسے چاہیں گے انگلی پکڑ کر جنت مین داخل کردیں گے۔

یہودی مولویوں میں تیسری خرابی یہ تھی کہ وہ حقیر دنیا کی خاطر اللہ کے احکام میں تحریف اور تغیر کیلئے تیار رہتے تھے آج مسلمانوں میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ذاتی مفادات کے لئے، حکمرانوں کی خوشنودی کے لئے اور برادری کے رسم و رواج نبھانے کے لئے آیات قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں معنوی تحریف کے لئے تیار رہتے ہیں۔

یہودی مولویوں کی چوتھی خرابی قرآن نے یہ بیان کی ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں سے خاموش سمجھوتہ کر چکے تھے، سب کچھ اپنی نظروں کے سامنے ہوتا دیکھتے تھے مگر خاموش رہتے تھے، ان کی زبانیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے گنگ ہوچکی تھیں اور گنگ ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ خود بھی انہی برائیوں میں مبتلا تھے۔

آج ہمارے اندر بھی یہ خرابی آچکی ہے۔

ہم برائی کو پھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں،

اللہ کے احکام ٹوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ظلم کی بھڑکتی ہوئی آگ دیکھتے ہیں، اور کہاں

نہیں دیکھتے؟

اپنے گھر میں دیکھتے ہیں، بازاروں میں دیکھتے ہیں، حکومت کے ایوانوں میں دیکھتے ہیں، اپنے خاندانوں میں اور اپنی جماعت میں دیکھتے ہیں مگر پھر بھی خاموش رہتے ہیں۔

قرآن نے ان کے مولویوں کے علاوہ ان کے عوام کی بھی کئی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے مثلاً یہ کہ وہ بے عمل ہی نہیں بدعمل بھی تھے مگر ان کا خیال تھا کہ ہم اللہ کے لاڈلے اور پیارے ہیں اس لئے اول تو وہ ہمیں جہنم میں ڈالے گا نہیں اور اگر بالفرض ڈالا تو محض چند دن کے لئے ہم جہنم میں جائیں گے پھر ہم ہوں گے اور جنت ہوگی۔

سچ کہیے گا کیا آج بہت سارے مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب کی امت میں سے ہیں اس لئے اولاً تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر بالفرض جانا ہی پڑا تو چند دن جہنم میں گذار کر ہنستے کھیلتے جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن بتاتا ہے کہ یہودی قوم توہمات کا شکار تھی، سحر اور ٹونے اور ٹوٹکے کا زور تھا۔

آج مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے، توہم پرستی عام ہے، ہر قدم پر ایسے بابے ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ ہم پل بھر میں محبوب کو قدموں میں ڈال سکتے ہیں، سنگدل افسر کو موم کر سکتے ہیں، بیروزگاروں کو روزگار دلا سکتے ہیں اور دل کی ہر مراد پوری کر سکتے ہیں۔

گویا معاذ اللہ! سارے خدائی اختیارات ان بابوں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیے ہیں۔

قرآن کہتا ہے کہ یہودی مالی معاملات میں گڑ بڑ کرتے تھے سود خور تھے، دوسروں کا مال شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کر جاتے تھے۔

آج ہم مسلمانوں کے مالی معاملات میں بھی دھوکہ فریب، جھوٹ، ملاوٹ سود اور وعدہ خلافی سب کچھ آچکا ہے۔

قرآن کہتا ہے یہودی زندگی سے شدید ترین محبت کرتے تھے۔

یہ بات ہم پر بھی صادق آتی ہے۔

جہاد سے فرار اور حصول دنیا میں استغراق اس بات کی خبر دیتا ہے کہ شاید ہم نے ہمیشہ اسی دنیا میں رہنا ہے اور ہم نے کبھی بھی موت کا مزہ نہیں چکھنا۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر بڑے احسانات کیے:

ان میں بیسیوں انبیا کرام علیہم السلام بھیجے، انہیں فرعون کے بدترین مظالم سے نجات دلائی، ان کے لئے دریا خشک کر دیا، ان کے کھانے کے لئے من وسلویٰ کا انتظام کیا گیا مگر انہوں نے ناشکرے پن کا راستہ اختیار کیا۔

ہم پر بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار احسانات کیے ہیں:

ہمیں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا۔

قرآن کی صورت میں عزت وسرفرازی کا نسخہ ہمیں عطا فرمایا۔

ایک آزاد ملک ہمیں عطا کیا۔

لیکن ہم نے شکر کے بجائے کفران نعمت کیا۔

میرے بزرگو اور دوستو! ان برائیوں کی وجہ سے یہودیوں پر ذلت مسلط کر دی گئی ہم نے ان کے طور طریقوں کو اختیار کیا تو ہم پر بھی ذلت کے گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں۔

کشمیر سے لے کر بوسنیا تک، ایشیا سے افریقہ تک ہم پر ظلم کے پہار توڑے جارہے ہیں لیکن کوئی پوچھنے والا نہیں۔

آیئے! ہم عزم کریں کہ ہم یہودیوں کے طریقے چھوڑ کر صحابہ کے طریقوں کو سینے سے لگائیں گے اگر ہم نے ایسا کیا تو انشاء اللہ کامیابی کی چھڑی ہمارے ہاتھ میں ہوگی اور عزت کا تاج ہمارے سروں پر ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

امریکہ دورِ حاضر کا دجالِ اکبر

نَحْمَدُه وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۙ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ ۙ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ﴿۱۳﴾ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۴﴾﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

تقریریں

گرامی قدر حاضرین! آخری دجال تو اپنے مقررہ وقت پر ہی آئے گا لیکن اس سے پہلے کئی دجال دنیا میں آچکے ہیں اور میرا دعویٰ ہے کہ دورِ حاضر کا دجالِ اکبر امریکہ ہے۔

یوں تو سارا یورپ جو کافروں پر مشتمل ہے دجالی تہذیب کا علمبردار ہے مگر چونکہ اس دجالی تہذیب کا سب سے بڑا محافظ اور سب سے بڑا منادی امریکہ ہے، اس لئے میں امریکہ کو اس دور کا دجالِ اکبر کہتا ہوں۔

یہ وضاحت میں شروع ہی میں کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ امریکہ میں تو مسلمان بھی رہتے ہیں مگر میں جب امریکہ کہتا ہوں تو اس سے وہاں رہنے والے مسلمان مراد نہیں ہوتے بلکہ میری مراد وہ امریکہ ہے جو یہودی مفادات کا سب سے بڑا محافظ ہے۔

میری مراد وہ امریکہ ہے جو مجاہدین اسلام کا جانی دشمن ہے۔

میں نے خطبہ میں جو آیات پڑھی ہیں یہ اگرچہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں لیکن امریکہ کے مجموعی معاشرہ کو اگر ایک فرد فرض کرلیا جائے تو وہ ان آیات کا پورا

پورا مصداق بنتا ہے۔ ان آیات میں جو آٹھ مذموم صفات بیان کی گئی ہیں وہ امریکی سوسائٹی اور کردار پر من عن صادق آتی ہیں۔

1. امریکہ حلاف ہے اپنے آپ کو انسانی حقوق کا علمبردار جتلانے کے لئے عالمی پلیٹ فارم پر بہت قسمیں اٹھاتا ہے۔
2. امریکہ مہین ہے ایسی کمینی اور ذلیل حرکتیں کرتا ہے کہ انسانیت سر پیٹ لے۔
3. امریکہ ہماز ہے، امت مسلمہ اور مظلوم اقوام کو طعنے دینا اس کا وطیرہ ہے۔
4. امریکہ چلتا پھرتا چغلور ہے لگائی بجھائی کر کے پسماندہ اقوام کو آپس میں لڑاتا ہے۔
5. امریکہ نیکی کے کاموں سے روکنے میں پیش پیش رہتا ہے۔
6. امریکہ اخلاقی و مذہبی ہر قسم کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔
7. امریکہ مسلمانوں کے لئے خاص طور پر بڑا سخت مزاج ہے۔
8. امریکہ کے بیشتر باشندے بدنسب ہیں اور امریکہ کی یہ ساری حرکتیں اور شرارتیں اس لئے ہیں کہ اس کے پاس دولت کے ڈھیر اور مسلح افواج ہیں۔ میں جو امریکہ کو دجالِ اکبر کہہ رہا ہوں تو اسے مبالغہ مت سمجھئے گا آپ یہ دیکھیں کہ دجال کو دجال کیوں کہا گیا ہے؟

دجال کو دجال اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کی فطرت میں دجل، فریب اور ملمع سازی ہوگی، وہ جسے آگ کہے گا وہ حقیقت میں پانی ہوگا، اور وہ جسے پانی کہے گا وہ حقیقت میں آگ ہوگی، وہ جسے زندگی کہے گا وہ حقیقت میں موت ہوگی اور وہ جسے موت کہے گا وہ حقیقت میں زندگی ہوگی۔

آپ غور سے دیکھیں کہ امریکی مادی تہذیب کا بھی سب سے بڑا حربہ دجل، فریب اور ملمع سازی ہے۔

ایسے خوبصورت نعرے لگائے جاتے ہیں، اور ایسے پرکشش الفاظ اور اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں کہ عام آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا بلکہ اعلیٰ درجہ کے اہل علم بھی مغالطہ کا شکار ہو جاتے ہیں اور وہ بھی ہم نوائی کرتے ہوئے یہی نعرے لگانے لگتے ہیں۔

لیکن ان نعروں کا مقصد محض دجل اور فریب ہے مثلاً حریت فکر کا نعرہ، جمہوریت کا نعرہ، معاشی خوشحالی کا نعرہ، انسانی حقوق کا نعرہ، خواتین کی آزادی کا نعرہ، یہ سب نعرے کیا ہیں، محض دجل اور فریب ہیں۔

آپ اندازہ کیجئے کہ پاکستان میں توہین رسالت کا قانون بنتا ہے تا کہ کسی بد باطن کو خاتم النبین ﷺ سمیت کسی بھی نبی کی توہین کرنے کی جرأت نہ ہو۔ یہ قانون ۱۹۸۶ء میں متعارف کرایا گیا، جب سے یہ قانون بنا ہے اس وقت سے لیکر اب تک دسیوں بار امریکہ پاکستان پر زور دے چکا ہے کہ توہین رسالت کا قانون ختم کر دیا جائے۔

کیوں جی امریکہ صاحب کو کیا تکلیف ہے؟ امریکہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ قانون بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے۔

کیا محسن انسانیت ﷺ کا کوئی حق نہیں؟

کیا انہیں ماننے والے کروڑوں انسانوں کی جو دل شکنی ہوتی ہے ان کا کوئی حق نہیں؟

امریکہ صاحب کہتا ہے کہ طالبان مجرم ہیں۔

وہ طالبان جنہوں نے طویل خانہ جنگی کے بعد اپنے ملک کو امن عطا کیا ہے۔ وہ طالبان جنہوں نے صحیح نظامِ عدل قائم کیا ہے۔

ایسا نظام جو غریب اور امیر رعایا اور وزیر سب کے لئے ہے۔

ایسا نظام عدل جس میں عدالتی، وکیل اور فیس کے بغیر نقد انصاف دیتی ہیں۔

وہ طالبان جن کا ہر پڑوسی ملک انہیں تنگ کر رہا ہے۔ مگر وہ کسی ملک کے معاملات میں

مداخلت نہیں کرتے۔

وہ طالبان جو افغانستان کے نوے فیصد رقبے پر قابض ہیں۔

امریکہ صاحب انہی طالبان کو مجرم کہتا ہے، اس کے زیر اثر مغرب کے سارے ریڈیو، سارے ٹی وی اور سارے اخبار اور رسالے، طالبان کے خلاف پروپیگنڈا میں مصروف ہیں۔

امریکہ صاحب ان طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتا اور امریکہ اور اس کے حواری، طالبان کے مخالفین کی کھلم کھلا امداد کر رہے ہیں، ان سے تعاون کے لئے بارودی سرنگوں کے جال بچھائے جا رہے ہیں، ساری کافر دنیا سے ان کے لئے ڈالروں کے ڈھیر چلے آ رہے ہیں۔

ارے امریکہ صاحب کہاں گئی آپ کی جمہوریت؟ کہاں گئے آپ کے انسانی حقوق؟ کہاں گیا آپ کا انسانی آزادی کا احترام؟ افغانستان کے عوام کی اکثریت طالبان کے ساتھ ہے مگر آپ ان کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے۔

افغانستان کے مسلمان اپنے لیے نظام اسلام کو پسند کرتے ہیں مگر آپ کا فتویٰ ہے کہ یہ نظام اور اس نظام کے ماننے والوں کو میزائلوں کی بارش سے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

امریکہ صاحب! آپ کے ملک میں سارے حفاظتی انتظامات کے باوجود ڈاکے پڑتے ہیں لیکن طالبان نے ایسا امن قائم کیا ہے کہ دوکانیں کھلی رہتی ہیں، لوگ غربت اور فاقہ کشی کا شکار ہیں اس کے باوجود کسی کو ان دوکانوں کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں ہوتی۔

ایسا امن قائم کرنے کے باوجود یہ طالبان آپ کی نظر میں دہشت گرد ہیں۔

امریکہ صاحب کہتا ہے کہ اُسامہ دہشت گرد ہے۔

کیوں جناب؟ وہ جب تک روس کے خلاف لڑ رہا تھا وہ بہت بڑا مجاہد تھا لیکن اب وہ اچانک دہشت گرد کیسے ہو گیا؟

امریکہ صاحب کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ملک میں جو بم دھماکے ہوئے ان میں اسامہ کے ملوث ہونے کا شبہ ہے۔

واہ رے امریکہ صاحب! اُسامہ پر تو یہ صرف شبہ ہے اور خود آپ اپنے گریبان میں جھانکئے۔ جاپان سے عراق تک اور عرب سے افریقہ تک کیا آپ نے دن دیہاڑے بمباری نہیں کی؟ لاکھوں انسانوں کا خون نہیں بہایا؟ بے شمار گھر نہیں اجاڑے؟

یاللعجب! جس کے بارے میں شبہ ہے وہ تو پکا دہشت گرد ہے اور جس کے بارے میں یقین ہے وہ پکا امن پسند ہے۔

واہ رے دورِ حاضر کے دجالِ اکبر! تیری دجالی آنکھ دیکھنے میں کتنی بے انصافی کرتی ہے اور تیری دجالی زبان کیسے غلیظ فیصلے سناتی ہے۔

پاکستان نے ایک ایٹم بم بنالیا تو اسے مجرم بتا کر اس کی امداد بند کر دی گئی اور دوسری جانب مغربی اقوام کا ناجائز بچہ اسرائیل ایک سو ایٹم بم بنالیتا ہے، جس کے نشانے پر عالمِ اسلام کے سو شہر ہیں پھر بھی وہ امن پسند ملک قرار پاتا ہے۔

بھارت ستر ہزار کشمیریوں کو قتل کرتا ہے، دس ہزار سے زیادہ مکان جلا دیتا ہے، پچاس ہزار سے زیادہ نوجوانوں کو جیلوں میں ڈال دیتا ہے، بے شمار بہنوں، بیٹیوں کی عزت و ناموس پامال کر دیتا ہے، ایک کروڑ انسانوں کو غلام بنالیتا ہے لیکن دجالی قوتیں اسے بے گناہ قرار دیتی ہیں اور کشمیری مجاہدین اس بدترین غلامی سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں تو وہ مجرم ٹھہرتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی ناک کے نیچے روزانہ کشمیریوں پر گولہ باری ہو رہی ہے لیکن امریکہ کی یہ

پروردہ لونڈی خاموش ہے، اس کے لب سی دیئے گئے ہیں۔

امریکہ صاحب! اپنی طاقت پر اتنا گھمنڈ نہ کیجئے۔

روس بھی آپ کی طرح ایک بڑی طاقت تھا لیکن مدارس اور مساجد کے چند فاقہ مست ملاؤں نے اسے ناکوں چنے چبوا دیئے۔ انشاء اللہ آپ کا انجام اس سے بھی بدتر ہوگا۔ یہ تو ہمارے حکمرانوں کی بزدلی اور بے ہمتی ہے جس نے آپ کو سپر پاور بنا دیا ہے ورنہ جب پورے عالم اسلام میں جذبۂ جہاد بیدار ہوگیا آپ سپر پاور نہیں صفر پاور ثابت ہوں گے۔

اے اللہ! ہمیں وہ دن جلد دکھا جب ہم دورِ حاضر کے اس دجال اکبر کو مسلمانوں کے سامنے ناک رگڑتے دیکھیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

روزہ

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے مسلمان بھائیو! روزہ صرف مسلمانوں پر فرض نہیں کیا گیا بلکہ اسلام سے پہلے جتنے مذاہب گزرے ہیں ان سب کے ماننے والوں پر روزہ فرض تھا۔

بات یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں جس کسی نے حسن ازل کے ساتھ عشق ومحبت کا دعویٰ کیا اسے اپنے دعوے کے ثبوت میں بھوکا پیاسا رہنا پڑا،

کارِعشق کوئی آسان نہیں، عاشقوں کو بھوک پیاس برداشت کرنی ہی پڑتی ہے، جو عشق میں بھوکا پیاسا نہ رہ سکے وہ عاشق نہیں فراڈ یا ہے اور اگر حسن اَزل کے ساتھ محبت کا دعویٰ ہو، خالق ومالک کے ساتھ عشق کا دعویٰ ہو،

تو اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے تو بہت کچھ پیش کرنا پڑتا ہے۔ مال بھی، جان بھی، اولاد بھی، نینداور راحت بھی، عیش اور عشرت بھی،

یہ جو ہم کلمۂ طیبہ پڑھتے ہیں لا الہ الا اللہ یہ کلمہ ہر آسمانی مذہب ماننے والے نے پڑھا اور یہ کلمہ عشق کا کلمہ ہے، اس کا پڑھنے والا اقرار کرتا ہے کہ معبود ہے تو اللہ، مسجود ہے تو اللہ،

مطلوب ہے تو اللہ،

محبوب ہے تو اللہ،

جب اللہ ہی کے محبوب اور مطلوب ہونے کا اقرار کرلیا تو اب اس کی محبت میں بھوکا پیاسا رہنا پڑے تو بھی آسان،

مال جان قربان کرنا پڑے تو بھی آسان،

گردن کٹوانی پڑے تو بھی آسان،

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ میں نے تم سے پہلے لوگوں پر بھی دن بھر کا بھوکا پیاسا رہنا فرض کیا تھا، سارے مذاہب کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لو میں نے اپنے امی نبی کی زبان سے جو دعویٰ کیا ہے یہ دعویٰ سو فیصد صحیح ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر چالیس روزے رکھے تھے، یہودی بھی یہ روزے رکھتے ہیں۔

انجیل متیٰ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن جنگل میں روزے رکھے انجیل مرقس میں ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی روزے رکھتے تھے اور ان کے امتی بھی روزہ رکھتے تھے۔

ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ ہمارا مذہب سب سے پرانا ہے وہ بھی برت کے نام سے روزہ رکھتے ہیں۔

برہمن ہر سال میں چوبیس روزے رکھتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا میں ہے کہ شاید ہی ہم دنیا کے کسی مذہب کا نام لے سکیں جس میں روزہ فرض نہ ہو۔۔۔

جو آیت کریمہ میں نے خطبہ میں پڑھی ہے اس میں ایک بات تو یہ بتائی گئی ہے کہ روزے کوئی اختیاری عبادت نہیں کہ چاہو تو رکھ لو اور چاہو تو نہ رکھو بلکہ روزے فرض ہیں جن

کا رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

یوں تو احادیث مبارکہ میں روزے کے بہت سارے فضائل بیان کئے گئے ہیں مگر میرے ناقص خیال میں روزہ دار کے لیے جو سب سے بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ ایک حدیث قدسی میں ہے: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں خود ہوں۔''

حوریں نہیں، جنت کے قصر و محل نہیں، کوئی اور نعمت نہیں جسے مادی عقل سمجھ سکے بلکہ میں خود اس کا اجر دیتا ہوں۔

یہ کون کس سے کہہ رہا ہے؟

مخدوم خادم سے نہیں، شاہ گدا سے نہیں،

بلکہ خالق مخلوق سے، معبود عبد سے اور خدا بندے سے کہہ رہا ہے اور کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہہ رہا ہے کہ روزہ رکھو میں تمہارا بن جاؤں گا۔

کیا زمینوں اور آسمانوں کی ساری نعمتیں، ساری برکتیں اور ساری بادشاہتیں مل کر بھی اس ایک اجر کے سامنے پیش کی جاسکتی ہیں؟ کیسا نادان ہوگا وہ شخص جو اتنے سستے سودے کو بھی اپنی غفلت اور حماقت کی نذر کردے۔

دوسری بات اس آیت کریمہ میں وہ بیان کی گئی ہے جو پہلے بتا چکا ہوں کہ روزے صرف تم پر نہیں بلکہ تم سے پہلی اُمتوں پر فرض کیے گئے تھے اور آخری بات اس آیت کریمہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ روزے فرض کرنے کا مقصد تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں ہے، تمہاری جان کا ہلکان کرنا نہیں ہے، بلکہ روزے فرض کرنے سے اصل مقصد تمہاری بہتری ہے، اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے اور جب تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے گا تو خواہشات تم پر غالب نہیں آسکیں گی بلکہ تم خود خواہشات پر غالب آجاؤ گے۔

یہ ایک مہینے کے روزے نفس کو مغلوب کرنے کی ریہرسل اور مشق ہے جب پورا ایک مہینہ اللہ کی یاد میں گزرے گا۔

جب یہ مبارک دن کسی کے اشتیاق میں بھوکے پیاسے رہ کر صرف ہوں گے،

جب یہ برکت والی راتیں کسی کے انتظار میں آنکھوں ہی میں کٹیں گی،

جب کسی کے ڈر سے آنکھیں کان اور زبان گناہ سے باز رہیں گے،

تو یقیناً دل میں وہ خلش ضرور پیدا ہو گی جو حلال اور حرام میں فرق کرنے پر مجبور کر دے گی،

پھر یقیناً باطن میں وہ نور پیدا ہوگا جس سے ظلمتیں کافور ہو جائیں گی۔

پھر یقیناً معرفت اور محبت کے آثار محسوس ہوں گے۔

اللہ کے بندو! ہم جسمانی بیماریوں سے شفا کے لئے دنیا کے ڈاکٹروں کے کہنے پر بھوکے پیاسے رہتے ہیں، چٹ پٹی چیزیں چھوڑ دیتے ہیں، دل پسند کھانوں سے پرہیز کر لیتے ہیں۔

تو کیا ہم روحانی بیماریوں سے شفا کے لئے کائنات کے سب سے بڑے حکیم کے کہنے پر صرف ایک ماہ تک بھوک پیاس برداشت نہیں کر سکتے؟

جبکہ وہ خالق و مالک ہمیں بڑی محبت سے سمجھا رہا ہے کہ فائدہ تو سراسر تمہارا ہی ہے۔

جب تم میرے حکم کے مطابق روزے رکھو گے تو میں تمہیں جہنم کی آگ سے بہت دور کر دوں گا۔

جنت میں تمہارے داخل ہونے کے لیے ایک دروازہ مخصوص کر دوں گا۔

تم روزے کی حالت میں مجھ سے جو دعا کرو گے میں اسے قبول کر لوں گا۔

قیامت کے دن جب تمہیں کسی سفارشی کی تلاش ہو گی مین روزے کو تمہارا

سفارشی بنا دوں گا۔

ارے! پوری شرائط کے ساتھ روزہ رکھو گے تو اتنا پیار کروں گا کہ تمہارے منہ کی بو کو مشک سے بھی زیادہ پسند کروں گا۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو روزے رکھ کر اللہ کا مقرب بننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاندانی منصوبہ بندی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

عزیزو اور دوستو! میں آپ کے سامنے خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے اپنی ناقص معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آج کل ہمارے ملک میں خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک بڑے زور و شور سے چل رہی ہے، اس کے لیے ایک مستقل محکمہ قائم ہے جس کا ہر سال کا بجٹ کروڑوں روپے کا ہے، یہ محکمہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اشتہار بازی پر لاکھوں روپیہ خرچ کر رہا ہے۔

عوام کو اعداد و شمار کے ذریعہ ڈرایا جا رہا ہے کہ اگر آبادی کی رفتار یہی رہی تو فلاں سن میں پاکستان کی آبادی اتنے کروڑ ہو جائے گی اور اتنی بڑی آبادی کی معاشی ضروریات پوری کرنا ناممکن ہو جائے گا لہٰذا آبادی کو کنٹرول کیا جائے، لیکن یہ تحریک اور یہ سوچ اللہ تعالیٰ کے نظام ربوبیت میں مداخلت کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا ﴾

''زمین پر چلنے والی ساری مخلوق کی روزی میرے ذمہ ہے۔''

تمہیں انسانوں کی روزی کی فکر ہے جب کہ اللہ کہتا ہے کہ میں ہر جاندار کی مستقل قیام گاہ بھی جانتا ہوں ا اور عارضی قیام گاہ بھی جانتا ہوں اور انہیں ان کے ٹھکانے پر روزی

پہنچاتا ہوں، خواہ جنگل کے درندے ہوں یا فضاؤں میں اُڑنے والے پرندے ہوں، خواہ بلوں میں رہنے والی چیونٹیاں ہوں یا سمندروں اور دریاؤں میں رہنے والی مچھلیاں اور دوسرے جانور ہوں، میں ان سب کو ان کی روزی پہنچا رہا ہوں۔

خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک کوئی نئی فکر اور نئی تحریک نہیں ہے بلکہ یہ تو بہت پرانی تحریک ہے، زمانۂ جاہلیت کے جعلی دانشوروں کو بھی بڑی فکر ہوتی تھی کہ اگر زیادہ بچے ہو گئے تو کھائیں گے کہاں سے؟ چنانچہ وہ فقر اور افلاس کے ڈر سے بچوں کو قتل کر دیتے تھے، رب کریم نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ﴾

''اپنی اولاد کو فقر کے ڈر سے قتل نہ کرو، ان کو بھی رزق ہم دیتے ہیں اور تم کو بھی رزق ہم دیتے ہیں۔''

اے پاگل انسان! تیری سوچ یہ ہے کہ میری ملازمت میری دکان اور میرا کاروبار مجھے روزی دے رہا ہے حالانکہ تیری یہ سوچ غلط ہے یہ دوکان یہ ملازمت یہ تجارت یہ کاروبار اور یہ کھیتی باڑی روزی کمانے کا وسیلہ تو ہیں لیکن روزی دینے والا صرف اللہ ہے، تمہیں بھی روزی دے رہا ہے اور تمہارے بچوں کو بھی روزی اللہ دے رہا ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ تمہیں بھی ان بچوں کی برکت سے روزی مل رہی ہو۔ اللہ کے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''وَاَنْتُمْ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَاءِكُمْ.''

''تمہیں تمہارے کمزوروں کی برکت سے روزی دی جاتی ہے۔''

میرے بزرگو اور دوستو! منصوبہ بندی کا اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک نظام ہے اس نظام کے تحت وہ انسانوں اور حیوانوں کی آبادی کنٹرول کرتا ہے جس چیز کی ضرورت کم ہوتی ہے اسے وہ اپنے نظام کے تحت ہی کم کر دیتا ہے اور جس چیز کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے اسے وہ زیادہ کر دیتا ہے۔

اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ جب سفر کے لئے ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں ایجاد نہیں ہوئی تھیں اس وقت تمام انسان گھوڑوں اور اونٹوں پر سفر کرتے تھے جنگلوں میں بھی گھوڑے ہی استعمال ہوتے تھے تقریباً ہر گھر میں گھوڑا ہوتا تھا لیکن پھر یہ ہوا کہ ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں عام ہوگئیں اور ان کے عام گھوڑوں وغیرہ کی اہمیت کم ہوگئی، اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ گلی کوچوں میں گھوڑے ہی گھوڑے دکھائی دیتے اور ان کے ریوڑ ہی ریوڑ ہوتے کیونکہ گھوڑوں نے تو منصوبہ بندی کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا نہ ہی کم بچے کرنے کی کوئی تحریک چلائی۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب ان کی ضروریات نہ رہی تو قدرت کے نظر نہ آنے والے نظام کے تحت ان کی تعداد خود ہی کم ہوتی چلی ہوگئی۔

ایک اور مثال لیجئے اسٹار مچھلی بیس (20) کروڑ انڈے دیتی ہے اگر اس نسل کے صرف ایک جوڑے کو اپنی نسل بڑھانے کا موقع مل جائے تو صرف اسی جوڑے کی تیسری چوتھی نسل تک دنیا کے تمام سمندر اسی سے بھر جائیں اور سمندروں میں پانی کے ایک قطرے کی گنجائش باقی نہ رہے مگر وہ کون ہے جو ان نسلوں کو اپنی مقررہ حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتا۔

کیا وہ آپ کا برتھ کنٹرول کا محکمہ ہے؟ کیا وہ آپ کا کنڈوم کلچر ہے؟

کیا وہ آپ کی مانع حمل دواؤں کا اثر ہے؟ نہیں ان میں سے کوئی چیز نہیں!

بلکہ یہ میرے رب کا اپنا نظام ہے جو ساری مخلوقات کو کنٹرول کرتا ہے، مجھے یقین ہے کہ جس دن اس دنیا میں مزید انسانوں کی گنجائش باقی نہ رہی یا انسانوں کی ضرورت نہ رہی تو بچے پیدا ہونا بند ہو جائیں گے۔

یاد رکھیے! منصوبہ بندی کی تحریک یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریک ہے، یورپ کی

عورت ماں نہیں بننا چاہتی وہ آزاد رہنا چاہتی ہے......

بچوں کے جھنجھٹ میں پڑ کر وہ اپنی آزادی ختم نہیں کرنا چاہتی، وہاں آبادی دن بدن کم ہوتی جارہی ہے اور وہ مسلمانوں کی آبادی بڑھنے سے پریشان ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر یہ سلسلہ چلتا رہا تو مسلمانوں کی اکثریت ہوجائے گی اور یہودی اور عیسائی اقلیت میں تبدیل ہوجائیں گے۔

ان کا اقلیت میں بدل جانے کا خوف ہی ہے جس کی وجہ سے وہ خاندانی منصوبہ بندی کے لیے ہر طرح کی مالی امداد دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

دوسری وجہ اس تحریک کی سرپرستی کی یہ ہے کہ وہ مسلمان قوم کو فحاشی کی راہ پر ڈال کر اسے مذہبی ذمہ داریوں سے غافل کردینا چاہتے ہیں۔

وہ چاہتے ہیں مسلمان اسلامی اخلاق سے بیگانہ ہوجائے،

اس کے اندر شرم وحیا باقی نہ رہے،

اس کا خاندانی نظام تباہ ہوجائے،

وہ ازدواجی زندگی کو بیکار سمجھنے لگے،

خدانہ کرے اگر ان بدبختوں کی چلائی ہوئی یہ تحریک کامیاب ہوگئی تو پاکستان میں بھی وہی کچھ ہوگا جو امریکہ، برطانیہ، فرانس اور ناروے وغیرہ میں ہورہا ہے۔

نہ خاندانی نظام ہوگا، نہ ازدواجی زندگی ہوگی، نہ بچوں کے باپ کا پتہ ہوگا نہ شرم ہوگی، نہ حیا ہوگی۔

خدا کرے کہ اس دن کے آنے سے پہلے اس تحریک کے بانیوں کے منہ کالے ہوجائیں اور وہ مسلمانوں کے بغض وحسد کی آگ میں جل کر راکھ ہوجائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ترکِ جہاد کے نتائج

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ﴾

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے طالب علم ساتھیو! اللہ کہتا ہے میں نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر دنیا میں اس لئے بھیجا تا کہ وہ اسے دوسرے تمام ادیان پر غالب کر دے۔

جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دنیا میں بھیجا تھا اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ کے نبی نے اپنے جسم اور جان کی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں، نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ سردی دیکھی نہ گرمی دیکھی نہ بہار دیکھی نہ خزاں دیکھی نہ بھوک اور پیاس کی پرواہ کی نہ دشمنوں کی ایذا رسانی سے پیچھے ہٹے، آپ ﷺ کی ساری زندگی دین کے دشمنوں سے لڑتے ہوئے اور حق کی دعوت دیتے ہوئے گزر گئی۔

جب آپ ﷺ کی زندگی کا سورج لبِ بام آ گیا اور بیماری شدت اختیار کر گئی اس وقت بھی آپ کو جیش اسامہ کی بڑی فکر لاحق تھی جسے آپ ﷺ نے شام کی طرف لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد اس مقصد کو نقطہ عروج تک پہنچانے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوششیں جاری رکھیں، انہیں مدینہ منورہ سے بڑی محبت تھی، ہماری طرح

صرف نعت خوانی کی حد تک محبت نہ تھی بلکہ حقیقی اور سچی محبت تھی لیکن اس محبت کے باوجود انہوں نے مدینہ چھوڑا، گھر بار چھوڑا، بیوی بچوں کو چھوڑا، دکان اور کاروبار چھوڑا اور غلبۂ دین کے لیے نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے وقت کی سپر طاقتوں کے غرور کو قدموں تلے روند ڈالا۔

وہ کھجور کی چپلیں اور پیوند زدہ لباس پہنتے تھے ان کی تلواریں چیتھڑوں میں لپٹی ہوتی تھیں لیکن یہ جہاد کی برکت تھی کہ زرق برق لباس اور قیمتی جواہرات سے سجے ہوئے تاج پہننے والے شاہزادے ان سے خوف کھاتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کی اہمیت اور عظمت سے خوب واقف تھے سورہ نساء کی یہ آیت ان کے ذہنوں میں تھی۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝﴾

سورہ انفال کی یہ آیت ان کے کانوں میں ہر وقت گونجتی تھی۔

﴿وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ﴾

سورہ توبہ کی یہ آیت انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتی تھی۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

صحابہ جانتے تھے کہ جہاد کی پکار کی وقت مسجدِ حرام کی مجاوری اور حاجیوں کو پانی پلانا بھی

جہاد کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا اس لئے اللہ کہتا ہے:

﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ ﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تبلیغ بھی کرتے تھے، تعلیم و تربیت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے تھے، اللہ اللہ بھی کرتے تھے، نمازیں بھی پڑھتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، حج بھی کرتے تھے، رزق حلال بھی کماتے تھے کاروبار بھی کرتے تھے، دوکانیں بھی چلاتے تھے، بیوی بچوں کے حقوق بھی ادا کرتے تھے، حکومت و سیاست کے تقاضے بھی پورے کرتے تھے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں جہاد سے نہیں روکتی تھی۔

کیونکہ سورہ توبہ کی وہ آیت ان کے ورد زبان تھی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے نبی ﷺ! کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور تمہارے مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑنے کا تم کو خوف رہتا ہے اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں (یہ سب کچھ) تمہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ (عذاب) تمہارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسقوں کی راہنمائی نہیں کرتا''

حضور اکرم ﷺ کی وہ حدیث بھی صحابہ کے سامنے تھی جس کے راوی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ اپنا عذاب مسلط کر دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم حیلہ سازی سے (حرام کو حلال کر کے) روزی کمانے میں مصروف رہو گے اور بیل کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی میں مگن رہو

گے اور جہاد کو ترک کردو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت اور محکومی مسلط کر دے گا جو تم سے کبھی جدا نہ ہوگی۔ ہاں اگر تم دوبارہ دین کی طرف پلٹ آؤ (اور جہاد شروع کر دو تو پھر ذلت اور محکومی سے تمہیں نجات مل سکتی ہے)۔''

محترم سامعین کرام! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآنی آیات اور نبوی احادیث پر نظر رکھتے ہوئے جہاد کا علم بلند رکھا جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بلند رکھا۔

جہاد کی برکت سے سردار اُن سے ڈرتے تھے، وڈیرے ان سے مرعوب تھے، بادشاہ ان سے خائف تھے، حکومتیں ان سے لرزتی تھیں، شیطانی قوتیں ان کے سامنے سرنگوں تھیں، صحابہ کی تہذیب دنیا کی بالاتر تہذیب تھی، ان کے تمدن کو پسند کیا جاتا تھا، ان کی ثقافت کی مثالیں دی جاتی تھیں، ان کے معاشی نظام پر رشک کیا جاتا تھا ان کی سیاست کو اپنانے کی کوشش کی جاتی تھی، ان کی زبان سیکھنے پر زور دیا جاتا تھا۔

لیکن اے گروہ ضعیفاں! اے انٹرنیشنل مسکینوں! جب ہم نے جہاد چھوڑ دیا، جب ہم اسلحے سے دور بھاگنے لگے، اور جب ہم موت سے نفرت کرنے لگے تو کافر ہم پر چھا گئے آج وہ غالب ہیں ہم مغلوب ہیں، وہ حاکم ہیں ہم محکوم ہیں، وہ فاتح ہیں ہم مفتوح ہیں، وہ مؤثر ہیں ہم متاثر ہیں، ان کی گندی تہذیب ہم پر غالب آچکی، ان کا سڑا ہوا تمدن ہم اختیار کر چکے، ان کی غلیظ ثقافت کو ہم سینے سے لگا چکے، ان کے معاشی نظام پر ہم رشک کر رہے ہیں ان کی سیاست کو اپنانے کی کوشش کی جارہی ہے، ان کی اتری ہوئی پتلونیں ہم پہن رہے ہیں، ان کا بچا ہوا کھانا ہم کھا رہے ہیں، ان کی زبانیں سیکھنے کے لیے ہمارے درمیان ایک مقابلہ سا ہو رہا ہے، زبان تو زبان ہر شخص کی کوشش ہے کہ میں انداز کلام اور لباس کے رنگ ڈھنگ سے انگریز نظر آؤں، یہاں تک کہ انہوں نے انگریزوں کو الٹی سیدھی اردو بولتے ہوئے دیکھا تو اس کی دیکھا دیکھی انہوں نے بھی اپنی زبان بگاڑ لی، خواجہ عزیز الحسن

مجذوب رحمہ اللہ نے خوب کہا ہے:

کہا مسٹر نے جو ''دل مانگتا ہے بولنا تم کیا''
تو منہ تکنے لگے اس کا میں ہو کر محو حیرانی
کبھی دل میں کہا یہ کونسی بولی زبان اس نے
نہ اردو نہ انگریزی ہے نہ پشتو ہے نہ ایرانی
کبھی سمجھا کہ یہ نقال ہے بھیس اس نے بدلا ہے
زبان بولی ہے ایسی جو سمجھ لی جائے سریانی
کبھی سوچا زباں میٹھی ہوتی ہے کیوں تلفظ میں
گماں لقوے کا ہو کہ ہوگئی لاحق پریشانی

تو اے کمزوروں کی جماعت! یہ سب نتائج ہیں ترک جہاد کے اور ذلت سے نجات کی نبی اکرم ﷺ نے جو صورت بیان فرمائی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ہم دوبارہ جہاد شروع کر دیں اگر ہم جہاد کے عمل کو دوبارہ زندہ کر دیں تو انشاء اللہ ہماری تہذیب اور ثقافت ہمارا تمدن اور معاشرت ہماری معیشت اور سیاست دوبارہ دنیا پر غالب آجائے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

زکوٰۃ

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

عظیم المرتبت حاضرین! زکوٰۃ اسلام کا چوتھا رکن ہے اور یہ ناچیز اور حقیر انسان آج کے پروگرام میں اسلام کے اسی چوتھے رکن کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ تمہید

بزرگان محترم! ہمارے پاس جو کچھ ہے یہ سب اللہ کا دیا ہوا ہے یہ زندگی، یہ آنکھیں، یہ کان، یہ زبان، یہ ہاتھ، یہ پاؤں، یہ دل، یہ دماغ، یہ مال، یہ اولاد، یہ زمین، یہ زمان، یہ گھر، یہ مکان، یہ سب کچھ اللہ کا عطا کردہ ہے۔

اگر اللہ کی مشیت نہ ہو تو آدمی نہ زمین سے غلہ اگا سکتا ہے، نہ مویشیوں کی پرورش کر سکتا ہے، نہ صنعتیں قائم کر سکتا ہے، نہ دوکانیں چلا سکتا ہے، نہ مال و دولت کما سکتا ہے، جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مشیت سے ہو رہا ہے وہ چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

"مَاشَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ."

"جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔" فرعون کی سوچ یہ تھی کہ مصر کی زمینوں اور مصر کی نہروں کا مالک میں ہوں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ تھا کہ اے فرعون! تیرا اور تیری اس ظاہری بادشاہی کا مالک

اللہ ہے۔

قارون کا خیال یہ تھا کہ میں نے اپنے خزانے اپنی ذہانت اور قوت بازو سے کمائے ہیں۔
اللہ کے نبی کا فرمان یہ تھا کہ یہ سب کچھ تیرے امتحان کی خاطر تجھے اللہ نے دیا ہے۔
نمرود کی فکر یہ تھی کہ عزت اور ذلت، موت اور زندگی کا مالک میں ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فکر یہ تھی کہ نمرود تو عاجز اور لاچار ہے اور ہر چیز پر صرف اللہ کا اقتدار اور اختیار ہے۔
ابوجہل کہتا تھا کہ ہم اپنی محنت اور فن سے کمایا ہوا مال غریبوں اور فقیروں کو کیوں دیں۔
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یہ مال تیرا نہیں یہ تو اللہ کا دیا ہوا ہے، تیرا مالک بھی اللہ، تیرے مال کا مالک بھی اللہ، تجھے بھی اللہ کھلاتا ہے، ان غریبوں اور فقیروں کو بھی اللہ کھلاتا ہے، وہ اللہ جسے چاہے امیر کر دے جسے چاہے فقیر کر دے، وہ فقیر کو فقر سے آزماتا ہے اور امیر کو امارت سے آزماتا ہے۔

جو فقیر فقر اور غربت پر صبر کرتا ہے، اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور جو امیر اپنی دولت اللہ کے حکم کے مطابق اللہ کے بندوں پر خرچ کرتا ہے اللہ اس سے بھی خوش ہوتا ہے۔

وہ امرا جو دولت کے خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں وہ یاد رکھیں کہ یہ دولت قیامت کے دن ایک اژدہے کی صورت اختیار کر لے گی اور اس مالدار کو ڈس ڈس کر یاد دلائے گی کہ میں ہی تیری وہ دولت ہوں جسے تو جھوٹ بول کر، کم تول کر، اور دھوکہ اور فریب سے جمع کیا کرتا تھا۔

میں ہوں وہ دولت جس کی خاطر تو نے دن کا سکون اور راتوں کی نیند حرام کر دی تھی۔
میں ہوں وہ دولت جس کی خاطر تو نے اللہ کے حکموں کو بھی چھوڑا اور خون کے رشتوں کو بھی توڑا۔
میں ہوں وہ دولت جس سے تو نہ کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا تھا اور نہ ہی کسی ننگے کو

کپڑا پہنا تا تھا۔

میں ہوں وہ دولت جسے نہ تو، تو جان لڑانے والے مجاہدوں پر خرچ کرتا تھا اور نہ ہی غریب طالب علموں کو دیتا تھا۔

میں ہوں وہ دولت جسے تو نے مسلمان ہونے کے باوجود کفر کی یلغار روکنے کے لیے خرچ نہ کیا۔

میں ہوں وہ دولت جس کی زکوٰۃ نکالنے سے تیری جان نکلتی تھی۔ آ! آج میں تجھے مزہ چکھاتی ہوں۔

پھر وہ دولت اسے خوب مزہ چکھائی گی، ایسا مزہ چکھائے گی کہ وہ دنیا کے سارے مزوں کو بھول جائے گا۔

وہ دولت دہکتے ہوئے انگاروں میں بدل جائے گی جن سے اس کی پیشانی کو، اس کی پیٹھ کو اور اس کے پہلو کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا:

﴿ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝٣٥ ﴾

''یہی ہے وہ جسے تم اپنے لیے جمع کر رہے تھے، سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو۔''

میرے دوستو! جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں وہ اللہ پر یا اللہ کے بندوں پر احسان نہیں کرتے، زکوٰۃ تو مستحقین کا ایک حق ہے جسے اس جذبے سے ادا کرنا چاہیے کہ میں حق والے کو اس کا حق لوٹا رہا ہوں، آج میں اسے کھلا رہا ہوں کل قیامت کے دن اللہ مجھے کھلائے گا۔

آج میں اسے خوش کر رہا ہوں کل آخرت میں اللہ پاک مجھے خوش کر دے گا۔ اسلامی معاشرہ کا کمال تو یہی ہے کہ اس میں ہر شخص دوسرے شخص کا حق پہچانتا ہے، ہر انسان دوسرے انسان کے درد کو محسوس کرتا ہے۔

دوسرے سے معاوضہ نہ ملتے ہوئے بھی اس کے کام آتا ہے۔
دوسرے سے رشتہ نہ ہونے کے باوجود اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔

جسے دوسروں کے دکھ درد کا احساس نہ ہو وہ تو خود غرض ہوتا ہے اور سن لیں! کامل مسلمان خودغرض نہیں ہوسکتا وہ تو خدا غرض ہوتا ہے۔ اس کی زندگی، اس کی جان اور اس کی دولت خدا غرضی کے لیے ہوتی ہے وہ صرف اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہے۔

اہل دولت کو سوچنا چاہیے کہ یہود و نصاریٰ کفر کی اشاعت پر کیسے بے دریغ دولت بہا رہے ہیں کیا مسلمان اغنیا پر لازم نہیں کہ وہ بھی اپنے خزانوں کے منہ اشاعت دین کے لیے وقف کر دیں۔ اپنے اموال ان مجاہدین پر خرچ کریں جو اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر کفر سے ٹکرا رہے ہیں۔

ان طلبا پر خرچ کریں جنہوں نے اپنی زندگیاں علم دین کے حصول کے لیے وقف کر دی ہیں۔ ان غریب مسلمانوں پر خرچ کریں جن کے گھر میں کئی کئی دن چولھا نہیں جلتا۔ ان مہاجرین پر خرچ کریں جنہیں کافر درندوں نے اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔

ان بیماروں اور زخمیوں پر خرچ کریں جو علاج معالجہ کے اخراجات کے لیے ترس رہے ہیں۔

ان یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کریں جو سہاروں سے محروم ہو چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی جان اپنے مال اور اپنے اوقات اللہ کے حکموں کے مطابق لگانے اور خرچ کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ایک مجاہد کی دعا

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّيْ عَلٰى سَيِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْكَرِيْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ

گرامی قدر حاضرین! مجاہدین کے کارنامے ہماری تاریخ کا ناقابل فراموش حصہ ہیں، انہوں نے نہ دشت چھوڑا نہ صحرا چھوڑا نہ جنگل دیکھا نہ دریاؤں کی پرواہ کی، نہ قوت وطاقت سے خائف ہوئے نہ مال و دولت سے مرعوب ہوئے۔ وہ نہ اہل وعیال کی دوری سے پریشان ہوتے تھے نہ زخموں اور اعضا کٹنے سے غمگین ہوتے تھے۔

ان کے ہاتھوں میں تلواریں ہوتی تھی اور زبانوں پر دعائیں مچلتی تھیں۔

مجاہدوں کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں البتہ ہمارے جیسے مجاوروں کی دعائیں اکثر رد کر دی جاتی ہیں۔

میں آپ کو ایک مجاہد کی دعا سنانا چاہتا ہوں اس عظیم مجاہد کا نام تھا حضرت عقبہ بن نافع۔

وہ حضرت عقبہ بن نافع جنہوں نے افریقہ کے ایک جنگل میں درندوں، شیروں، چیتوں، ہاتھیوں، سانپوں اور بچھوؤں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''اَيُّهَا السِّبَاعُ وَالْحَشَرَاتُ! نَحْنُ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِرْحَلُوْا عَنَّا فَاِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَا بَعْدُ قَتَلْنَاهُ.''

''اے درندوں اور کیڑو! ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں۔ہم یہاں بسنا چاہتے ہیں لہٰذا تم یہاں سے کوچ کر جاؤ اس کے بعد تم میں سے جو کوئی یہاں نظر آئے گا اسے قتل کر دیں گے۔''

مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے اس اعلان کے بعد لوگوں نے ایک ایسا منظر دیکھا جو آج تک نہ دیکھا تھا انہوں نے دیکھا کہ درندے اپنے اپنے بچوں کو اٹھائے لیے جا رہے ہیں بھیڑیا اپنے بچے کو اور سانپ اپنے بچے کو اٹھا کر جنگل سے جا رہا ہے۔

یہ عجیب منظر دیکھ کر بہت سے بربری کافر مسلمان ہو گئے۔

یہ وہی حضرت عقبہ بن نافع ہیں جو جہاد کرتے کرتے جب بحر ظلمات تک پہنچ گئے جسے آج کل اٹلانٹک کہا جاتا ہے تو وہاں پہنچ کر انہوں نے یہ تاریخی جملہ کہا تھا:

''اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَنِّیْ قَدْ بَلَغْتُ الْمَجْهُوْدَ وَلَوْ لَا هٰذَا الْبَحْرُ لَمَضَيْتُ فِیْ الْبِلَادِ اُقَاتِلُ مَنْ كَفَرَبِكَ، حَتّٰى لَا يَعْبد دُوْنك.''

''اے اللہ تو گواہ رہنا کہ میں نے اپنی کوشش کی انتہاء کر دی ہے اور اگر یہ سمندر بیچ میں نہ آ گیا ہوتا تو جو لوگ تیری توحید کا انکار کرتے ہیں میں ان سے لڑتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا یہاں تک کہ تیرے سوا زمین پر کسی کی عبادت نہ کی جاتی۔''

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑوں کے اگلے پاؤں اٹلانٹک کی موجوں میں ڈال دیئے اور اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ جب ساتھیوں نے ہاتھ اٹھا دیئے تو حضرت عقبہ نے یہ دعا فرمائی:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ بَطَرًا وَّلَا اَشَرًا وَ اِنَّكَ تَعْلَمُ اِنَّمَا

نَطْلُبُ السَّبَبَ الَّذِيْ طَلَبَهُ عَبْدُكَ ذُوْالْقَرْنَيْنِ وَهُوَ اَنْ تَعْبُدَ
وَلاَ يُشْرَكُ بِكَ شَيْءٌ اَللّٰهُمَّ اِنَّنَا مُدَافِعُوْنَ عَنْ دِيْنِ الْاِسْلَامِ
فَكُنْ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا يَا ذُوْالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ.''

اس دعا کا سیدھا مفہوم یہ ہے:

''اے اللہ! میں غرور اور تکبر کے جذبے سے گھر سے نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہمیں بھی اسی ''سبب'' کی تلاش ہے جس کی تلاش تیرے بندے ذوالقرنین کو تھی اور وہ یہ کہ دنیا میں صرف تیری عبادت ہو، اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔''

سر جھکیں تو صرف تیرے سامنے،
حکم چلے تو صرف تیرا چلے،
عبادت ہو تو صرف تیری ہو،

اے اللہ ہم دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں تو ہمارا ہو جا اور ہمارے خلاف نہ ہو یاذوالجلال والاکرام۔

اٹلانٹک کے کنارے سے حضرت عقبہ مجبوراً واپس ہوئے، راستہ میں ایک جگہ ایسی آئی جہاں پانی کا دور دور تک نشان نہ تھا، سارا لشکر پیاس سے بے تاب تھا حضرت عقبہ نے دو رکعتیں پڑھ کر دعا کی، اور یہ تو آپ سن چکے ہیں کہ مجاہدین کی دعائیں خاص طور پر قبول ہوتی ہیں، آپ کو یہ بھی یاد ہوگا کہ پیاسے اسمٰعیل علیہ السلام نے زمین پر ایڑیاں رگڑیں تو ایسا چشمہ پھوٹ پڑا تھا جو قیامت تک کے لیے لوگوں کی سیرابی کا سامان بن گیا اور آج بھی آسمان نے عجیب نظارہ دیکھا حضرت عقبہ ابھی دعا سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ان کے گھوڑے نے اپنے کھروں سے زمین کھودنی شروع کر دی دیکھا تو ایک پتھر نظر آیا، اس پتھر سے پانی پھوٹ نکلا جس نے سارے لشکر کو سیراب کر دیا علامہ اقبال نے خوب کہا ہے:

ہزار چشمے ترے سنگ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضرب کلیم پیدا کر

اور اس واقعہ کے حوالے سے یہ شعر بھی علامہ اقبال ہی کا ہے:

دشت تو دشت صحرا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیئے ہم نے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی حضرت عقبہ جیسا جذبۂ جہاد، جوشِ تبلیغ اور شوقِ شہادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پاکیزگی

نَحْمَدُه وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

گرامی قدر حاضرین!

یوں تو ہر مذہب، ہر کلچر اور ہر تمدن میں صفائی اور پاکیزگی پر زور دیا جاتا ہے۔

لیکن جتنی جامعیت کے ساتھ اسلام میں صفائی اور پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے اتنا کسی بھی دوسرے مذہب میں نہیں دیا گیا۔

یورپی معاشرہ میں شہر اور محلے کے گلی کوچوں کی صفائی پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے مگر وہاں قلب ونظر کی صفائی کا کوئی انتظام نہیں کیا جاتا۔

بعض جوگی اور راہب باطنی صفائی کے لیے بڑی ریاضتیں کرتے ہیں لیکن وہ ظاہری صفائی پر بالکل توجہ نہیں دیتے۔

کئی سائنسدان ماحولیات کی صفائی پر بڑا زور دیتے ہیں لیکن انہوں نے اخلاق و معاملات کی صفائی پر کبھی لب کشائی نہیں کی۔

کئی ڈاکٹر اور حکیم صاف غذا اور صاف پانی کی بڑی اہمیت بیان کرتے ہیں مگر حلال غذا اور پاک پانی کی اہمیت کو انہوں نے کبھی محسوس نہیں کیا۔

پاکیزگی

اگر آپ گہری نظر سے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو یقیناً اعتراف کریں گے کہ اسلام نے ہمہ جہت پاکیزگی کا حکم دیا ہے، دل اور دماغ سے لیکر زبان، کان اور نظر تک، لباس سے لیکر غذا تک، اعمال سے لے کر افکار تک، ماحول اور معاشرہ سے لیکر سیاست اور حکومت تک۔ ہر شعبے اور ہر پہلو کا پاک ہونا ضروری ہے۔

دل کو پاک رکھنا ضروری ہے شرکیہ عقائد سے، تکبر حسد، بخل اور کینے جیسے باطنی امراض سے۔

نظر کو پاک رکھنا ضروری ہے ہر اس منظر کو دیکھنے سے جس کے دیکھنے سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔

کان کو پاک رکھنا ضروری ہے غیبت اور چغلی اور گانے بجانے کے سننے سے۔

زبان کو پاک رکھنا ضروری ہے بہتان تراشی، فحش گوئی اور لعن طعن سے۔

دماغ کو پاک رکھنا ضروری ہے اختیاری شیطانی وساوس سے۔

جسم اور لباس کو پاک رکھنا ضروری ہے نجاست اور گندگی سے۔

تجارت کو پاک رکھنا ضروری ہے ناپ تول میں ڈنڈی مارنے اور جھوٹ اور وعدہ خلافی سے، ملازمت کو پاک رکھنا ضروری ہے بددیانتی اور مجرمانہ خیانت سے۔

عبادت کو پاک رکھنا ضروری ہے ریاکاری اور شہرت پسندی کے جذبے سے۔

ماحول کو پاک رکھنا ضروری ہے آلودگی اور گندگی سے۔

گھر کو پاک رکھنا ضروری ہے محرمات اور ممنوعات سے۔

ملک کو پاک رکھنا ضروری ہے غداروں، منافقوں اور اسلام دشمنوں سے۔

سیاست کو پاک رکھنا ضروری ہے ضمیر فروشی، ابن الوقتی اور مفاد پرستی سے۔

تعلیم گاہوں کو پاک رکھنا ضروری ہے لارڈ میکالے کے نظام تعلیم سے۔

جب ان سب نجاستوں، غلاظتوں اور خباثتوں سے پاکیزگی نصیب ہوجائے گی تو ہر فرد پاک ہوجائے گا، ہر گھر پاک ہوجائے گا، ہر محلہ پاک ہوجائے گا، ہر شہر پاک ہوجائے گا، پورا ملک پاک ہوجائے گا اور پھر ہم دنیا میں جنت کا نظارہ دیکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ نظارہ ضرور دکھائے۔ آمین یارب العالمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فرصت ایک قیمتی نعمت

نَحْمَدُه وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ ﴾ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْمُ

میرے بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے فرصت اور وقت ایک قیمتی نعمت ہے لیکن انسان اس قیمتی نعمت کو بڑی بے دردی سے فضول کاموں میں ضائع کرتا ہے۔

وہ اسے گانے سننے اور فلمیں دیکھنے میں ضائع کرتا ہے۔

گپیں لگانے اور غیبتیں سننے سنانے میں ضائع کرتا ہے۔

ناول افسانے اور جھوٹی سچی خبریں پڑھنے میں ضائع کرتا ہے۔

شیطان اسے تسلی دیتا رہتا ہے کہ ابھی بہت عمر پڑی ہے، ابھی تو تم جوان ہو، تم بھی دنیا کے مزے چکھ لو، بعد میں توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لینا لکن پھر وہ دور آ جاتا ہے جب فرصت ختم ہو جاتی ہے اور وہ بے حد مشغول ہو جاتا ہے یا وہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو کر کوئی صالح عمل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

صحیح بخاری میں جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِیْهِمَا كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحْةُ وَالْفَرَاغُ.''

''دو نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں پڑے ہیں ایک صحت اور دوسری فراغت۔''

اللہ کے رسول ﷺ اپنے امتیوں کو سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو نفس اور شیطان کے دھوکے میں نہ آؤ۔ وقت اور صحت کو فضول کاموں میں برباد نہ کرو، یہ وقت اور فرصت بڑی قیمتی چیز ہے، اس کی قدر کرو، اسے صحیح مصرف میں استعمال کرو ورنہ کل پچھتاؤ گے یہ پچھتاوا کسی کام نہیں آئے گا۔

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هرَمِكَ وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سَقمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ.''

''پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو محتاجی سے پہلے، فرصت کو مشغولی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔''

یہ پانچوں بڑی قیمتی چیزیں ہیں مگر افسوس کہ جوانی تم نے ضائع کردی۔

صحت تم نے ضائع کردی۔

دولت تم نے ضائع کردی۔

فراغت تم نے ضائع کردی۔

اور زندگی تم نے ضائع کردی۔

حالانکہ یہ پانچ چیزیں وہ قیمتی کرنسیاں ہیں جنہیں صحیح جگہ پر خرچ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جاسکتی ہے اور اپنے آپ کو جنت کا حقدار بنایا جاسکتا ہے۔

ان منٹوں اور لمحوں کی صحیح قدر اس وقت ہوگی جب زندگی کا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ ایک قبر کے پاس سے گزرے چند صحابہ بھی آپ کے ساتھ

تھے آپ ﷺ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جو دو رکعت کبھی جلدی جلدی میں تم پڑھ لیتے ہو اور ان کو تم معمولی سمجھتے ہو (یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہیں) یہ شخص جو قبر میں لیٹا ہوا ہے اس کے نزدیک یہ دو رکعت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے یہ قبر والا شخص اس بات پر حسرت کر رہا ہے کہ کاش مجھے زندگی میں تھوڑا سا وقت مل جاتا تو میں اس میں دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے نامۂ اعمال میں اضافہ کر لیتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واقعی وقت کی قدر و قیمت جانتے تھے اور فرصت کے لمحات کو اللہ کی رضا کے کاموں میں بسر کرتے تھے جیسے ہم لوگ روپے پیسے کو خرچ کرنے میں بڑے بخیل ہیں اور سوچ سمجھ کر خرچ کرتے ہیں اسی طرح صحابہ کرام وقت کے بارے میں بڑے بخیل تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ جو بڑے درجہ کی تابعی تھے اور جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریب سے دیکھا تھا وہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اَدْرَكْتُ اَقْوَامًا كَانَ اَحَدُهُمْ اَشَحَّ عَلٰى عُمْرِهٖ مِنْهُ عَلٰى دِرْهَمِهٖ.''

''میں نے ان لوگوں کی صحبت اٹھائی ہے جو اپنی عمر اور وقت کے بارے میں دراہم و دنانیر سے زیادہ بخیل تھے۔''

ان کی زندگیاں اللہ کے دین کے لیے وقف تھیں۔

ان کے اوقات جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت تبلیغ میں بسر ہوتے تھے۔

ان کے دن گھوڑے کی پیٹھ پر اور راتیں مصلے پر گزرتی تھیں۔

ان کے ہاتھوں پر گھڑیاں نہیں ہوتی تھیں مگر اس کے باوجود وہ ایک ایک سیکنڈ سوچ سمجھ کر گزارتے تھے مگر آج ہمارا حال کیا ہے؟ راتیں فلمیں دیکھتے ہوئے اور دن دنیا کماتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

کبھی فرصت ملے تو سوچیے کہ ہم زندگی جیسی قیمتی متاع کو کن فضولیات کی نذر کر رہے ہیں۔
کسی کو دیکھو وہ کئی کئی دن ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر کھیلوں کے مقابلے دیکھتا ہے۔
کسی کو دیکھو تو وہ ناولوں، افسانوں، فحش رسالوں اور ڈائجسٹوں کی دنیا میں کھویا ہوا ہے۔
کسی کو دیکھو تو وہ جھوٹی گپوں، چغلیوں اور فضول کہانیوں میں اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔

اگر قیامت کے دن زندگی اور فرصت عطا کرنے والے نے پوچھ لیا اور ظاہر ہے اسے پوچھنے کا حق ہے کہ تمہیں میں نے چالیس سال پچاس سال، ساٹھ سال فرصت عطا کی تھی اس فرصت کو تم نے کن کاموں میں گزارا میری رضا والے کاموں میں یا ناراضگی والے کاموں میں تو ہم کیا جواب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں فرصت جیسی عظیم نعمت کو اللہ تعالیٰ کی رضا والے کاموں میں بسر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

گداگری

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

تو نے اے مسلم! کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے
تو ہے انساں تجھ میں لیکن شان یزدانی بھی ہے
فرش پر ہیں پاؤں ترے، عرش پر ہے سر ترا
نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نورانی بھی ہے

میرے ہم فکر اور ہم سفر ساتھیو! انسان اشرف المخلوقات ہے، انسانوں کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے فرشتوں کو جھکا کر اللہ نے سمجھا دیا کہ انسان اگر واقعی انسان ہو تو وہ فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے، انسان کو یہ تعظیم اور تکریم اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔ سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۠﴾

یعنی ”ہم نے بنی آدم کو فضیلت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ روزی دی اور اپنی بہت ساری مخلوقات پر ان کو فضیلت دی۔“

سورۃ التین میں اللہ تعالیٰ نے انجیر کی قسم، زیتون کی قسم، طور سینا کی قسم اور امن والے

شہرمکہ معظمہ کی قسم اٹھا کر فرمایا:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ۝ ﴾

''ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں تخلیق کیا ہے۔''

یہ انسان اگر واقعی انسان ہوتو یہ ساری مخلوق سے زیادہ مکرم محترم اور معزز مخلوق ہے۔ سب سے زیادہ حسین مخلوق ہے۔ سورج سے بھی زیادہ حسین، چاند اور ستاروں سے بھی زیادہ حسین، لیکن یہ مکرم اور محترم مخلوق، یہ حسین وجمیل مخلوق بعض اوقات ایسی حرکتیں کرتا ہے جن کی وجہ سے یہ درجہ انسانیت سے نیچے گر جاتا ہے۔

ان گھٹیا حرکتوں میں سے ایک حرکت گداگری بھی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری سے قبل ایسے لوگ بھی تھے جو ڈاکہ زنی سے اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے تھے اور ایسے لوگ بھی تھے جو بھیک مانگ کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتے تھے بلکہ بعض مذاہب میں تو گداگری کو ایک مقدس عمل کا درجہ حاصل تھا، کائنات کے آقا نے سب سے پہلا سبق ہی یہ دیا کہ صرف ایک ذات کے سامنے جھکنا ہے اور کسی کے سامنے نہیں جھکنا۔

دست سوال صرف اسی کے سامنے دراز کرنا ہے اور کسی کے سامنے دراز نہیں کرنا۔

امیدیں صرف اسی سے قائم کرنی ہیں اور کسی سے امیدیں قائم نہیں کرنیں۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو قوت بازو سے حلال روزی کمانے کا حکم دیا اور اسے اللہ کا فضل اور عبادت قرار دیا، اور صرف اچھی اچھی باتیں کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے عمل سے بھی اس نظریے کو قوت بخشی۔

آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں، پتھر بھی اٹھائے، کپڑا بھی بیچا یوں اپنے عمل سے اپنی امت کو سمجھا دیا کہ اگر میں انبیا کا سردار ہو کر محنت مزدوری کرسکتا ہوں تو تم کیوں نہیں کر سکتے۔

آپ ﷺ پر ایسا وقت بھی آیا جب آپ کے گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تھا،

پورا پورا مہینہ چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی، فاقے پر فاقے ہوتے ہیں لیکن ایسے مشکل حالات میں بھی آپ ﷺ نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔

بات کہہ دینا آسان ہوتا ہے لیکن کرنا مشکل ہوتا ہے۔

میرے آقا ﷺ کا امتیازی وصف یہ تھا کہ آپ ﷺ جو کچھ کہتے تھے اس پر عمل بھی کر کے دکھاتے تھے۔

جب آپ ﷺ نے اپنی امت کو صبر وقناعت کی تلقین کی اور بھیک مانگنے سے منع فرمایا تو خود آخری درجہ کی فاقہ کشی کے عالم میں بھی اللہ کے سوا کسی سے مانگنا گوارا نہیں کیا۔

صحابہ بعض اوقات آپ ﷺ کے چہرے کے تاثرات سے آپ ﷺ کی فاقہ کشی کا اندازہ لگا لیتے تھے لیکن آپ اپنی زبان سے کبھی اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے حالانکہ آپ کے صحابہ میں بڑے متمول لوگ بھی تھے جن کا کاروبار شام تک پھیلا ہوا تھا اور جو آپ کے ایک اشارے پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے مگر ان سے سوال کرنا تو دور کی بات ہے آپ اشارۃً بھی ان کے سامنے اپنی تکلیف ظاہر نہیں فرماتے تھے۔

عبرت کا مقام ہے کہ جو نبی ایسا صابر، ایسا شاکر، ایسا قناعت پسند اور ایسا مستغنی تھا اس نبی کی امت آج انٹرنیشنل بھکاریوں کے ایک ٹولے کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔

سڑکوں پر دیکھو تو بھکاری، گلیوں میں دیکھو تو بھکاری، محلوں میں دیکھو تو بھکاری اور حد ہو گئی اللہ کے گھروں میں دیکھو تو بھکاری۔

افسوس کہ ہم نے اللہ کے گھر کا بھی احترام نہ کیا۔ حالانکہ مسجدیں تو ہیں ہی صرف اس لیے کہ وہاں جا کر صرف اللہ سے مانگا جائے مگر ہم مسجدوں میں بھی انسانوں سے مانگتے ہیں۔

جھوٹی کہانیاں سنا کر مانگتے ہیں۔

ظلم کی خود ساختہ کہانیاں سنا کر مانگتے ہیں۔

کوئی کہہ رہا ہے میری جیب کٹ گئی ہے۔
کوئی کہہ رہا ہے تین دن سے بھوکا ہوں۔
کوئی کہہ رہا ہے میری بچیاں جوان ہیں۔
کوئی کہہ رہا ہے میرے والد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔

اگر تحقیق کی جائے تو پچانوے فیصد جھوٹی کہانیاں ہوں گی لیکن لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے اللہ کے گھر میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولا جا رہا ہے۔

کئی بد بخت لوگ جعلی مدرسوں اور مسجدوں کے نام پر چندہ بٹورتے نظر آتے ہیں۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ پوری قوم بھکاری بن گئی ہے۔

لیڈروں کو دیکھیں تو وہ امریکہ اور فرانس سے بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔

جتنا بڑا لیڈر ہے اتنا ہی بڑا کشکول اس کے ہاتھ میں ہے۔

ہم نے کبھی سوچا کہ ہم اس عظیم آقا کے ماننے والے ہیں جس نے اللہ کے سوا کسی سے بھی مانگنے سے منع فرمایا تھا۔

جس نے کئی کئی دن کی فاقہ کشی کے باوجود کبھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔

جس کا ارشاد ہے کہ جو شخص بلا ضرورت لوگوں سے مانگتا ہے وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کی بوٹی بھی نہ ہوگی۔

جس آقا ﷺ کے صحابہ میں ایک بھی گداگر نہ تھا آج اس کی امت میں ہر طرف گداگر ہی گداگر نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں تازندگی انسانوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

غار والے نوجوان

نَحْمَدُہ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَھْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّ ھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے نوجوان ساتھیو! میں آپ کو ان نوجوانوں کا قصہ سنانا چاہتا ہوں جنہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لیے غار میں پناہ لے لی تھی۔

وہ نوجوان یونان کے رہنے والے تھے، وقت کے حکمران ظالم بھی تھے اور بت پرست بھی تھے اور وہاں کے باشندوں کو بھی اپنے رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے تھے، ظلم اور بت پرستی کی اس فضا میں چند نوجوانوں نے ایمان پر قائم رہنے کا فیصلہ کرلیا، انہیں ڈرایا بھی گیا دھمکایا بھی گیا، سبز باغ بھی دکھائے گئے لیکن انہوں نے ایمان کو سینے سے لگائے رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔

حکومت بت پرست تھی اور بت پرستی کے سوا کچھ ماننے کے لیے تیار نہ تھی، سوسائٹی گندی تھی اور گندگی کے سوا کسی اور چیز پر راضی نہیں تھے، ان نوجوانوں کے ایمان کو بڑے سخت امتحان کا سامنا کرنا پڑا ایک طرف حکومت تھی، عہدے اور منصب تھے، مال و دولت کی چمک تھی، عیش و عشرت تھی، عافیت اور سلامتی تھی، دوسری طرف ایمان تھا ایمان کے تقاضے تھے امتحان تھے، آزمائشیں تھیں، حکمرانوں کی ناراضگی تھی۔ یا اللہ کیا کریں ایمان کو

چھوڑتے ہیں، تو آخرت تباہ ہوتی ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو دنیا تباہ ہوتی ہے۔

ایمان کو چھوڑتے ہیں تو اللہ ناراض ہوتا ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو حکمران ناراض ہوتے ہیں۔

ایمان کو چھوڑتے ہیں تو جہنم اور اس کے عذابوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو فقر وفاقہ اور قید وبند کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایمان کو چھوڑتے ہیں تو تیرا تعلق چھوٹتا ہے۔

ایمان پر قائم رہتے ہیں تو خاندان اور قوم سے تعلق چھوٹتا ہے۔

بڑی کشمکش میں پڑ گئے لیکن جب انہوں نے عزم کرلیا تو ایمان مادیت پر غالب آگیا،
تمرین ایمانی منطق نے برہانی منطق کو شکست دے دی، دل نے عقل کو چاروں شانے چت کردیا۔

اللہ کہتا ہے کہ میں جو دلوں کا مالک ہوں میں نے جب ان کے عزم کو دیکھا ان کے جذبے کو دیکھا ان کے یقین کو دیکھا تو انہیں ہدایت میں اور زیادہ مضبوط کردیا اور ان کے دلوں کو صبر اور استقامت عطا فرمادی۔

﴿ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝١٣ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾

جب اللہ کسی کو ہدایت دے دے اور جب اللہ کسی کو صبر اور حوصلہ عطا فرمادے تو ایسا شخص پہاڑوں سے ٹکرا جاتا ہے، فرعون اور نمرودوں سے بھڑ جاتا ہے، اس کے دل سے ماسوی اللہ کا خوف نکل جاتا ہے، ان نوجوانوں نے بھی وقت کے نمرودوں کی ساری ترغیبوں اور ساری تحریصوں کو پائے حقارت سے ٹھکرادیا اور کہا:

﴿ رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ۝١٤ ﴾

ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی بے جابات ہوگی۔

اب ان کے سامنے سوال یہ تھا کہ جب ساری آبادی بھی ہمارے خلاف، حکومت بھی مخالف تو ہم اپنے ایمان کی حفاظت کیسے کریں، اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ان کی دست گری کی اوران کے دل میں یہ یقین ڈال دیا کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، یہاں نہیں تو کہیں اور سہی۔

انہوں نے اپنے رشتہ داروں پر اپنے گھر بار پر اور اپنے شہر پر آخری نظر ڈالی اور چل پڑے ایک کتا بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔

اللہ نے جب قرآن میں ان مومن نوجوانوں کا ذکر کیا تو اس کتے کا بھی ذکر کیا۔

کتنا خوش قسمت کتا تھا جسے ان مومنوں کی صحبت میسر آ گئی۔

ہاں میرے دوستو! نیکوں کی صحبت بڑی نعمت ہے اور بروں کی صحبت بڑا عذاب ہے، کنعان اللہ کے نبی کا بیٹا تھا مگر وہ بروں کی صحبت میں بیٹھا تو برا بن گیا جو عذاب دوسرے کافروں اور مشرکوں پر آیا وہ کنعان پر بھی آیا۔

دوسری طرف اس کتے کو دیکھئے جسے اللہ نے اپنے اولیا کی دربانی کا شرف بخش دیا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

پسر نوح بابداں بنشت
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو دربانی کے لیے غار کے دہانے پر کتا بیٹھ گیا اور غار میں بھی وہ بیکار نہیں بیٹھے جب تک اللہ کو منظور تھا وہ بعض صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہے اور اللہ

کی عبادت کرتے رہے جب اکل وشرب کا سارا ذخیرہ ختم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو میٹھی اور طویل نیند سلا دیا اور وہ تین سو نو سال تک اسی غار میں سوتے رہے جب تین سو نو سال کے بعد بیدار ہوئے تو ملک کے حالات بدل چکے تھے، بت پرستوں کے اقتدار کا سورج ڈوب چکا تھا اور اب اقتدار پر خدا پرست چھائے ہوئے تھے،کل کے جلاوطن آج کے ہیرو بنے ہوئے تھے لوگ ان نوجوانوں کی تلاش میں تھے لیکن بیداری کے کچھ ہی عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا۔

میرے نوجوان ساتھیو! ہمیں یہ سوچنا ہے کہ اس واقعہ میں ہمارے لیے عبرت کا کیا سامان ہے؟ اس قصے میں ایمان اور مادیت کی کشمکش کو بیان کیا گیا ہے،

ان نوجوانوں نے مادیت پر ایمان کو ترجیح دی۔

آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔

ایمان کے ساتھ غربت کی زندگی کو پسند کر لیا لیکن کفر کے ساتھ عیاشی کی زندگی کو پسند نہیں کیا۔

انہوں نے اپنے شہر اپنے خاندان اور اپنے عزیزوں کی جدائی کو گوارا کر لیا لیکن ایمان کی جدائی گوارا نہیں کی۔

انہوں نے اسباب سے خالق اسباب کی طرف راہ فرار اختیار کی۔

وہ بڑے صبر اور حوصلے سے ایمان پر جمے رہے۔

اور پھر آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ ان کا فیصلہ ہی صحیح تھا۔

انہیں مٹانے کی کوشش کرنے والے مٹ گئے لیکن ان کا ذکر خیر آج بھی باقی ہے کل بھی باقی رہے گا۔

میرے دوستو! آج ہم ایمان اور مادیت کی کشمکش سے دوچار ہیں ایک طرف ایمان

اور اس کے تقاضے ہیں دوسری طرف مادی ترغیبات ہیں، لذتیں ہیں،، عیاشیاں ہیں، کھیل کود ہے، فحاشی اور عریانیت ہے، فلمیں اور گانے بجانے کے پروگرام ہیں، دل بہلانے کے غلیظ سامان ہیں۔

ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم مادیت کو سینے سے لگالیں یا روحانیت کو اپنے دلوں میں سجالیں۔

ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ ہم کس کو ترجیح دیں مادیت کو یا روحانیت کو؟

دنیا کو یا دین کو؟

آیئے! ہم عہد کریں کہ کہ ہم اصحاب کہف کی طرح ساری ترغیبات کو ٹھکرا دیں گے اور غلاظت و بے حیائی کے سیلاب میں بھی ایمان کو سینے سے لگائے رکھیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ہماری مشکلات کا ایک بڑا سبب......اسراف

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ[1] ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے ساتھیو! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے لیکن آج مسلمانوں میں اسراف ایک متعدی بیماری کی صورت اختیار کرچکا ہے، عوام سے حکمرانوں تک جسے دیکھیں وہ اسراف میں مبتلا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں دیکھیں تو اسراف کیا جاتا ہے۔

فوتگی کی رسمیں دیکھیں تو اسراف کیا جاتا ہے۔

جلسے جلوس دیکھیں تو اسراف کیا جاتا ہے۔

بڑے اور بالا دست طبقوں کا اثر نچلے طبقوں پر بھی ہوتا ہے آج ہمارے حکمرانوں، وزیروں اور افسروں نے اسراف کی وہ مثالیں قائم کی ہیں یورپ والے انہیں دیکھ کر مذاق اڑاتے ہیں اور تعجب یہ کہ یہ لوگ دن رات اسلام کا نام بھی لیتے ہیں۔

حالانکہ اسلام سادگی کا مذہب ہے، پیغمبر اسلام ﷺ نے سادگی کی صرف تلقین ہی نہیں کہ خود سادہ زندگی کا نمونہ امت کے سامنے پیش کیا۔

آپ ﷺ کا مکان بھی سادہ تھا، آپ ﷺ کا لباس بھی سادہ تھا، آپ ﷺ کا کھانا پینا بھی سادہ تھا، آپ ﷺ کی سواری بھی سادی تھی۔

مکان کچا تھا اور کھجور کی ٹہنیوں کی چھت پڑی ہوئی تھی۔

لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔

کھانا جو بھی میسر آجاتا تناول فرما لیتے۔ آپ ﷺ کے دستر خوان پر کئی کئی سالن اور چٹنیاں نہیں ہوتی تھیں۔

سواری کا یہ حال تھا کہ اکثر گدھے اور خچر پر بلا تکلف سوار ہو جاتے تھے، نہ کوئی محل تھا نہ کوٹھی نہ بنگلہ، نہ دفتر نہ پریذیڈنٹ ہاؤس۔

آپ ﷺ کے خلفا کا بھی یہی حال تھا۔

صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سوانح پر ایک نظر ڈال لیجیے، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی حالانکہ ان کا دور فتوحات کا دور تھا، سونے چاندی کی گنگا بہہ رہی تھی، مال غنیمت کے انبار آرہے تھے، لیکن جب وہ حضور اکرم ﷺ کی سادہ اور مشقت والی زندگی کو یاد کرتے تو نہ اچھا کھانے کو دل چاہتا اور نہ ہی اچھا پہننے کا دل چاہتا۔

بدن پر پیوند لگا ہوا کرتا ہوتا، سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں بوسیدہ چپل ہوتی، اسی حالت میں بیوہ عورتوں کے گھروں میں پانی بھرنے کے لیے کاندھے پر مشک اٹھا لیتے، کام سے تھک جاتے تو خاک کے ننگے فرش پر سو جاتے۔

ایک دفعہ بیمار پڑ گئے، حکیم نے علاج میں شہد تجویز کیا، شہد بیت المال میں موجود تھا لیکن مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہا گر تم اجازت دو تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عرب کے بڑے مالدار لوگوں میں سے تھے لیکن اس کے باوجود انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے، ہر دوسرے تیسرے دن روزے رکھتے تھے، گھر میں کئی غلام اور لونڈیاں تھیں لیکن اپنے کام خود کرنا پسند فرماتے تھے، تہجد کے وقت اٹھتے تو کسی خادم کو بھی بیدار کر کے تکلیف نہیں دیتے تھے۔

میرے دوستو! جب تک مسلمان عوام اور ان کے حکمرانوں میں یہ سادگی باقی رہی، ان کے معاملات درستگی پر چلتے رہے اور جب انہوں نے اسراف وتبذیر کا راستہ اختیار کیا تو ذلت ونکبت اور فقر وفاقہ کا دروازہ ان پر کھل گیا تاریخ بتاتی ہے کہ مامون الرشید کی شادی پر پانچ کروڑ خرچ آیا، آج کے حساب سے اس کی مالیت پانچ ارب بنتی ہے۔

مقتدر کی ماں نے اپنے چھوٹے پوتے کی ایک تقریب میں چاندی کا ایک چھوٹا سا گاؤں آباد کیا جسکے مکانات اور کھیت وغیرہ بھی چاندی کے تھے۔

عبد الرحمن اوّل نے اپنے ایک درباری گویے زریاب کے لیے چالیس ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیئے اور رہنے کے لیے ایک عالیشان محل وقف کر دیا۔

ہارون الرشید کے دسترخوان پر تیس تیس قسموں کے کھانے ہوتے تھے، اس کے باورچی خانے کا روزانہ کا خرچ دس ہزار درہم تھا۔

ہارون الرشید کے بیٹے مامون کا روزانہ کا ذاتی خرچ چھ ہزار اشرفی تھا۔

آپ نے اورنگزیب کی کفایت شعاری کی بڑی داستانیں سنی ہوں گی لیکن آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ اس کے دربار میں ایک ایرانی سفیر آیا، اورنگزیب نے لاہور میں اس کی دعوت کی اس ایک دعوت میں چار سو ڈشیں تھیں اور فواکہات اور عطریات کے سات سو خوان ان کے علاوہ تھے۔

محلات کی تعمیر میں مسلمان حکمران جس طرح بے دریغ خرچ کرتے رہے اس کی تفصیلات بیان کی جائیں تو شاید بہت سے لوگوں کو یقین ہی نہ آئے۔ میرے دوستو! آج بھی مسلمان حکمرانوں کی عیاشیوں اور فضول خرچیوں کا سلسلہ اسی طرح جاری ہے جیسے ماضی کے حکمرانوں میں تھا۔

سارے عالم اسلام پر ایک نظر ڈالیے ہر حکمران عیاش، ہر بادشاہ فضول خرچ، ہر "امیر

المومنین''، ملکی خزانے میں ناجائز تصرف کرنے والا نظر آتا ہے!

عرب ممالک جنہیں عالم اسلام کی قیادت کا فریضہ سرانجام دینا تھا وہ اسراف وتبذیر میں سب سے آگے ہیں، دنیا کے ہر ملک میں ان کے محل ہیں بلکہ بعض ملکوں میں تو کئی کئی محل انہوں نے بنا رکھے ہیں جہاں سالہا سال بعد وہ دو چار روز بسیرا کر لیتے ہیں ہر محل میں ملازمین کی فوج ظفر موج ہے۔

عرب کے بادشاہوں کو تو چھوڑیئے ان کے شہزادوں کا یہ حال ہے کہ ایک ایک شہزادے کے تصرف میں تیس تیس گاڑیاں اور بیسیوں ملازمین ہیں۔

عربوں کے دستر خوانوں سے بچا ہوا کھانا جو روزانہ سمندر کی نذر کیا جاتا ہے وہ اگر کوسوو اور افغانستان کے مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے تو انہیں بھوکا نہ سونا پڑے۔ اپنے ملک پاکستان کا حال ہی دیکھ لیجیے جس کے ذمہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کا بتیس ارب ڈالر کا قرضہ ہے، اس کے علاوہ ملکی بینکوں سے بھی دس ارب ڈالر ادھار لیا گیا ہے، لیکن بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہونے کے باوجود حکمرانوں کی عیاشیوں کا سلسلہ جاری ہے، وزیر اعظم صاحب یہودیوں اور عیسائیوں سے بھیک مانگنے جاتے ہیں تو وزیروں، مشیروں، چمچوں کڑچھیوں اور ان کی بیگمات اور بچوں کی پوری فوج ان کے ساتھ ہوتی ہے، وہاں انتہائی مہنگے ہوٹلوں میں ان کے لیے رہائش کا انتظام کیا جاتا ہے اور قیمتی گاڑیاں ان کے سیر سپاٹے کے لیے مہیا کی جاتی ہیں۔

مالدار ملک برطانیہ کا وزیر اعظم دو بیڈ روم کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے جبکہ ہمارے غریب ملک کے صدر کا محل اتنا بڑا ہے کہ اس میں آدھا اسلام آباد سما سکتا ہے، صرف وزیر اعظم صاحب کا ذاتی عملہ چھ سو سے زائد افراد پر مشتمل ہے۔

انہی اللّے تللّوں کی وجہ سے ہماری معاشی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور

بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنی عیاشیوں کے باوجود ہمارے حکمران بڑی بے شرمی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی سادگی کے واقعات بیان کرتے ہیں، میرے دوستو! جب تک ہم اور ہمارے حکمران سادہ زندگی اختیار نہیں کریں گے ہماری معاشی مشکلات ختم نہیں ہوں گی، میری آواز حکمرانوں تک تو نہیں پہنچ سکتی کیونکہ وہ اندھے، بہرے ہو چکے ہیں مگر میں آپ تک تو اپنی آواز پہنچا سکتا ہوں آیئے! ہم اپنے اپنے دائرہ میں اسراف سے توبہ کریں اور سادہ زندگی اختیار کرنے کا عہد کریں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اِسلامی معاشرہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ، اَمَّابَعد! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ﴾ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

میرے بزرگو اور دستو! انسانوں کے مل جل کر رہنے سے معاشرہ وجود میں آتا ہے اور جب بہت سارے اِنسان مل جل کر رہتے ہیں تو ان کے درمیان مختلف تعلقات قائم ہوجاتے ہیں۔

کوئی کسی کا رشتہ دار ہوتا ہے، کوئی کسی کا کرایہ دار ہوتا ہے، کوئی مالک ہوتا ہے، کوئی مزدور ہوتا ہے، کوئی دوکاندار ہوتا ہے، کوئی خریدار ہوتا ہے، کوئی حکیم اور ڈاکٹر ہوتا ہے، کوئی بیمار ہوتا ہے، کوئی امام ہوتا ہے، کوئی مقتدی ہوتا ہے، کوئی استاد ہوتا ہے، کوئی شاگرد ہوتا ہے، کسیسے خاندان کا تعلق ہوتا ہے، کسی سے وطن اور زبان کا تعلق ہوتا ہے۔

ان تعلقات کی وجہ سے کسی سے محبت بھی ہوسکتی ہے اور کسی سے نفرت بھی ہوسکتی ہے، اتفاق بھی ہوسکتا ہے اور اختلاف بھی ہوسکتا ہے، اپنائیت بھی ہوسکتی ہے اور اجنبیت بھی ہوسکتی ہے، بعد بھی ہوسکتا ہے اور قربت بھی ہوسکتی ہے۔

جب یہ مسائل پیدا ہوں تو اسلام اپنے ماننے والوں کو کچھ مخصوص قسم کی ہدایات دیتا ہے ان ہدایات کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنے سے اسلامی معاشرہ وجود میں آجاتا ہے۔

یہ ہدایات بڑی تفصیل کے ساتھ قرآن واحادیث میں مذکور ہیں لیکن میں اس مختصر

وقت میں صرف ایک آیت اور صرف ایک حدیث کے حوالے سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلامی معاشرہ کیسے وجود میں آتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ایمان والے بھائی بھائی ہیں خواہ ان کا وطن الگ ہو ان کی زبان جدا ہو ان کے رنگ مختلف ہوں وہ بہر حال بھائی بھائی ہیں۔

ان میں سے ایک امیر ہے دوسرا غریب ہے، ایک مالک ہے، دوسرا مزدور ہے، ایک دوکاندار ہے دوسرا خریدار ہے، ایک امام ہے دوسرا مقتدی ہے، ایک چھوٹا ہے دوسرا بڑا ہے، ایک پاکستان میں رہتا ہے دوسرا ہندوستان میں رہتا ہے، ایک عربی ہے دوسرا چینی ہے، ان سارے اختلافات کے باوجود وہ بھائی بھائی کیوں ہیں؟ وہ کونسا رشتہ ہے جس نے ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا ہے؟

قرآن کہتا ہے کہ ان کے درمیان ایمان کا رشتہ ہے اور یہ رشتہ سارے رشتوں سے بڑھ کر ہے، رنگ، نسل اور زبان کے رشتے ٹوٹ سکتے ہیں مگر یہ رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔

یہ وہ رشتہ ہے جو کالے کو گورے کا بھائی بناتا ہے۔

یہ وہ رشتہ ہے جو امیر کو غریب کا بھائی بناتا ہے۔

یہ وہ رشتہ ہے جو افریقی کو امریکی کا بھائی بناتا ہے۔

ان دونوں کا اللہ ایک ہے، رسول ایک ہے، کتاب ایک ہے، قبیلہ ایک ہے، منزل ایک ہے، طرز زندگی ایک ہے، مقصد زندگی ایک ہے، نظریہ ایک ہے، محبت اور نفرت کا پیمانہ ایک ہے لہٰذا وہ بھائی بھائی ہیں جب ایمان والے ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھنا شروع کردیں تو اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے گا۔

اب آئیے! اس حدیث کی طرف جس کی مدد سے میں اپنے موضوع کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: آپس میں محبت اور رحمدلی کے معاملہ میں مسلمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم، جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم مل کر جاگتا ہے اور سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

جب مسلمان جسد واحد کی طرح بن جائیں گے تو اسلامی معاشرہ وجود میں آجائے گا۔

آپ جانتے ہیں کہ صرف سر میں درد ہو تو پورا جسم بے چین ہو جاتا ہے، اگر پاؤں پر زخم لگ جائے تو سارا جسم تڑپ اٹھتا ہے اسی طرح اسلامی معاشرہ میں ایک مسلمان کی تکلیف سارے مسلمانوں کی تکلیف بن جاتی ہے، ایک مسلمان دوسرے کو ننگا یا بے گھر دیکھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود ننگا اور بے گھر ہو گیا ہے۔

ایک مسلمان بھوکا ہوتا ہے تو اس کی بھوک کی وجہ سے دوسرے کو نیند نہیں آتی، ایک مسلمان پر ظلم ہوتا ہے تو اس کی کسک دوسرا اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں ہر مسلمان دوسرے کا خیر خواہ اور ہمدرد ہوتا ہے۔ اس کا ہر فرد الگ عمارت نہیں ہوتا بلکہ عظیم عمارت کی اینٹ ہوتا ہے، ہر اینٹ دوسری اینٹ سے جڑی ہوتی ہے، ہر اینٹ دوسری اینٹ کے لیے سہارا ہوتی ہے اس آیت اور اس حدیث کی روشنی میں اپنی سوسائٹی کا جائزہ لیجیے۔

جہاں ذات اور قبیلے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

جہاں صوبے اور زبان کے اختلافات چل رہے ہیں۔

جہاں فرقوں اور جماعتوں کے ٹکراؤ ہو رہے ہیں۔

جہاں کسی کو کسی دکھ درد کا احساس نہیں۔

کیا آپ اس معاشرہ کو اسلامی معاشرہ کہہ سکتے ہیں؟

کیا خوب کہا ہے جناب الطاف حسین حالی نے:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

یورپ کے غیر مسلم اپنے سارے ملکوں کیلئے مشترکہ کرنسی جاری کررہے ہیں۔

وہ ایک ہی پاسپورٹ جاری کرنے پر غور کررہے ہیں۔

وہ مسلمانوں کے خلاف ہر سطح پر متحد ہوچکے ہیں۔

لیکن پوری دنیا کے مسلمان منتشر ہیں، وہ اپنے مفادات میں جکڑے ہوئے ہیں۔ وہ پوری دنیا میں تو کیا متحد ہوں گے کسی ایک ملک میں بھی متحد نہیں۔

انہیں اپنے انفرادی مفادات سے تو غرض ہے لیکن اجتماعی مفادات کی کوئی فکر نہیں۔

اگر افغانستان کے لاکھوں مسلمان رات کو بھوکے سوتے ہیں تو دنیا کے باقی مسلمان ان کی بھوک کا درد محسوس نہیں کرتے۔

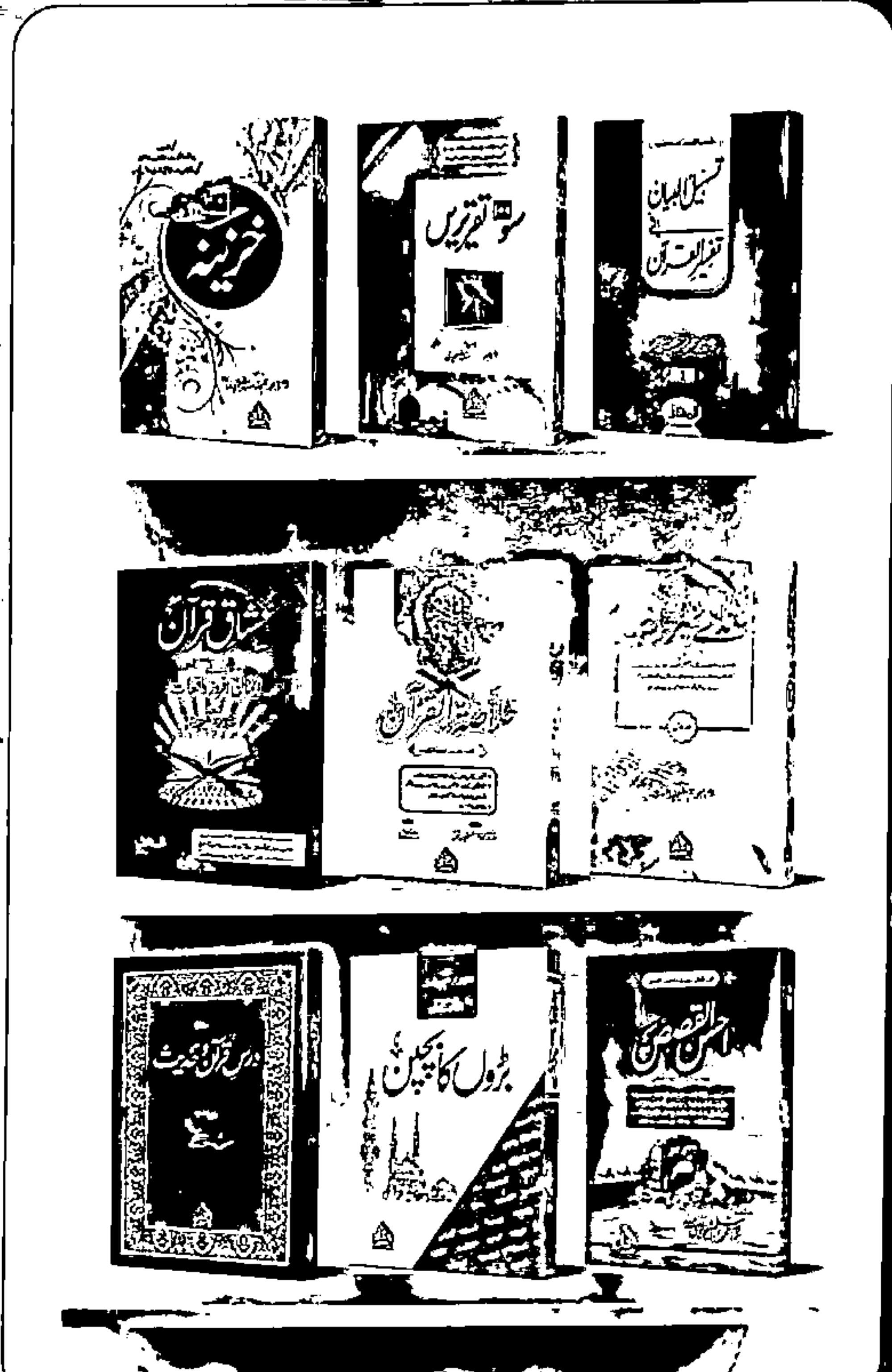
اگر کوسووو کے مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کر دیا گیا ہے تو دوسرے مسلمان اس پر پریشان نہیں۔

اگر داغستان کے مسلمانوں پر زمین تنگ کر دی گئی ہے تو عرب و عجم کے مسلمانوں کو کوئی فکر لاحق نہیں۔

میرے دوستو! جس دن صحیح اسلامی معاشرہ وجود میں آگیا اور ہر مسلمان نے دوسرے مسلمان کے درد کو محسوس کر لیا وہ دن مسلمان کی عزت و رفعت کا دن ہوگا اور وہ دن کفر کی رسوائی اور ذلت کا دن ہوگا۔

اللہ کرے کہ ہم کم از کم اپنے ملک، اپنے شہر اور اپنے محلہ میں صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ



بلاک A-1، گلستان جوہر، یونیورسٹی روڈ، کراچی
0321-3135009 | 0321-2000870
almanhalpublisher@gmail.com
almanhalpublisher@hotmail.com
www.almanhalpublisher.com

سو تقریریں سادہ ایڈیشن
74093